Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

محبوب عالم

تعویذ، انگلیاں اور انگوٹھی

جرم وسزا اور سراغرسانی کی حقیقی، جذباتی اور سنسنی خیز کہانیاں

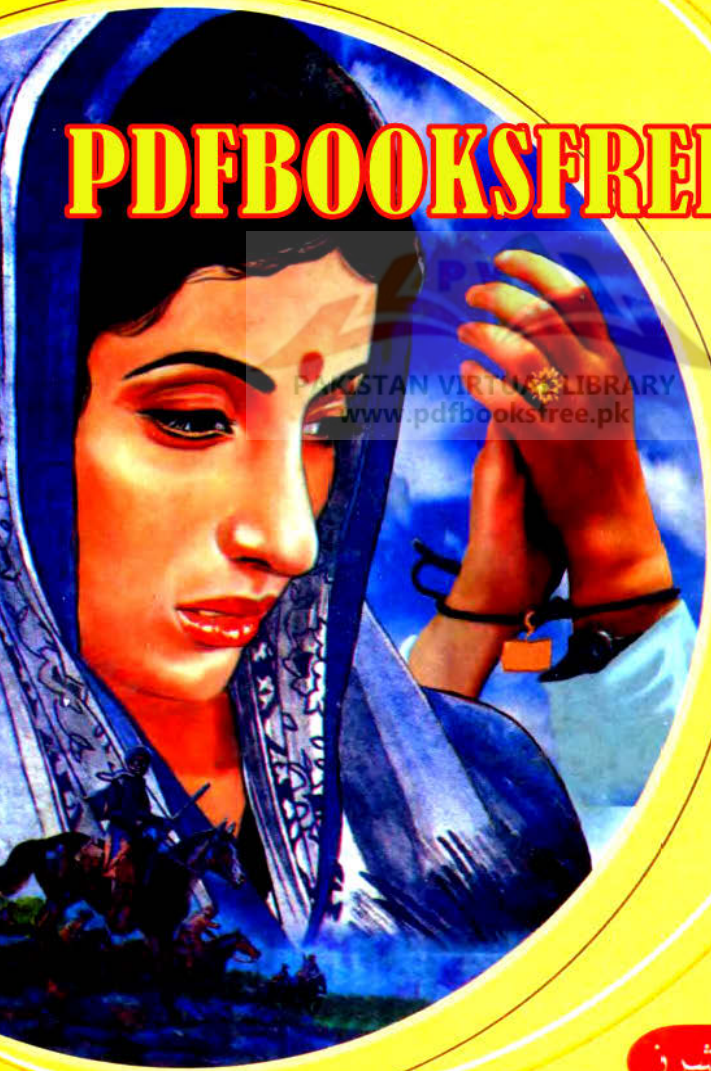

PDFBOOKSFREE.PK
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

حکایت پبلشرز

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پیش لفظ

محترم محبوب عالم کی تفتیشی کہانیوں کا ایک اور مجموعہ پیشِ خدمت ہے۔ محترم احمد یار خان اور محترم محبوب عالم کی تفتیشی کہانیوں کے متعلق اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ اب کچھ اور لکھنے کی ضرورت ہی نہیں رہی۔

یہاں ہم صرف یہ کہیں گے کہ اس سلسلے میں جتنی بھی کہانیاں پیش کی جا چکی ہیں اور آئندہ بھی پیش کی جاتی رہیں گی۔ ان میں تفریح کے عناصر کے ساتھ ساتھ اپنے معاشرے کے مسائل، گناہ و ثواب کا فلسفہ، قومیت اور خاص طور پر نوجوان نسل کے اخلاق کو بگاڑ سے بچانے کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔

یہ ہمارا عزم ہے کہ فحش، مار دھاڑ اور جنسیت سے بھرپور لٹریچر کے مقابلے میں ایسی صاف ستھری اور سبق آموز کہانیاں قارئین کو دی جائیں جن میں کہانی کی دلچسپی کے ساتھ ساتھ تفریح کا عنصر بھی ہوتا کہ وہ ذہنی عیاشی میں مبتلا کرنے والے مواد سے بچے رہیں۔

اس سلسلے میں آپ کے تعاون اور تجاویز کے لیے شکر گزار ہیں۔

مدیر

''حکایت''

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

فہرست

وہ دوبار قتل ہوئی 5

تعویذ، انگلیاں اور انگوٹھی 34

سگی ماں سوتیلا باپ 79

بھید جو دفن ہو چکا تھا 121

شکاری جو شکار ہوا 164

کھنڈر میں کھرے 209

وہ دوبار قتل ہوئی

مشرقی پنجاب آج انڈیا کی حکومت، سیاست، فوج، پولیس اور ہندوؤں کے لیے مصیبت بنا ہوا ہے۔ وہاں سکھوں کے آزادی کے نعرے گونج اور گرج رہے ہیں۔ انگریزوں کے وقتوں میں یہ علاقہ پولیس کے لیے مصیبت بنا رہتا تھا۔ آج سکھ جنگ آزادی لڑ رہے ہیں۔ اُس زمانے میں سکھ قتل، ڈاکہ زنی، نقب زنی اور رہزنی کی وارداتیں کیا کرتے تھے۔ دوآبے کا علاقہ جرائم میں مشہور تھا۔ سکھ ڈکیتی وغیرہ کی وارداتیں بڑے فخر سے کرتے اور جو سکھ گرفتار ہو کر سزا پاتا وہ اور زیادہ فخر کرتا تھا۔ ایک دوسرے کو چھوٹی چھوٹی باتوں پر قتل کر دینا ان سکھوں کے لیے کھیل تماشہ تھا۔ جن تھانیداروں کو اس علاقے کے دیہاتی تھانوں میں تعینات کیا جاتا تھا وہ اس تعیناتی کو سزا سمجھتے تھے اور پولیس کے انگریز افسران اعلیٰ کسی تھانیدار کو سزا دینا چاہتے تو اسے دوآبے کے کسی تھانے کا ایس ایچ او مقرر کر دیتے تھے۔

میری باری بھی آ گئی۔ سزا کے طور پر نہیں بلکہ باری کے لحاظ سے مجھ کو اس علاقے کے ایک قصبے کا ایس ایچ او مقرر کر دیا گیا۔ اس قصبے کے اردگرد کا بہت سارا دیہاتی علاقہ بھی اس تھانے کے تحت آتا تھا۔ اس علاقے نے بے شمار ایسے سکھ ڈاکو پیدا کیے تھے جنہوں نے انگریزوں کو پریشان کر دیا تھا۔ بہت سارے ڈاکوؤں کو زندہ یا مردہ پکڑنے کے لیے کثیر رقموں کے انعام مقرر تھے۔

میں جو واردات سنانے لگا ہوں یہ ڈکیتی کی نہیں قتل کی واردات تھی۔ ایک بڑی خوبصورت سکھنی، عمر لگ بھگ چوبیس سال قتل ہو گئی تھی۔ یہ قصبے کی واردات تھی۔ صبح کے وقت مقتولہ کا باپ اور سسر تھانے میں آئے۔ مقتولہ اپنے سسرال میں تھی۔ یہ گھر بھی اسی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

قصبے میں تھا۔ مقتولہ کے سسر نے واردات کی جو باتیں سنائیں وہ یہ تھیں کہ مقتولہ کا خاوند فوج میں حوالدار کلرک تھا۔ وہ سکھ رجمنٹ میں تھا۔ اس کی پلٹن کوہاٹ میں تھی۔ وہ پانچ دنوں کی چھٹی لے کر آیا ہوا تھا۔ اس نے اس صبح جس صبح مجھ کو تھانے میں اس کی بیوی کے قتل کی رپورٹ دی جا رہی تھی، واپس روانہ ہونا تھا۔ وہ اس کی چھٹی کا آخری دن تھا۔

گذشتہ رات خاوند رگھبیر سنگھ دیر سے گھر آیا۔ وہ ایک دوست سے ملنے چلا گیا تھا جو چار پانچ میل دور ایک گاؤں میں رہتا تھا۔ وہ کہہ گیا تھا کہ رات دیر سے گھر آئے گا۔ اس کی اور اس کی بیوی کی چارپائیاں اوپر چھت پر بچھائی گئی تھیں۔ موسم گرم تھا۔ گھر کے باقی افراد صحن اور برآمدے میں سوئے۔ چھٹیوں کی تمام راتیں ان دونوں کی چارپائیاں چھت پر ہوتی تھیں۔

مقتولہ اوپر سونے کے لیے چلی گئی اور گھر کے سب افراد سو گئے۔ رگھبیر سنگھ آدھی رات کے وقت واپس آیا۔ اس کے انتظار میں ڈیوڑھی کا باہر والا دروازہ کھلا رکھا گیا تھا۔ وہ جب آیا تو اس کے باپ کی آنکھ کھل گئی۔ رگھبیر سنگھ کمرے میں گیا۔ بتی جلائی۔ شاید کپڑے بدل رہا تھا۔ باپ کے ساتھ اس کی کوئی بات نہیں ہوئی۔ وہ بتی بجھا کر اوپر چلا گیا۔

رگھبیر اور اس کی بیوی سورج نکلنے سے پہلے نیچے آجایا کرتے تھے۔ اس صبح سورج کچھ اوپر آگیا تو بھی وہ نہ جاگے۔ رگھبیر کی ماں انہیں جگانے کے لیے اوپر گئی۔ اوپر سے اس کی چیخیں سنائی دیں۔ رگھبیر کا باپ وغیرہ دوڑتے ہوئے اوپر گئے۔ اوپر عجیب منظر دیکھا۔ رگھبیر وہاں نہیں تھا۔ اس کی بیوی چارپائی پر پڑی ہوئی تھی اور اس کی گردن اس طرح کٹی ہوئی تھی جس طرح بکرا ذبح کیا جاتا ہے۔

''رگھبیر سنگھ کہاں ہے؟'' — میں نے پوچھا۔

''معلوم نہیں'' — اس کے باپ نے جواب دیا — ''مجھ کو شک ہے کہ دشمن اس کو اٹھا کر لے گئے ہیں۔ اس کو بھی قتل کر دیں گے''۔

''دشمنوں کے نام لکھوا دو'' — میں نے کہا۔

''ہمارا تو کوئی دشمن نہیں'' — باپ نے جواب دیا — ''شاید اس کا کوئی دشمن ہو''۔

یہ تو بعد کی باتیں تھیں۔ میں نے بال کی کھال اتارنی تھی اور زمین کے نیچے سے بھید

نکالنے تھے۔ میں نے کاغذی کارروائی کی اور جائے وقوعہ کو روانہ ہو گیا۔ یہ چھوٹا سا قصبہ تھا۔ وقوعہ والا گھر قریب ہی تھا۔ یہ پکا مکان تھا۔ اس کی ڈیوڑھی تھی۔ آگے کشادہ صحن تھا جس کے آمنے سامنے کمرے اور کمروں کے آگے برآمدے تھے۔ ایک برآمدے کے ساتھ سیڑھیاں تھیں۔

میں اوپر گیا۔

ایک چھت پر دو چارپائیاں ایک دوسری سے ملی ہوئی تھیں۔ ان پر بستر بچھے ہوئے تھے۔ ایک چارپائی خالی تھی۔ دوسری پر لاش پڑی ہوئی تھی اور اوپر چادر ڈالی ہوئی تھی۔

گلا کاٹا، خون نہیں

میں نے چادر ہٹائی تو اس طرح محسوس ہوا جیسے کسی نے مجھ کو پیچھے کو دھکا دیا ہو۔ دماغ میں اس طرح ہونے لگا جیسے بجلیاں چمکنی شروع ہو گئی ہوں۔ میری حالت کی وجہ یہ ہوئی کہ مقولہ کو بکرے کی طرح ذبح کیا گیا تھا لیکن خون کا ایک قطرہ بھی نہیں تھا۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ مقتولہ کا گلا مردہ حالت میں کاٹا گیا۔ میرے دماغ میں وقوعہ کی صورت یہ بنتی تھی کہ مقتولہ کو پہلے گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا پھر گلا کاٹا گیا۔ اس طریقہ قتل کی وجہ یہ ہو سکتی تھی کہ قاتل نے مقتولہ کا گلا دبایا اور اس کو شک ہوا کہ یہ میری نہیں۔ مجرم ہمیشہ جلدی میں ہوتا ہے۔ اس نے کام جلدی پورا کرنے کی غرض سے چاقو یا چھری سے گلا کاٹ دیا اور بھاگ گیا۔

گردن آدھی کٹی ہوئی تھی۔ اس وجہ سے گردن پر گلا گھونٹنے کے نشان نظر نہیں آتے تھے۔ میں نے لاش کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا۔ جسم پر کہیں بھی زخم، ضرب یا خراش کا نشان نہیں تھا۔ اپنے تجربے کی بنا پر لاش کے ہاتھ دیکھے اور پھر ناخنوں کو غور سے دیکھا۔ مجھ کو وہ چیز نظر آگئی جو میں دیکھنا چاہتا تھا۔ دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلیوں، درمیان والی اور اس کے ساتھ والی انگلیوں کے سروں پر ذرا ذرا خون جما ہوا تھا۔ مقتولہ کے ناخن لمبے تھے۔ ان کے اندر بھی جما ہوا خون تھا۔

گلا ہاتھوں سے گھونٹنے کی وارداتوں میں عام طور پر اس طرح ہوتا ہے کہ مقتول اپنی گردن چھڑانے کے لیے قاتل کے ہاتھوں پر ناخن مارتا ہے۔ میں اس واردات تک ایسی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دو وارداتیں دیکھ چکا تھا۔ اس واردات میں بھی مقتولہ نے قاتل سے آزاد ہونے کی کوشش میں اس کے ہاتھوں یا بازوؤں پر ناخن مارے تھے اور خون جو اس کی انگلیوں پر اور ناخنوں کے اندر جما ہوا تھا، وہ قاتل کا تھا۔ میرا یہ شبہ پکا ہو گیا کہ گلا کاٹنے سے پہلے گلا ہاتھوں سے دبایا گیا۔

میں نے ساتھ والی چارپائی دیکھی۔ اس پر صاف ستھرا بستر بچھا ہوا تھا۔ یہ لوگ دیہاتی نہیں تھے۔ کچھ کچھ تعلیم یافتہ بھی تھے۔ مقتولہ کا خاوند رگھبیر سنگھ میٹریکولیٹ تھا۔ بستر پر جو چادر تھی اس پر ذرا سی بھی سلوٹ نہیں تھی۔ اس کو دیکھ کر ہر کوئی کہہ سکتا تھا کہ اس بستر پر کوئی لیٹا ہی نہیں بلکہ اس پر کوئی بیٹھا بھی نہیں۔ رگھبیر کے باپ کا بیان تھا کہ رگھبیر کپڑے بدل کر اوپر چلا گیا تھا۔ وہ لاپتہ تھا۔ یہ شبہ صحیح تھا کہ قاتل وہی تھا۔ وہ اوپر آیا۔ بیوی کو قتل کیا اور چلا گیا۔

مقتولہ کا سسر اور باپ میرے ساتھ تھے۔

''کیا رگھبیر اوپر آنے کے کچھ دیر بعد پھر نیچے گیا تھا؟''۔۔۔ میں نے رگھبیر کے باپ سے پوچھا۔

''میں سو گیا تھا''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ ''میرا خیال ہے وہ نیچے نہیں آیا تھا''۔

''تم یا گھر کا کوئی فرد میرے ایک سوال کا جواب دے سکتا ہے؟''۔۔۔ میں نے پوچھا۔۔۔ ''کیا صبح ڈیوڑھی کے دروازے کی اندر سے زنجیر چڑھی ہوئی تھی؟''

''چڑھی ہوئی تھی''۔۔۔ رگھبیر کے باپ نے جواب دیا۔۔۔ ''میں منہ اندھیرے اٹھا کرتا ہوں۔ پہلے باہر کھیتوں کو جاتا ہوں پھر گوروارے جاتا ہوں''۔

''رگھبیر اپنے ساتھ سوٹ کیس یا صندوق لایا تھا؟''

''نہیں''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ ''کل پانچ دنوں کی چھٹی آیا تھا۔ اس کے پاس چمڑے کا ایک بیگ تھا جس میں دو جوڑے کپڑے اور چپل وغیرہ تھے''۔

''نیچے جاؤ''۔۔۔ میں نے اس کو کہا۔۔۔ ''اور دیکھو کہ وہ بیگ یہیں ہے یا نہیں''۔

اس کے جانے کے بعد میں نے اب بستر کو دیکھنا شروع کیا جس پر لاش پڑی ہوئی تھی۔ میں اس کوشش میں تھا کہ قاتل کی کوئی نشانی مل جائے۔ تکیے کے غلاف کی جھالر کے نیچے ایک چیز مل گئی۔ یہ انگوٹھی سے نکلا ہوا لال رنگ کا نگ (پتھر) تھا۔ میں نے فوراً مقتولہ

کی انگلیوں کو دیکھا۔ انگلیوں میں دو انگوٹھیاں تھیں۔ دونوں کے ڈیزائن ایسے تھے جن میں نگ نہیں لگتے تھے۔ یہ لال نگ قاتل کی انگوٹھی سے نکلا تھا۔ میں نے اس کو اپنی جیب میں ڈال لیا۔

یہ نگ انگوٹھی میں ڈھیلا لگا ہوا ہو گا یا اس پر انگوٹھی کی گرفت ڈھلی ہو گئی ہو گی۔ مقتولہ نے جب اپنی گردن چھڑانے کے لیے قاتل کے ہاتھوں پر ناخن مارے تو کسی انگلی کا ناخن قاتل کی انگوٹھی کے نگ پر جا پڑا ہو گا۔ نگ ڈھیلا ہونے کے باعث انگوٹھی سے نکل کر تکیے پر گر پڑا۔ مضبوطی سے جڑا ہوا نگ ناخن سے نہیں نکالا جا سکتا۔

مقتولہ کے سسر نے آ کر بتایا کہ رگھبیر کا بیگ یہاں نہیں ہے۔

''اس کے چپل یا جوتے ہیں؟''۔۔۔ میں نے پوچھا۔۔۔ ''شلوار؟ قمیض، پینٹ؟''

''کچھ بھی نہیں''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ ''میں ہر جگہ دیکھ آیا ہوں''۔

''سردار جی!''۔۔۔ میں نے اس کو کہا۔۔۔ ''تمہارے بیٹے کو کوئی اٹھا کر نہیں لے گیا۔ وہ خود گیا ہے''۔

''تو کیا اس نے اپنی بیوی کو خود.....''

''ہاں''۔۔۔ میں نے اس کی بات پوری کر دی۔۔۔ ''اس نے خود اپنی بیوی کو قتل کیا ہے''۔

اس کو چپ لگ گئی اور اس کا چہرہ لٹک گیا۔

''لیکن وہ گیا کدھر سے؟''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''صبح میں نے خود دیکھا کہ باہر والا دروازہ اندر سے بند تھا''۔

''گھر کا کوئی فرد اس کے جرم میں شامل تھا''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''اس فرد نے رگھبیر کو باہر نکالا اور اندر سے دروازے کی زنجیر چڑھا دی..... یہ فرد تم بھی ہو سکتے ہو''۔

یہ سن کر وہ بہت گھبرایا اور بے تکا بولنے لگا۔ میں نے لاش کو پوسٹمارٹم کے لیے بھجوا دیا اور یہ دیکھنا شروع کر دیا کہ اس چھت پر کسی اور طرف سے آنے جانے کا راستہ یا ذریعہ ہو گا۔ ساتھ والے مکانوں کی چھتیں ملی ہوئی تھیں لیکن ایک اور ذریعہ نظر آ گیا۔ یہ مکان قصبے کے باہر کی طرف تھا۔ اس کے پچھواڑے پندرہ سولہ گز جگہ خالی تھی اور آگے جوہڑ تھا جس میں بارشوں کا پانی بھرا رہتا تھا۔ جوہڑ اور مکان کے درمیان پیپل کا ایک بڑا پرانا درخت

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ اس کا ایک ٹہن اس مکان کی منڈیر سے آگے تک آیا ہوا تھا۔ میں نے اس ٹہن کو غور سے دیکھا۔ درخت کی طرف جہاں سے شروع ہوتا تھا، زمین سے تھوڑا ہی اونچا تھا۔ مکان کی طرف آتے ہوئے یہ اونچا ہوتا گیا تھا اور منڈیر سے یہ پانچ چھ فٹ اونچا ہو گیا تھا۔ اس سے چند ایک چھوٹے چھوٹے ٹہن نکلے ہوئے تھے۔ اس ٹہن سے آسانی سے مکان سے اترا جا سکتا تھا۔ فوجی جوان کے لیے یہ کام ذرا سا بھی مشکل نہیں تھا۔ چھت کچی تھی اور لپائی پرانی ہو گئی تھی۔ کھوجی میرے ساتھ نہیں تھا۔ وہ دو میل دور ایک گاؤں میں رہتا تھا۔ میں نے نمبردار کو بلا کر کہا کہ کسی کو سائیکل یا دو گھوڑے دے کر کھوجی کو یہاں لانے کا بندوبست کرے۔ ایک کانسٹیبل کو کہا کہ وہ نیچے پیپل کے پاس چلا جائے اور کسی کو وہاں سے نہ گذرنے دے۔

پیپل اور پاؤں

میں نے چارپائیوں سے منڈیر تک جہاں پیپل کا ٹہن اوپر آتا تھا، چھت دیکھی، کھرے صاف نہیں تھے، البتہ یہ صاف نظر آتا تھا کہ کوئی یہاں چلا ہے میں نیچے گیا اور پچھواڑے جا کر پیپل کے تنے تک گیا۔ وہاں دھول تھی اور جو ہڑ قریب ہونے کی وجہ سے زمین کچھ گیلی تھی۔ اس کا فائدہ یہ ملا کہ کھرے صاف تھے۔ میرا قیاس کہتا تھا کہ رگھبیر نے اپنی بیوی کو قتل کیا اور پیپل کے ٹہن کے ذریعے نیچے اترا اور رات کی پینجر ٹرین سے چلا گیا۔ یہ اس کی پانچ روزہ چھٹی کا آخری دن تھا۔

میرے ساتھ ایک ہیڈ کانسٹیبل تھا۔ اس کو میں نے یہ معلوم کرنے کے واسطے ریلوے سٹیشن بھیجا کہ رات ساڑھے بارہ بجے کی گاڑی سے ایک سکھ فوجی گیا ہے یا نہیں۔ فوجیوں کو اتفاقیہ چھٹی پر کنسیشن دو چرملا کرتا تھا۔ فوجی کو صرف ایک طرف کا کرایہ دینا پڑتا تھا۔ ایک تو اس وجہ سے بکنگ کلرک کو یاد ہونا چاہئے تھا کہ ایک فوجی نے کوہاٹ تک کا ٹکٹ لیا تھا اور اس سے بھی بکنگ کلرک ہمارے سوال کا ٹھیک جواب دے سکتا تھا کہ آدھی رات کے وقت والی پینجر ٹرین سے اس چھوٹے سے قصبے سے بہت کم مسافر سوار ہوتے تھے۔

میں نمبردار کی ڈیوڑھی میں جا کر بیٹھ گیا۔ میں نے تفتیش میں تیزی تو دکھائی ہی تھی۔ انگریز افسر قتل اور ڈاکے کی تفتیش میں ذرا جتنی سستی بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ ڈی

ایس پی اور ایس پی اچانک آ جاتے اور سنگین وارداتوں کی تفتیش کا ریکارڈ طلب کر کے تھانیداروں کی جان کو آ جاتے تھے۔ ایک یہ وجہ تھی کہ میں تفتیش کو جلدی کسی نتیجے پر پہنچانا چاہتا تھا، مگر جلدی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ڈی ایس پی کو کہنا تھا کہ وہ رگھبیر سنگھ کی رجمنٹ سے معلوم کرے کہ وہ وہاں پہنچا ہے یا نہیں اگر پہنچ گیا ہے تو اس کی گرفتاری کے لیے مجھ کو کوہاٹ بھیجنے کا بندوبست کرے۔

مجھ کو معلوم تھا کہ رگھبیر اگلے روز کسی وقت کوہاٹ پہنچ گیا۔ وہ پینجر ٹرین پر گیا تھا جو چھوٹے چھوٹے سٹیشنوں پر بھی رکتی تھی۔ فوجی پینجر ٹرین پر ہی سفر کر سکتے تھے۔ انہیں ایکسپریس اور میل گاڑیوں پر سفر کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ رگھبیر نے ایک گاڑی لاہور سے بدلنی اور راولپنڈی پہنچنا تھا اور وہاں سے کوہاٹ کے لیے گاڑی بدلنی تھی۔ اس طرح اس کو روانگی کی رات کے علاوہ ایک دن اور ایک رات اور اگلے دن کا کچھ حصہ سفر کرنا تھا۔

یہ شبہ بالکل صاف تھا کہ مقتولہ کو رگھبیر نے قتل کیا ہے لیکن قتل کا باعث معلوم کرنا اور کچھ شہادت کا حاصل کرنا ضروری تھا۔ میں نے نمبردار کو بٹھا لیا اور اس سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ اس نے بتایا کہ مقتولہ شوقین لڑکی تھی۔ خدا نے اس کو حسن دیا تھا اور اس کا باپ پیسے والا آدمی تھا۔ لڑکی آزاد ہو گئی۔ چال چلن کے معاملے میں صحیح نہیں تھی۔

''زیادہ خراب تھی؟'' ــــ میں نے پوچھا۔

''نہیں'' ــــ نمبردار نے جواب دیا ــــ ''ایسی نہیں کہ جس نے کچھ لالچ دیا اس کے ساتھ لگ گئی۔ اس کی دوستی ایک ہندو کے ساتھ تھی۔ یہ ہندو ذرا جیوت خاندان کا ہے اور اس کے باپ کی زمینداری خاصی بڑی ہے۔ شادی کر کے بھی اس لڑکی نے یہ شغل میلہ نہیں چھوڑا۔ اب اس کے تعلقات ایک اور ہندو لڑکے کے ساتھ تھے۔ وہ بھی راجپوت زمیندار ہے۔ ایک مسلمان لڑکے پر بھی شک ہے۔ یہ بھی امیر زمیندار کا بیٹا ہے۔ میں ان تین کو ہی جانتا ہوں''۔

''اس کے خاوند کو اس کے چال چلن کے بارے میں معلوم نہیں تھا؟''

''میرا خیال ہے کہ خاوند کو شک تھا'' ــــ نمبردار نے جواب دیا ــــ ''میں نے سنا ہے کہ دو تین بار خاوند نے اس کو مارا پیٹا بھی ہے۔ یہ لڑکی اپنے سسرال میں تو دو چار دنوں سے زیادہ رہتی ہی نہیں تھی۔ اس کی ماں نے بھی اپنی جوانی ایسی ہی گذاری ہے''۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

''شادی ہوئے کتنا عرصہ ہو گیا ہے؟''

''ابھی چھ مہینے ہی ہوئے ہیں''۔۔۔ نمبردار نے جواب دیا۔۔۔ ''ان چھ مہینوں میں رگھبیر سنگھ ایک مہینے کی چھٹی آیا تھا۔ اس چھٹی میں اس نے شادی کی اور اس کے بعد اب پانچ دنوں کی چھٹی آیا تھا۔ اس کی موجودگی میں یہ لڑکی سسرال میں رہی اور اس کی غیر حاضری میں کبھی دو چار دن سسرال رہی، باقی دن وہ اپنے میکے رہی۔ شادی کر کے بھی اس کی شوقینی اور شغل میلے اور عشق بازی میں کوئی فرق نہیں آیا''۔

نمبردار نے میرے آگے ایسے پردے اٹھا دیئے کہ قتل کا باعث صاف نظر آ گیا۔ اس کے ساتھ جو سوال جواب ہوئے اور خیالات کا جو تبادلہ ہوا، اس سے یہ سمجھیں کہ تصدیق ہو گئی کہ قاتل رگھبیر ہے۔

اس کے بعد مقتولہ کے سسر کو بلا کر اس کے گھر کے حالات معلوم کئے۔ اس نے مقتولہ کے چال چلن کے بارے میں کوئی ٹھوس یا مصدقہ بات نہ بتائی، یہ بتایا کہ رگھبیر اور مقتولہ آپس میں خوش نہیں رہتے تھے۔ مقتولہ روٹھی روٹھی رہتی تھی اور رگھبیر کی غیر موجودگی میں زیادہ دن اپنے میکے میں رہتی تھی۔ سسر نے نمبردار کے اس بیان کی تائید کی کہ رگھبیر مقتولہ کو مارتا پیٹتا بھی تھا۔

نمبردار اور مقتولہ کے سسر کے ساتھ بہت وقت لگ گیا۔ اس دوران کھوجی آ چکا تھا اور اس کو میں نے سمجھا کہ بھیج دیا تھا کہ چھت پر اور پیپل کے تنے کے اردگرد کھرے دیکھے۔ اتنے میں ہیڈ کانسٹیبل ریلوے سٹیشن سے یہ خبر لے کر آ گیا کہ ایک سکھ رات ساڑھے بارہ بجے کی پسنجر ٹرین سے کوہاٹ گیا ہے۔ ریلوے سٹیشن کا ایک قلی ہیڈ کانسٹیبل کی جان پہچان والا تھا۔ اس کے ساتھ ہیڈ کانسٹیبل کی بات ہوئی۔ اس نے بتایا کہ رات کی گاڑی پر اس نے حوالدار رگھبیر سنگھ کو سوار ہوتے دیکھا تھا۔ یہ قلی اسی قصبے کا رہنے والا تھا اور رگھبیر کو اچھی جانتا تھا۔

میں نے تفتیش یہیں پر ختم کر دی۔ میرا کوہاٹ جانا لازمی ہو گیا۔ کھوجی کے انتظار میں مجھ کو وہاں رکنا پڑا۔ اس نے خاصا وقت لگا کر مجھ کو رپورٹ دی۔ یہ رپورٹ اس نے مجھ کو پیپل کے پاس لے جا کر دی۔ عجیب اور دلچسپ رپورٹ تھی۔ ایک آدمی آیا۔ اس نے جوتے اتارے اور ننگے پاؤں تنے کے اردگرد گھویا۔ کھوجی نے اپنے فن اور تجربے کی رو سے بتایا کہ یہ آدمی ننگے پاؤں درخت پر چڑھا ہے۔ پھر کھوجی نے مجھ کو کھرے دکھائے کہ

یہی آدمی درخت سے اترا اور اپنے جوتوں تک جا کر اس نے جوتے پہنے۔ وہاں سے جوتوں کے کھرے شروع ہوئے اور کچی زمین پر جاتے جاتے ایک پکی گلی میں غائب ہو گئے۔

کھوجی نے ایک کھرا اور دکھایا۔ یہ شوز کا تھا۔ یہ کہیں سے آیا نہیں تھا بلکہ درخت کے قریب سے شروع ہوا اور جوہڑ کے کنارے کنارے جاتا سڑک تک چلا گیا اور غائب ہو گیا۔ سڑک کے کنارے کنارے پیدل چلنے والوں نے یہ کھرا مٹا دیا تھا۔ کھوجی کو بتا دیا گیا تھا کہ واردات کیا ہے اس لیے اس نے یہ کھرا صحیح بیان کیا۔ شوز کے دونوں پاؤں پیپل کے تھن کے نیچے سے چار پانچ قدم دور زمین پر اس طرح پڑے تھے۔ جیسے ان پر زیادہ پریشر ڈالا گیا ہو، پھر ایک پاؤں کا نشان ذرا آگے دائیں طرف اور دوسرا ذرا پیچھے بائیں طرف لگا دیکھا۔ کھوجی نے کہا کہ یہ آدمی تھن سے کودا ہے۔ وہ جلدی میں تھا اس لیے تنے تک نہیں گیا حالانکہ وہاں سے اترنا آسان تھا۔

یہ میرے لیے معمہ تھا۔ ایک آدمی آیا اور ننگے پاؤں اوپر گیا اور واپس اتر کر ایک گلی میں چلا گیا۔ دوسرا کہیں سے نہیں آیا۔ وہ اوپر سے اترا اور سڑک کی طرف چلا گیا۔ یہ بھی معمہ تھا کہ مقتولہ کی گردن کٹی ہوئی تھی اور خون نہیں تھا۔ میرے دماغ میں عجیب سا سوال آیا۔ کیا مقتولہ دو مرتبہ قتل ہوئی؟ پہلے زندہ قتل ہوئی اور پھر مردہ قتل ہوئی؟

اس سوال کا جواب صرف رگھبیر سنگھ دے سکتا تھا۔

سچی گل کراں تھانیدارا؟

میں تیسرے دن کوہاٹ سکھ رجمنٹ کے کمانڈنگ آفیسر کے دفتر میں بیٹھا ہوا اس کو واردات سنا رہا تھا۔ کمانڈنگ آفیسر انگریز لیفٹیننٹ کرنل تھا۔ اس نے میرا بیان سن کر ایجوٹنٹ کو بلایا جو انگریز کیپٹن تھا۔

''اس سب انسپکٹر کو اپنے ساتھ لے جاؤ''۔۔۔ کرنل نے کیپٹن کر کہا۔۔۔ ''حوالدار رگھبیر سنگھ کو اس کے سپرد کر دو۔ یہ اس کا بیان لے گا۔ صوبیدار میجر کو اس کے ساتھ بٹھاؤ۔ یہ حوالدار کلرک اپنی بیوی کو قتل کر کے آیا ہے۔ اگر الزام صحیح ہے تو یہ سب انسپکٹر اس کو گرفتار کر کے لے جائے گا''۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ایجونٹ مجھ کو اپنے دفتر میں لے گیا۔ رگھبیر اسی دفتر میں کام کرتا تھا۔ ایجونٹ کے بلاوے پر وہ دو منٹوں میں آ گیا۔ اس نے ایجونٹ کو سلیوٹ کیا۔ جب اس نے میری طرف دیکھا تو اس کی آنکھیں زیادہ کھل گئیں اور اس کے چہرے پر ایسی تبدیلی آئی جو کسی اناڑی کو بھی محسوس ہو سکتی تھی۔ انگریز کیپٹن ایجونٹ نے اس کے چہرے کی تبدیلی نوٹ کر کے میری طرف دیکھا اور مسکرایا۔ میں وردی میں تھا۔

''کیا تم اپنی بیوی کو قتل کر کے آئے ہو؟''___ ایجونٹ نے اس سے انگریزی میں پوچھا۔

''نن، نن.....''___ رگھبیر نے ہکلا کر کہا___ ''نن، نو سر!''

''اس سب انسپکٹر اور حوالدار رگھبیر سنگھ کو کوارٹر گارد میں لے جاؤ''___ ایجونٹ نے صد بیدار میجر کو بلایا اور اسے کہا___ ''یہ اس کا بیان لیں گے اور آپ ان کے پاس موجود ہیں''۔

صو بیدار میجر سکھ تھا۔ وہ ہمیں کوارٹر گارد میں لے گیا اور برآمدے میں کرسیاں رکھوا دیں۔ میرے ساتھ دو کانسٹیبل تھے۔ انہیں میں نے الگ بٹھا دیا۔

''رگھبیر سنگھ!''___ میں نے اس کو کہا___ ''تمہارے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ ہاں، اگر اقبالی ہو جاؤ گے تو تمہارے بچنے کی گنجائش نکال سکتا ہوں۔ موقعہ کا کوئی گواہ نہیں''۔

''میں نے کچھ نہیں کیا''___ اس نے کہا۔

''بیوقوفی نہ کرو رگھبیر!''___ میں نے کہا___ ''میں اتنی دور سے جو یہاں تک آ گیا ہوں وہ میں شک شبے پر تو نہیں آیا۔ بڑی پکی شہادت نے مجھ کو یہاں تک پہنچایا ہے۔ تم اقبالی بیان نہیں دو گے تو بھی نہیں بچ سکو گے۔ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔ اگر بیان دے دو گے تو سزا سے بچا لوں گا۔ سیشن سے بری ہو جاؤ گے۔ وہ جو ماری گئی ہے، میرے مامے چاچے کی بیٹی نہیں تھی۔ وہ بدکار تھی۔ تم نے تو شیر جوانوں والا کام کیا ہے''۔

''یہ معاملہ کیا ہے تھانیدار صاحب؟''___ صو بیدار میجر نے مجھ سے پوچھا۔

''صو بیدار میجر صاحب!''___ میں نے اس کو بتایا___ ''یہ غلطی سے ایک لڑکی کے ساتھ شادی کر بیٹھا۔ پھر اس کو پتہ لگا کہ لڑکی کا چال چلن ٹھیک نہیں۔ یہ چھٹی جاتا تھا تو وہ

اس کے گھر آتی تھی۔ اس کی غیر موجودگی میں اس کے گھر رہتی ہی نہیں تھی۔ کبھی دو تین دنوں کے لیے اس کے گھر رہتی تو اس کے والدین کے ساتھ بدکلامی کرتی تھی۔ اب یہ پانچ دنوں کی چھٹی گیا تو بیوی کو قتل کر کے اور گھر والوں کو بتائے بغیر گاڑی چڑھ آیا''۔

مَیں نے صو بیدار میجر کو بڑھا چڑھا کر سنایا کہ اس کے خلاف کیا شہادت ملی ہے۔

''واہ اوئے شیرا!''___ صو بیدار میجر نے رگھبیر کے کندھے پر زور سے ہاتھ مار کر کہا___ ''اصل خالصیاں والا کم کیتا ای''۔

''اس کی جگہ میں ہوتا تو میں بھی یہی کرتا''___ میں نے کہا___ ''اگر یہ بیوی کو قتل نہ کرتا تو میں اس کو کہتا، رگھبیرے! تُو بے غیرت ہے''۔

ہر قوم کا کوئی نہ کوئی اجتماعی وصف ہوتا ہے۔ سکھوں میں یہ وصف ہے کہ کسی بھی سکھ کو ہوا دینی شروع کر دو تو وہ غبارے کی طرح پھول جاتا اور اڑنے لگتا ہے۔ میں نے اور صو بیدار میجر نے رگھبیر سنگھ کو ہوا دینی شروع کر دی۔ میں ہوا دینے کے ساتھ ساتھ اس کو یہ بھی بتاتا جا رہا تھا کہ اس کے خلاف کتنی مضبوط شہادت ملی ہے۔

خالصہ ہمارے جال میں آ گیا۔

''سچی گل کراں تھانیدارا؟''___ رگھبیر نے پوچھا___ ''چھڑا لیں گا؟''

''ایسے چھڑاؤں گا جیسے مکھن سے بال نکالا جاتا ہے''___ میں نے دوآبے کی ٹھیٹھ پنجابی میں کہا___ ''مجھ کو یہ پتہ ہونا چاہئے کہ تم نے یہ واردات کی کس طرح ہے''۔

اپنی مُرغی پڑوس کے گھر انڈے دیتی ہے

''مَیں اپنے دوست کے گاؤں سے آدھی رات کو واپس آیا''___ رگھبیر سنگھ نے کہا___ ''گھر والے سوئے ہوئے تھے۔ بیوی چھت پر تھی۔ میں اندر گیا۔ اپنا بیگ اٹھایا اور چھت پر چلا گیا۔ میرے پاس لمبا کمانی دار چاقو تھا۔ میں نے بیگ رکھا۔ چاقو کھولا۔ بیوی پیٹھ کے بل سوئی ہوئی تھی۔ میں نے اس کی ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھا اور ٹھوڑی اوپر اٹھائی۔ ایک پاؤں اس کے پیٹ پر رکھا اور چاقو اس کی شہ رگ پر اس طرح چلایا جس طرح مسلمان بکرے کو ذبح کیا کرتے ہیں۔ میں آدھی گردن کاٹ دی۔ پھر بیگ اٹھایا اور میں پیپل کے ٹہل پر چڑھ کر نیچے چلا گیا۔ اندھیرا تھا۔ گھڑی پر وقت نظر نہیں آتا تھا۔ باہر سے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کر میں جب کمرے میں گیا اور بتی جلائی تھی تو وقت دیکھا تھا۔ بارہ بجنے میں بیس منٹ باقی تھے۔ میں ریلوے سٹیشن پہنچا۔ پندرہ بیس منٹ بعد گاڑی آ گئی اور میں اس میں سوار ہو گیا''۔

''مجھ کو اپنے کچھ سوالوں کے جواب چاہئیں رگھبیر''۔۔۔ مَیں نے کہا۔۔۔ ''تم نے جب اس کے گلے پر چاقو چلایا تھا وہ بہت تڑپی ہو گی!''

''وہ تو ذرا سی بھی نہیں بلی''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ ''وہ تو فوراً مر گئی تھی''۔

''یاد کرو اور سوچ کر بتاؤ''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''تم نے اگر بکرا ذبح ہوتے دیکھا ہے تو یہ بھی دیکھا ہو گا کہ آدھی سے زیادہ گردن کٹ جانے کے باوجود بکرا پندرہ بیس منٹ تڑپتا رہتا ہے''۔

''مجھ کو یاد ہے جی!''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''اس کے جسم نے کوئی حرکت نہیں کی تھی''۔

''تم نے اپنے کپڑوں پر خون کے چھینٹے تو دیکھے ہوں گے''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''چاقو پر بھی خون لگا ہوا ہو گا''۔

''نہیں جی!''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''مجھ کو یہی ڈر تھا کہ خون کپڑوں پر لگا ہوا ہو گا تو اس کو میں کس طرح چھپاؤں گا۔ گاڑی میں سوار ہوا تو ڈبے کی روشنی میں کپڑے دیکھے خون کا ایک قطرہ نہیں لگا تھا۔ گاڑی لاہور میں پہنچی تو صبح ہو گئی۔ میں نے ایک بار پھر اپنے کپڑے اچھی طرح دیکھے۔ خون کا کہیں نشان تک نہ تھا۔ چاقو بھی بالکل صاف تھا''۔

''کیوں جھوٹ بولتے ہو رگھبیر سنگھ!''۔۔۔ صوبیدار میجر نے اس کو کہا۔۔۔ ''تندرست جانور یا انسان کی شہ رگ پر چھری یا چاقو چلے تو خون فوارے کی طرح نکلتا ہے۔ تمہاری ایک ٹانگ اس کے پیٹ پر تھی اور بایاں ہاتھ اس کی ٹھوڑی کے نیچے تھا۔ اس پوزیشن میں تمہارے کپڑے اس کی گردن کے بہت قریب تھے۔ میں کیسے مان لوں کہ تمہارے کپڑوں پر خون نہیں پڑا!''

''میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں!''۔۔۔ رگھبیر نے کہا۔۔۔ ''اگر میں نے جھوٹ بولنا ہوتا تو اسی جھوٹ پر قائم رہتا کہ میں نے اپنی بیوی کو قتل نہیں کیا۔ میں نے اپنی جان کو پھانسی کے تختے پر رکھ کر یہ سچ بولا ہے کہ اپنی بیوی کو میں نے قتل کیا ہے''۔

''چاقو پر بھی خون نہیں تھا؟''۔۔۔ صوبیدار نے پوچھا۔

''نہیں صوبیدار میجر صاحب!''۔۔۔ رگھبیر نے جواب دیا۔۔۔ ''چاقو بالکل صاف تھا''۔

صوبیدار میجر نے حیرانگی کی حالت میں میری طرف دیکھا۔ میں اس وقت مسکرا رہا تھا۔ مسکرانے کی وجہ یہ تھی کہ مجھ کو ذرا سی بھی حیرانگی نہیں تھی۔ کوہاٹ کے لیے روانہ ہونے سے پہلے مجھ کو پوسٹمارٹم رپورٹ مل گئی تھی جس میں صاف لکھا ہوا تھا کہ مقتولہ کی موت رات گیارہ بجے کے لگ بھگ سانس رکنے سے واقع ہوئی۔ اس کے ایک سے ڈیڑھ گھنٹے بعد اس کی گردن کاٹی گئی۔

اس رپورٹ سے میرے شبہے کی تصدیق ہو گئی۔ رگھبیر سنگھ نے اپنی بیوی کی لاش کو ''قتل'' کیا تھا۔

''رگھبیر سنگھ!''۔۔۔ میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا۔۔۔ ''تم قاتل نہیں ہو۔ تم نے جب بیوی کا گلا کاٹا تھا اس سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پہلے وہ مر چکی تھی''۔

''وہ کیسے؟''۔۔۔ رگھبیر نے حیران ہو کر کہا۔۔۔ ''وہ بیمار تو نہیں تھی۔ اچھی بھلی ہٹی کٹی تھی''۔

''اس کو تم سے پہلے کسی اور نے قتل کر دیا تھا''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''اس کا گلا گھونٹا گیا تھا۔ یہ وجہ تھی کہ اس کی گردن تم نے آدھی کاٹ دی اور خون کا ایک قطرہ نہیں نکلا''۔

''وہ کون تھا؟''۔۔۔ رگھبیر نے پوچھا۔

''تم اپنا شک بتاؤ''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''میں تمہیں گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ فکر نہ کرو۔ تمہارے خلاف قتل کا کیس بنتا ہی نہیں..... کیا تمہارا کوئی ذاتی دشمن ہے یا کسی کے ساتھ خاندانی دشمنی ہے؟''

''نہیں''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ ''نہ کسی کے ساتھ ذاتی دشمنی ہے نہ خاندانی۔ میں صرف ایک شک بتا سکتا ہوں۔ میری بیوی دوستیاں لگانے کی عادی تھی۔ کبھی ایک کے ساتھ کبھی دوسرے کے ساتھ۔ میرا شک یہ ہے کہ اس نے ایک دوست کو لات مار کر کسی دوسرے سے دوستی لگا لی ہو گی اور جس کو اس نے چھوڑ دیا ہو گا، اس نے اس کا گلا گھونٹ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

''ان میں سے تم کسی کا نام بتا سکتے ہو؟''۔۔۔ مَیں نے پوچھا۔

''میں دو ہندوؤں کو جانتا ہوں''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ ''وہ راجپوت ہیں۔ شاید ایک مسلمان بھی ہے''۔

''تم نے ان کو کیوں چھوڑ دیا ہے؟''۔۔۔ صوبیدار میجر نے اس کو کہا۔۔۔ ''ان سب کو ختم کر کے اپنی بیوی کو مارتے''۔

''قصور اپنی مرغی کا تھا جو پڑوسیوں کے گھر میں جا کر انڈے دیتی تھی''۔۔۔ رگھبیر سنگھ نے کہا۔۔۔ ''میں نے پتہ لگا لیا تھا کہ قصور میری بیوی کا تھا۔ مجھ کو دوستوں نے بتایا تھا کہ میری بیوی کو کوئی الٹا سیدھا اشارہ کرنے کی کسی کو جرأت نہیں ہوتی تھی۔ وہ ایسی منہ پھٹ تھی کہ اچھے اچھے جوانمردوں کے منہ پھیر دیتی تھی۔ وہ خود کسی کو پسند کر کے اس کے ساتھ دوستی لگا لیتی تھی''۔

اس نے اس کے بعد جو بیان دیا اس کا اختصار یہ ہے کہ شادی سے پہلے یہ لڑکی اس کو بہت اچھی لگتی تھی۔ اس نے سنا تھا کہ لڑکی چال چلن کی ٹھیک نہیں لیکن رگھبیر کہتا تھا کہ یہ سب باتیں جھوٹی ہیں اور یہ لوگوں نے اس وجہ سے مشہور کر دی ہیں کہ لڑکی خوبصورت ہے اور ہنستی کھیلتی طبیعت کی ہے۔ جب اس لڑکی کے ساتھ اس کی شادی ہو گئی تو لڑکی نے رگھبیر کے ساتھ ٹھیک سلوک نہ کیا۔ وہ رگھبیر کو پسند نہیں کرتی تھی۔ اس نے رگھبیر کو یہاں تک کہہ دیا کہ تمہارے جسم سے بدبو آتی ہے۔ اس کو خوش کرنے کے لیے رگھبیر دن میں دو تین بار نہاتا اور عطر لگاتا تھا لیکن لڑکی نے اس کے ساتھ بے رخی اور ناپسندیدگی جاری رکھی۔ رگھبیر نے تنگ آ کر اس کو مارا پیٹا۔ اس وجہ سے لڑکی کا دل رگھبیر سے بالکل ہٹ گیا۔

مقتولہ نے ایک لڑکے کو گالیاں دیں

ایک مہینے کی چھٹی ختم ہو گئی اور رگھبیر چلا گیا۔ اب وہ پانچ دنوں کی چھٹی لے کر آیا۔ آتے ہی رگھبیر کو اس کی ماں اور دو بہنوں نے بتایا کہ اس کی بیوی دوستیاں لگاتی پھرتی ہے اور اپنی ماں کے پاس ہی رہتی ہے۔ پھر رگھبیر کے ایک دوست نے اس کو یہی باتیں بتائیں رگھبیر نے بیوی کو یہ باتیں بتا کر پوچھا کہ اس پر یہ الزام صحیح ہے یا غلط ہے۔

بیوی نے کہا کہ یہ سب باتیں غلط ہیں اور یہ باتیں رگھبیر کی ماں اور بہنوں نے اس کو

بدنام کرنے کے لیے اپنے پاس سے گھڑی ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے رگھبیر کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ رگھبیر نے اس کو دو تین تھپڑ مارے۔ لڑکی نے اس کو کہا کہ مار لو جتنا مار سکتے ہو، میں سکھوں کے گھر رہنا ہی نہیں چاہتی۔

''تھانیدار صاحب!''۔۔۔ رگھبیر نے اپنے بیان میں کہا۔۔۔ ''اس نے مجھ کو یہ کہا کہ سکھوں کے لمبے بالوں اور داڑھیوں سے بدبو آتی ہے۔ میں کسی ہندو یا مسلمان کے ساتھ بھاگ جاؤں گی یا کچھ کھا کر مر جاؤں گی..... مَیں یہ کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ میں چھٹی کے آخری دن اپنے ایک دوست کے پاس اس کے گاؤں چلا گیا۔ وہ میری رجمنٹ میں نائک ہے۔ ایک مہینے کی چھٹی پر ہے۔ مَیں نے اس کو بتایا کہ میری بیوی کا میرے ساتھ کیا سلوک ہے اور اس نے کیا کہا ہے۔ میرے دوست نے کہا کہ اس کے گلے پر چاقو پھیر دو اور رات کو کھسک جاؤ۔ دوست نے یہ بھی کہا کہ جو سکھنی اپنے مذہب کو ہی پسند نہیں کرتی اور جو گوروؤں کی داڑھیوں کی توہین کرتی ہے اس کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں''۔

اس دوست نے رگھبر کو قتل اور فرار کا طریقہ بتایا۔ رگھبیر کو اس وقت یاد آیا کہ اس کے مکان کے پچھواڑے پیپل کا درخت ہے جس کا ایک تنہ پچھواڑے کی منڈیر کے اوپر آیا ہوا ہے۔ اس نے سوچا کہ بیوی کو قتل کر کے بھاگنے کے لیے نیچے آنا، صحن سے دبے پاؤں گذرنا اور باہر کے دروازے کی زنجیر کھولنا ضروری نہیں۔ اس طرح وہ بیوی کا گلا کاٹ کر پیپل کے تنہ سے اتر گیا تھا۔

میں نے رگھبیر کو حراست میں لے لیا اور اس کو قصبے میں لا کر حوالات میں بند کر دیا۔

میری تفتیش ختم نہیں ہوئی تھی۔ قاتل کوئی اور تھا۔ وہ رگھبیر کا باپ بھی ہو سکتا تھا۔ رگھبیر کا ایک جوان بھائی تھا۔ وہ بھی قاتل ہو سکتا ہے۔ مَیں نے ان دونوں کو بلایا اور الگ الگ ان سے پوچھ گچھ کی۔ دونوں نے کہا کہ مقتولہ ان کے ساتھ بدسلوکی کرتی تھی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ لڑکی بدچلن تھی۔ انہوں نے مقتولہ کے ماں باپ کے آگے شکایت کی تھی کہ اس کو کچھ سمجھائیں لیکن لڑکی ذرا بھی نہ بدلی۔

میرے پاس اس قاتل کی تین نشانیاں تھیں جس نے مقتولہ کا گلا گھونٹا تھا۔ ایک تو اس کا ننگے پاؤں کا کھرا تھا۔ دوسرا لال رنگ کا نگ تھا اور تیسری نشانی یہ تھی کہ مقتولہ نے قاتل کے ہاتھوں یا بازوؤں پر ناخن مارے تھے۔ میں نے رگھبیر کے باپ اور بھائی کے بازو

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دیکھے۔ کوئی خراش نہیں تھی۔ دونوں نے کبھی انگوٹھی انگلی میں ڈالی ہی نہیں تھی۔ کھوجی نے دونوں کے ننگے پاؤں کے کھرے دیکھے اور اس نے کہا کہ ان کے کھرے اس کھرے سے مختلف ہیں جو پیپل کے درخت کے نیچے پائے گئے تھے۔

میں نے ان دونوں سے پوچھا کہ ان کی کسی کے ساتھ دشمنی ہوگی یا مقتولہ نے کسی کے ساتھ لڑائی جھگڑا کر کے اپنا دشمن بنالیا ہوگا۔ دونوں نے یقین کے لہجے میں بتایا کہ ان کی کسی کے ساتھ ایسی دشمنی نہیں کہ کوئی ہمارے گھر آ کر ہماری بہو کو قتل کر جاتا۔ مقتولہ کے سسر نے کہا کہ مقتولہ لڑتی جھگڑتی ضرور تھی لیکن صرف گھر میں اور وہ بھی ہمارے ساتھ باہر تو وہ ہر کسی کے ساتھ ٹھیک ٹھاک رہتی تھی اور اس کی شہرت یہ تھی کہ ہر کسی کے ساتھ ہنسی مذاق کرتی تھی۔

مجھ کو اس معاملے میں صرف دشمنی دکھائی دیتی تھی۔ یہ قتل انتقامی طور پر ہوا تھا۔ میں نے مقتولہ کے باپ کو اور اس کی ماں کو بھی تھانے بلایا۔ پہلے اس کے باپ سے پوچھ گچھ کی۔ اس سے پہلا سوال یہی پوچھا کہ کسی کے ساتھ ان کی دشمنی ہوگی۔

''خاندانی دشمنی یا خونی دشمنی کسی کے ساتھ بھی نہیں'' ___ مقتولہ کے باپ نے جواب دیا ___ ''صرف ایک دشمن بتا سکتا ہوں۔ آگے آپ خود غور کر لیں۔ میری لڑکی کا رشتہ تین لڑکوں کے لیے مانگا گیا تھا۔ میں نے کسی نہ کسی وجہ سے ان تینوں کو جواب دے دیا تھا۔ ان میں ایک لڑکا ایسا ہمارے پیچھے پڑا کہ ہمارے انکار کو مانتا ہی نہیں تھا۔ کبھی اس کی ماں میری بیوی کے پاس آ کر ہاتھ جوڑتی، اس کے پاؤں پکڑتی اور منتیں کرتی کہ لڑکی ہمیں دے دو۔ کبھی لڑکے کا باپ مجھ کو گھیر لیتا اور کہتا کہ جو شرط چاہتے ہو منوالو اور بیٹی کا رشتہ دے دو۔ مجھ کو پتہ لگا کہ لڑکا ماں باپ کو تنگ کر رہا ہے کہ وہ اسی کے ساتھ شادی کرے گا ورنہ کسی اور لڑکی کو گھر میں داخل نہیں ہونے دے گا......

''میں اور میری بیوی مسلسل انکار کرتے رہے۔ اس کے بعد لڑکی نے اپنی ماں کو ایک دن بتایا کہ یہ لڑکا اس کو تنگ کرتا ہے۔ تنگ اس طرح کرتا تھا کہ ہماری لڑکی کہیں اس کو راستے میں مل جاتی تو اس کو کہتا تھا کہ میرے ساتھ شادی کر لو۔ پہلے پہل لڑکی نے اس کو آرام آرام سے سمجھایا کہ میری شادی کا فیصلہ میرے والدین کریں گے لیکن اس لڑکے نے ہماری لڑکی کو زیادہ تنگ کرنا شروع کر دیا۔ ایک روز لڑکی نے اپنی ماں کو بتایا کہ اس نے آج

لڑکے کو گالیاں دی ہیں اور اس کو کہا ہے اس نے پھر کبھی اس کو راستے میں روکا تو وہ اس کو جوتے مارے گی......

''ہم نے بیٹی کی شادی رگھبیر سنگھ کے ساتھ کر دی۔ رگھبیر سنگھ ایک مہینے کی چھٹی پوری کر کے چلا گیا تو کچھ دنوں بعد بیٹی نے ہمیں بتایا کہ وہ لڑکا اس کو پھر تنگ کرنے لگا ہے اور اب کہتا ہے کہ میں اپنی بے عزتی کا انتقام لوں گا۔ میں نے اس لڑکے کے باپ کو کہا کہ اپنے بیٹے کو سمجھا لے کیونکہ اس طرح بیوقوفی کی باتیں کرنے سے بڑوں میں بھی دشمنی پیدا ہو جاتی ہے۔ لڑکے کے باپ نے کہا کہ تمہاری بیٹی نے میرے بیٹے کی بہت بے عزتی کی ہے۔ میرے بیٹے نے مجھ کو ساری باتیں بتائی ہیں جو تمہاری بیٹی نے میرے بیٹے کو کہی ہیں......

''میں اس کو کہا کہ اپنے بیٹے کو میرے سامنے کرو۔ اس کا بیٹا آیا تو میں نے اس سے پوچھا کہ میری بیٹی نے تمہیں کیا کیا باتیں کہی ہیں۔ اس نے بتایا کہ میری بیٹی نے اس کو کہا ہے کہ تم غلیظ سکھ ہو اور تمہارے جسم سے مجھ کو بدبو آتی ہے۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ میں کسی سکھ کے پاس نہیں رہنا چاہتی۔ میں کسی اپنی پسند کے مونے (بغیر داڑھی اور لمبے بالوں والے) کے ساتھ شادی کروں گی۔ یہ لڑکا بہت غصے میں تھا۔ میں نے اس کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی اور گھر آ کر اپنی بیٹی کو گالی گلوچ کی''۔

تجھ جیسے بھوت کے ساتھ یاری لگاؤں؟

مقتولہ کے باپ سے میں نے کچھ سوال جواب کر کے اس کو رخصت کر دیا اور میں اس نتیجے پر پہنچا کہ دشمنی کی یہ وجہ کافی ہے میں نے اسی وقت اسی لڑکے کو تھانے طلب کیا۔ وہ لڑکا نہیں چھبیس ستائیس سال کا بڑا مضبوط جسم والا جوان تھا۔ میں نے یہ ساری باتیں اس کو سنائیں اور کہا کہ اس نے مقتولہ کو قتل کیا ہے۔ اس نے صاف انکار کیا۔ مین نے اس کے ہاتھ الٹی طرف سے اور بازو بھی دیکھے۔ ان پر کوئی خراش نہیں تھی۔

''تمہاری انگوٹھی کہاں ہے؟'' ___ میں نے اس سے پوچھا۔

''انگوٹھی؟'' ___ اس نے حیران ہو کر جواب دیا ___ ''میں نے کبھی انگوٹھی نہیں پہنی''۔

کھوجی تھانے میں موجود تھا۔ میں نے اس سکھ کو جوتی اتروا کر اور باہر لے جا کر ٹی

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پر کھڑا کیا اور کھوجی کو کہا کہ اس کا کھرا دیکھے۔ کھوجی نے ایک ہی نظر میں کھرا دیکھ کر سر ہلا دیا اور کہا کہ یہ پاؤں اصل کھرے سے دو انگلیاں لمبا ہے۔ مجھ کو یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ کوئی بھی نشانی اس شخص پر فٹ نہیں بیٹھتی تھی۔

''تھانیدار صاحب جی!''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''آپ نے مجھ پر قتل کا الزام لگایا ہے۔ میں اس کا پورا جواب دوں گا۔ سچ پوچھیں تو اس لڑکی کو میں قتل ہی کرنا چاہتا تھا لیکن مَیں نے ایک اور طریقہ سوچا تھا اور اب یہ طریقہ اختیار کروں گا۔ اس لڑکی نے صرف میری بے عزتی نہیں کی، اس نے تو اپنے مذہب کی بے عزتی کی ہے اور یہ سکھ برادری کو ہندوؤں اور مسلمانوں میں ذلیل کرتی پھر رہی ہے''۔

اس شخص نے وہی باتیں بتائیں جو رگھبیر بتا چکا تھا۔ مختصر یہ کہ مقتولہ سکھوں کو سر کے لمبے بالوں، جن کو کیس کہتے ہیں، اور داڑھی کی وجہ سے پسند نہیں کرتی تھی۔ سکھوں کے مذہب کا حکم ہے کہ سکھ اپنے جسم کا کوئی بال کاٹ نہیں سکتے۔ مقتولہ کے بارے میں پتہ لگ چکا تھا کہ خوبصورت اور شوقین مزاج لڑکی تھی۔ قیمتی کپڑے پہنتی، بنی ٹھنی اور صاف ستھری رہتی تھی۔ اس سکھ نے اپنے بیان میں کہا کہ وہ دیکھ رہا تھا کہ مقتولہ نے ایک وقت میں ایک دوست بنایا ہوا ہوتا تھا۔ دو ہندو اور ایک مسلمان کو اس نے باری باری دوست بنایا اور ان کے ساتھ فلموں جیسی عشق بازی کرتی رہی۔

''تھانیدار صاحب جی!''۔۔۔ اس سکھ نے بیان دیتے ہوئے کہا۔۔۔ ''میں نے اس لڑکی کو کہا تھا کہ میرے ساتھ شادی نہ کرو لیکن دو باتیں مان لو۔ ایک یہ کہ اپنے مذہب سے نفرت نہ کرو اور دوسری یہ کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے ساتھ یاری لگانی چھوڑ دو۔ اس کا اس نے مجھ کو یہ جواب دیا کہ میری ہنسی اڑائی پھر کہنے لگی کہ ان سے نہیں تو کیا تجھ جیسے بھوت کے ساتھ یاری لگاؤں..... مجھ کو اتنا غصہ آیا کہ دل کرتا تھا اس کو یہیں قتل کر دوں لیکن میں نے دوسرا طریقہ سوچا۔ میں وہاں سے اپنے دو دوستوں کے پاس چلا گیا اور ان کو اس لڑکی کی باتیں سنائیں اور کہا کہ گوردوارے کے بھائی کو بتاتے ہیں اور اس کو کہیں گے کہ وہ اس لڑکی کے باپ اور اس کے سسر کو بلا کر ان کو ڈرائے اور کہے کہ ان کی لڑکی اپنی باتوں اور حرکتوں سے باز نہ آئی تو لڑکی کے میکے اور سسرال کا سکھ برادری میں بائیکاٹ کر دیا جائے گا۔ میرے دوستوں نے کہا کہ گوردوارے کا بھائی بڑا کمزور اور لالچی آدمی ہے۔ وہ ان

دونوں خاندانوں کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں بولے گا۔ دونوں خاندان خوشحال ہیں۔ بھائی ان سے مال کھا کر ان کی لڑکی کو بے قصور قرار دے دے گا.....

''دوستوں نے یہ مشورہ دیا کہ اس لڑکی کے خاوند رگھبیر سنگھ کو آنے دو۔ اس کو بتائیں گے اور وہ اس کو لگام ڈالے گا۔ اس کے بعد میں نے اس لڑکی کو نہ کبھی راستے میں روکا نہ کبھی بات کی۔ دو مہینے بعد رگھبیر چھٹی آیا تو میرے دوستوں نے اس کو اس کی بیوی کی باتیں بتائیں۔ اس نے کہا کہ وہ اس کا بندوبست کرے گا۔ دو تین دنوں بعد لڑکی اپنے سسرال گھر میں قتل ہوگئی۔ ہم نے کہا کہ اس کو رگھبیر نے قتل کیا ہے۔ جب یہ سنا کہ رگھبیر چلا گیا ہے تو ہم نے یقین کے ساتھ کہا کہ قاتل رگھبیر ہے۔ آپ یہ سمجھ لیں کہ جو کام میں نے کرنا تھا وہ رگھبیر نے کر دیا''۔

میں نے اس سکھ کے دونوں دوستوں کو بلوایا۔ ان سے پوچھ گچھ کی تو پتہ لگا کہ اس سکھ نے اپنا جو بیان دیا تھا وہ بالکل صحیح ہے۔ اس نے واقعی ان دونوں کو مشورہ دیا تھا کہ گوردوارے کے بھائی کو یہ صورتِ حال بتائیں گے۔

میں نے رگھبیر سے پوچھا کہ اس کو کس نے مقتولہ کے چال چلن کے بارے میں آگاہ کیا تھا۔ اس نے ان ہی دو سکھوں کا نام لیا جو اس وقت تھانے میں موجود تھے۔ یہ ثابت ہو گیا کہ یہ سکھ جوان جو مقتولہ کا امیدوار تھا، بے گناہ ہے۔ قاتل کی نشانیاں نہ ملنے کے باعث بھی وہ بے گناہ تصور کیا جانا چاہئے تھا۔

میں نے ان دو ہندوؤں اور مسلمان کا نام معلوم کر لیا جن کے ساتھ مقتولہ نے باری باری دوستی رکھی تھی۔

اپنے حُسن کی تعریفوں اور تحفوں کی شوقین تھی!

پہلے میں نے ایک ہندو کو اپنے پاس بلایا۔ وہ خوبصورت جوان تھا۔ چہرے کے لحاظ سے ہی نہیں بلکہ جسم کے لحاظ سے وہ زیادہ خوبصورت تھا۔ ہندو زیادہ تر تجارت پیشہ یا ملازمت پیشہ ہوتے ہیں۔ وہ چہرے کے خوبصورت ہو سکتے ہیں لیکن جسم کے لحاظ سے ڈھیلے ڈھالے اور فطرت کے لحاظ سے تنگ نظر اور گھٹی ہوئی طبیعت کے ہوتے ہیں۔ یہ ہندو عشق بازیوں کے چکر میں نہیں پڑتے اور نہ ہی وہ فضول پیسہ برباد کرتے ہیں۔ زمیندار

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہندو جو عموماً جاٹ اور راجپوت ہوتے ہیں اور خود کھیتوں میں کام کرتے یا کرواتے ہیں، وہ جسموں کے لحاظ سے مضبوط اور سمارٹ ہوتے ہیں اور وہ تنگ نظر بھی نہیں ہوتے۔ ان ہندو زمیندار خاندانوں کے جوان لڑکے عموماً عیش وعشرت کرتے ہیں۔ یہ طبعاً جنگجو ہوتے ہیں اس لیے ان میں جرأت اور دلیری ہوتی ہے۔ فوج میں زیادہ تر ہندوؤں میں سے ان ہی قوموں کے جوانوں کو لیا جاتا ہے۔ یہ جو ہندو جوان میرے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ہندوؤں کی اسی زمیندار نسل میں سے تھا۔ اس کی ڈیل ڈول اور انداز دیکھ کر ہی میں نے رائے قائم کر لی کہ یہ شہزادہ ہے۔ اس نے مجھ کو تھوڑا سا بھی پریشان نہیں کیا۔ وہ ذرا گھبراہٹ میں تھا۔ میں نے نہ اپنے بولنے کے لہجے میں نہ اپنے چہرے پر تھانیداری اور رعب داب رکھا۔ اس کے ساتھ بے تکلف دوستوں والا انداز رکھا۔

''تم پر کوئی الزام نہیں یار!''۔۔۔ میں نے اس کو ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔۔۔ ''وہ تمہاری محبوبہ قتل ہوگئی ہے، اس کے بارے میں کچھ معلوم کرنا ہے''۔

''اب وہ تو کسی اور کی محبوبہ تھی جناب!''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''وہ دو سال پہلے کی بات ہے جب میری محبوبہ ہوا کرتی تھی۔ اب تک وہ دو محبوب بدل چکی تھی''۔

''یہ ساری بات سنا دو''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''تمہیں چھوڑ کر اس نے کس کے ساتھ دوستی لگائی..... یہ بھی بتاؤ کہ وہ کیا باتیں کیا کرتی تھی..... جو کچھ جانتے ہو مجھ کو بتا دو''۔

''کوئی لمبی چوڑی بات نہیں جناب!''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ ''وہ چاہتی تھی کہ کوئی آدمی جو اس کو پسند آجائے، اس کی خوبصورتی کی تعریفیں کرتا رہے اور تحفے دیتا رہے۔ وہ زیادہ تر کپڑے اور نقلی زیورات پسند کرتی تھی۔ اس کو سونے کے زیورات تو کوئی نہیں دے سکتا تھا۔ اس کی ماں بھی ایسی تھی۔ اب اس عورت کا بڑھاپا شروع ہو چکا ہے، لیکن کسی نہ کسی آدمی کو پھانسی لیتی ہے اور برے کو توت سے بار نہیں آتی''۔

''مقتولہ نے تمہارے ساتھ دوستی کیوں توڑی تھی؟''۔۔۔ میں نے پوچھا۔

''دوستی تو اسی نے توڑی تھی''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ ''لیکن اصل میں مَیں نے خود توڑی تھی۔ میں اس کو اتنے تحفے نہیں دے سکتا تھا جتنے وہ مانگتی تھی۔ وہ نقد رقم بھی مانگتی رہتی تھی۔ میں شروع شروع میں اس کی فرمائشیں پوری کرتا رہتا تھا، لیکن میرے لیے یہ کام مشکل ہوگیا۔ دو بار مجھ کو گھر سے رقم چوری کرنی پڑی۔ اتنی زیادہ خوبصورت لڑکی کو میرا دل

چھوڑنے پر بھی راضی نہیں ہوتا تھا۔ میں نے اس کو بہانے بہانے سے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اچھا، کچھ دن ٹھہر جاؤ، میں تمہیں اس سے زیادہ قیمتی کپڑا لے دوں گا۔ وہ سمجھ گئی کہ میں اس کے لیے تحفے خریدنے سے گریز کر رہا ہوں اور یہ میری مالی مجبوری ہے۔ اس نے آہستہ آہستہ مجھ سے ہٹنا شروع کر دیا''۔

''باتیں کیا کرتی تھی؟''

سکھوں کو پسند نہیں کرتی تھی''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ ''مجھ کو کہتی تھی کہ میں ہندو ہو جاؤں گی، تم میرے ساتھ شادی کر لو۔ میں نے کہا کہ میں اپنے ماں باپ کے دل کو تکلیف نہیں دینا چاہتا۔ وہ نہیں مانیں گے..... دراصل جی! دل تو میرا بھی یہی کہتا تھا کہ اس کو ہندو بنا کر بیوی بنا لوں لیکن مجھ کو ایک ڈر یہ تھا کہ اس طرح سکھ اس کو یا مجھ کو یا ہم دونوں کو قتل کر دیں گے۔ دوسری بات میرے دماغ میں یہ آئی کہ اس کی ابھی شادی نہیں ہوئی اور یہ اتنی دلیری سے میرے ساتھ تعلقات رکھے ہوئے ہے۔ شادی کر کے تو یہ اور زیادہ کھل جائے گی۔ ہمارے تعلقات پاک تو نہیں تھے۔ اس طرح ناجائز عیش موج کرنے والی لڑکی کو کوئی بے غیرت ہی اپنی بیوی بنائے گا۔ میری بات ٹھیک نکلی۔ وہ مجھ کو چھوڑ کر ایک اور کے ساتھ لگ گئی اور اس کو چھوڑ کر ایک اور کے ساتھ تعلقات بنا لیے۔ شادی کر کے بھی وہ اس برے راستے نہیں ہٹی اور خاوند کے ہاتھوں قتل ہوگئی..... میں نے اس سے جان چھڑالی تھی''۔

اس ہندو لڑکے کے ہاتھوں کی الٹی طرف اور بازوؤں کو میں نے دیکھا۔ کوئی خراش نظر نہیں آئی۔ اس کے ننگے پاؤں کا کھر ابھی ملزم کے کھرے سے مختلف تھا۔ اس کی انگوٹھی بھی نہیں تھی۔

اس کے بعد مقتولہ نے ایک اور ہندو کے ساتھ دوستی لگائی۔ وہ بھی تھانے میں موجود تھا۔ میں نے اس کو بلایا۔

پرانی انگوٹھی، نگ نیا

یہ بھی خوبصورت جوان تھا اور اس کی بھی ابھی شادی نہیں ہوئی تھی۔ میں نے اس کی باتیں سننے سے پہلے اس کے بھی ہاتھ اور بازو دیکھے۔ کوئی خراش نظر نہ آئی۔ اس کا ننگے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پاؤں کا کھرا دیکھا۔ یہ ذرا سا مختلف تھا۔ اس کی بھی انگوٹھی نہیں تھی۔ اس کا بیان لینا وقت ضائع کرنے والی بات تھی، پھر بھی اس کے ساتھ میں نے سوال جواب شروع کر دیئے۔ پہلے تو اس نے کہا کہ مقتولہ کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

''کیا تم جانتے ہو کہ تمہارا یہ جھوٹ تمہیں پھانسی کے تختے پر کھڑا کر دے گا؟''۔۔۔ میں نے اس کو کہا۔۔۔ ''میں جانتا ہوں کہ تمہارے تعلقات مقتولہ کے ساتھ تھے۔ تمہارے جھوٹ بولنے کا مطلب یہ ہے کہ تم مقتولہ کے قتل میں شامل تھے''۔

''نہیں، نہیں''۔۔۔ وہ شدید گھبراہٹ کی حالت میں کہنے لگا۔۔۔ ''میں نے اس کو قتل نہیں کیا''۔

''پھر جھوٹ بولنے کی وجہ بتاؤ''۔

''میں نے اس ڈر سے جھوٹ بولا تھا کہ مجھ پر قتل کا الزام نہ لگ جائے''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''میرے اس کے ساتھ پہلے بھی تعلقات تھے، پھر ایک مسلمان درمیان میں آ گیا اور میرے تعلقات ٹوٹ گئے۔ شادی کے بعد اس نے مسلمان سے کنارہ کشی کر لی اور پھر میرے ساتھ دوستی کر لی''۔

اس نے مقتولہ کے بارے میں بالکل وہی باتیں بتائیں جو اس جیسا ایک ہندو سنا گیا تھا۔ ان باتوں کو دہرانا ضروری نہیں۔ اس کو بھی مقتولہ نے کہا کہ وہ ہندو ہو کر اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہے۔ اس ہندو نے بھی اس کو ٹرخا دیا۔ اس سے بھی مقتولہ نے بہت مال کھایا۔

اب مسلمان کی باری تھی۔ میں نے ہندو کو اٹھا کر مسلمان کو اپنے پاس بلایا۔ دو ہندوؤں کو میں نے دیکھ لیا تھا۔ دونوں خوبصورت جوان تھے لیکن اس مسلمان جوان کو دیکھا تو میں نے مقتولہ کی پسند کی دل میں تعریف کی۔ یہ مسلمان جوان دونوں ہندوؤں سے زیادہ خوبصورت تھا اس کے جسم کی جو بناوٹ تھی اس میں خاص قسم کی کشش تھی۔ اس کے چہرے پر اتنی گھبراہٹ تھی جو کسی عام آدمی کو بھی نظر آ سکتی تھی۔ میں نے اس کو اپنے سامنے کرسی پر بیٹھنے کو کہا تو وہ میری طرف دیکھتا ہی رہا۔ بیٹھا نہیں۔

''بیٹھ جا یار!''۔۔۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔۔۔ ''مجھ سے اتنا نہ ڈرو۔ تمہاری طرح انسان ہوں''۔

وہ ڈرتے ڈرتے کرسی پر بیٹھا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ اس کا جسم گھبراہٹ سے اکڑا ہوا ہے۔ میں نے ایک بار پھر اس کو تسلی دی کہ ڈرنے اور گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں۔ وہ ذرا سا مسکرایا اور فوراً ہی اس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ اُس نے اپنے ماتھے پر ہاتھ پھیرا۔ اس کے اس ہاتھ کی الٹی سائیڈ میری طرف تھی۔ میں نے اس طرف ایک خراش دیکھی جو درمیان سے کوئی نصف انچ چوڑی تھی اور دونوں سروں کی طرف جا کر پتلی ہو گئی تھی۔ اس پر سرخ تہہ جمی ہوئی تھی اور یہ خراش چار پانچ دن پرانی معلوم ہوتی تھی۔ یہ اس کا بایاں ہاتھ تھا۔ اس کی چھوٹی اور درمیانی انگلی کے درمیان انگلی میں سونے کی انگوٹھی تھی اور اس انگوٹھی میں لال رنگ کا نگ تھا جس کا سائز اسی نگ جتنا تھا جو مجھ کو مقتولہ کے تکیے کی جھالر کے نیچے سے ملا تھا۔

میں تیزی سے اٹھا اور اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر الٹے کیے اور دیکھے۔ دونوں ہاتھوں کی الٹی طرف خراشیں تھیں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ یہ خراشیں کیسے آئی ہیں؟

اس کے چہرے کی حالت اور زیادہ بگڑ گئی۔

''جھوٹ بولنے سے پہلے یہ سوچ لینا کہ میں تصدیق کروں گا''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''میں تمہارے جواب پر چپ نہیں ہو جاؤں گا..... اب بولو..... یہ زخم کب آئے اور کیسے آئے؟''

''میں نے ٹرنک کھولا اور ہاتھ ٹرنک میں کرنے لگا تو ڈھکنا خود ہی بند ہو گیا''۔۔۔ اس نے ایسے لہجے میں کہا جس سے صاف پتہ لگتا تھا کہ اس کی زبان ساتھ نہیں دے رہی۔ اس نے کہا۔۔۔ ''ڈھکنا ہاتھوں پر زور سے گرا۔ میں نے تیزی سے ہاتھ باہر کر کھینچے اور کھال چھیلی گئی''۔

''خون نکلا ہو گا!''

''ہاں جی!''۔۔۔ اس نے کہا۔

''گھر والوں نے دیکھا ہو گا!''

''ہاں جی!''

''یہ کس دن کی اور کس وقت کی بات ہے؟''

اس نے چار روز پہلے کا دن اور بارہ ساڑھے بارہ بجے کا وقت بتایا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

''یہ میں تمہارے گھر سے معلوم کروں گا''۔۔۔ میں نے کہا اور اس کی انگلی سے انگوٹھ نکال کر پوچھا۔۔۔ ''یہ نگ کب ڈلویا ہے؟''

''اس کی کو دو سال ہو گئے ہیں''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ ''یہ نگ شروع سے اس انگوٹھی میں ہے''۔

''وہ نگ جو شروع سے اس انگوٹھی میں تھا وہ ڈھیلا ہو گیا تھا''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''وہ اس رات کہیں پر پڑا تھا۔ جس رات رگھبیر کی بیوی قتل ہوئی تھی۔ یہ نگ نیا ڈلوایا گیا ہے..... کیا تم خود بتاؤ گے یا میں سناروں سے خود معلوم کراؤں؟''

وہ خاموش رہا۔ اب تو اس کا چہرہ بالکل پھیکا پڑ گیا تھا۔

میں اس کو باہر لے گیا اور کھوجی کو بلایا۔ اس کو پہلے جوتوں سمیت مٹی پر کھڑا کیا اور پرے ہٹایا۔ کھوجی نے پاؤں کا نشان دیکھا۔

''یہ ہے وہ کھرا!''۔۔۔ کھوجی نے بے اختیار کہا۔۔۔ ''اب ننگے پاؤں دکھائیں''۔۔۔ اس نے جوتوں کے کھرے پر ہاتھ پھیر کر مٹی ہموار کر دی۔

اس شخص کے جوتے اتروا کر ننگے پاؤں مٹی پر کھڑا کیا اور ہٹایا۔

''یہ!''۔۔۔ کھوجی نے کہا۔۔۔ ''بال برابر فرق نہیں''۔

میں نے اس خوبرو مسلمان جوان کو جوتے پہننے کو کہا اور اس کو اپنے دفتر میں لے گیا۔

''اب خود ہی بول پڑو''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''نہیں بولو گے تو اپنا نقصان کرو گے۔ میں تمہارے گھر کی عورتوں کو تھانے بلا کر رات کو بھی تھانے میں ہی بٹھائے رکھوں گا اور ان سے کل پوچھوں گا کہ تمہارے ہاتھوں پر ٹرنک کا ڈھکنا گرا تھا یا نہیں..... اور یہ انگوٹھی ابھی سناروں کے پاس بھیج کر معلوم کرا لوں گا کہ یہ نگ اس انگوٹھی میں کل پرسوں ڈالا گیا ہے..... کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ایک تھانیدار کو بیوقوف بنا لو گے؟ یہاں تمہاری ہڈی پسلی ایک ہو جائے گی۔ کیوں نہیں اس سے پہلے تم بیان دے دیتے؟''

''کیا بیان دوں؟''۔۔۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

''یہ بیان دو کہ میں نے رگھبیر سنگھ کی بیوی سرجیت کور کو قتل کیا ہے''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''تم ننگے پاؤں پیپل کے درخت پر چڑھے اور رگھبیر کے مکان کی چھت پر جا کر سرجیت کور کا گلا گھونٹا۔ اس نے تمہارے ہاتھوں پر ناخن مارے اور اس دوران تمہاری

انگوٹھی کا نگ مقتولہ کے بستر پر گر پڑا''۔۔۔ میں نے وہ نگ اس کے سامنے رکھ کر کہا۔۔۔ ''یہ ہے تمہاری انگوٹھی کا پرانا نگ۔ تم نے سکیم تو ٹھیک بنائی تھی۔ تمہیں کوئی بھی نہیں دیکھ سکا لیکن تم نے یہ نہیں دیکھا کہ جہاں سے تم پیپل پر چڑھے اور اترے تھے وہاں مٹی بڑی نرم اور ذرا نمی والی ہے۔ وہاں تم ایسے کھرے چھوڑ گئے جو بہت کمزور بینائی والے آدمی کو بھی نظر آ سکتے ہیں۔ کھوجی تو بجھے ہوئے کھوے بھی شناخت کر لیتے ہیں''۔

حال را نجھے اور مجنوں جیسا ہو گیا

وہ اسی میں ٹوٹ پھوٹ گیا۔

''میں ایک عرض کرنا چاہتا ہوں''۔۔۔ اس نے ایسی آواز میں کہا جیسے ابھی رونا شروع کر دیا گا۔ وہ کہہ رہا تھا۔۔۔ ''ہر طرف یہ مشہور ہے کہ رگھبیر سنگھ نے اپنی بیوی کا گلا کاٹ کر قتل کیا ہے اور اس کو آپ نے گرفتار کر لیا ہے۔ آپ مجھ پر رحم کر دیں۔ قتل کا الزام رگھبیر پر ہی رہنے دیں اور مجھ کو چھوڑ دیں۔ میں ماں باپ کا اکیلا بیٹا ہوں۔ میرے ماں باپ پر رحم کریں اور مجھ کو بتائیں کتنی رقم پیش کروں۔ میرے گھر میں بہت پیسہ ہے۔ اگر آپ زیادہ مانگیں گے تو میرا باپ کچھ زمین بیچ کر رقم پوری کر دے گا''۔

''منظور!''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''لیکن مجھ کو پتہ ہونا چاہئے کہ تم نے رگھبیر کی بیوی کو کیوں اور کس طرح قتل کیا ہے۔ تم اقبالی بیان دے دو۔ میں تمہیں مجسٹریٹ کے پاس لے جاؤں گا۔ یہی بیان تم اس کے سامنے بھی دے دینا۔ موقعہ کا کوئی گواہ تو ہے نہیں۔ میں تمہارے خلاف کوئی گواہ نہیں لاؤں گا۔ دو تین کچے کچے گواہ پیش کروں گا جن کو تمہارا وکیل فوراً توڑ دے گا۔ میں رگھبیر کو اصل قاتل ثابت کر دوں گا''۔

وہ میری فریب کاری کے جال میں آ گیا اور اس نے بیان دے دیا۔ ایسے بیان بڑے لمبے ہوا کرتے ہیں۔ درمیان میں سوال جواب بھی ہوتے ہیں تاکہ ملزم کے خلاف مقدمہ مضبوط بنا سکے۔ اس طرح بات بہت پھیل جاتی ہے۔ میں بہت ضروری باتیں سناؤں گا جو اس کہانی کو مکمل کرنے کے لیے ضروری ہیں۔

میں اس ملزم کا اصل نام بدل کر یوسف رکھ دیتا ہوں۔ مجھ کو ذاتی طور پر معلوم ہے کہ یہ خاندان اگست 1947ء میں پنجاب سے ہجرت کر کے پاکستان آ گیا تھا اور یہاں بھی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ان کی بڑی اچھی زمینداری کا سلسلہ ہے۔ یوسف قتل کی واردات تک اس طرح پہنچا کہ مقتولہ کی شادی سے تقریباً چھ مہینے پہلے مقتولہ نے دوسرے ہندو کو بھی چھوڑ کر یوسف کے ساتھ دوستی کر لی تھی۔ یوسف کو اس نے کہا کہ وہ مسلمان ہو کر اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہے۔ یوسف کی ابھی شادی نہیں ہوئی تھی۔ وہ بہت خوش ہوا اور اس نے کہا کہ ساری دنیا اس کے خلاف ہو جائے وہ مقتولہ کے ساتھ شادی کرے گا۔

یوسف کو معلوم نہیں تھا کہ مقتولہ جس کسی کو دوست بناتی ہے اس کو یہی چکمہ دیتی ہے۔ یوسف نے اپنے بیان میں کہا کہ اس نے کبھی محبت نہیں کی تھی۔ مقتولہ کے ساتھ دوستی لگی تو معلوم ہوا کہ محبت کیا ہوتی ہے۔ اس کے لیے ایک منٹ بھی مقتولہ کے بغیر رہنا عذاب بن گیا تھا۔ اس نے اپنے بیان میں یہ الفاظ کہے۔۔۔ ''میرا حال رانجھے اور مجنوں جیسا ہو گیا تھا''۔

رانجھا اور مجنوں بن کر اس نے مقتولہ پر خوب مال لٹایا۔ اس نے اپنے دو تین دوستوں کو بتایا کہ سرجیت کور مسلمان ہو کر اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہے۔ دوستوں نے مسجد کے مولوی کے ساتھ بات کی۔ مولوی نے کہا کہ یہ سکھوں کی اکثریت کا علاقہ ہے، سکھ خاموش نہیں رہیں گے۔ وہ یوسف کے خاندان کا خون بہا دیں گے اس لیے ایسی حماقت نہ کی جائے۔

یوسف اکلوتا بیٹا تھا۔ اس نے اپنے ماں باپ کو اپنا اور مقتولہ کا ارادہ بتایا۔ ماں باپ نے سر پیٹ لیے۔ انہوں نے اکلوتا ہونے کی وجہ سے یوسف کو اتنا زیادہ بگاڑ دیا تھا کہ وہ کسی کو کچھ سمجھتا تھا کہ کسی کی سنتا تھا۔ ماں باپ اس کے آگے ہاتھ جوڑنے لگے اور اس کو بتایا کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے لیکن وہ عقل کی بات سمجھنے کی طرف آتا ہی نہیں تھا۔ اس نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ مقتولہ کو وہ گھر سے بھگا کر لاہور یا اس سے بھی آگے کہیں لے جائے گا اور مسجد میں لے جا کر اسے مسلمان بنائے گا اور وہیں اس کے ساتھ شادی کر لے گا۔

اس نے مقتولہ کو بتایا کہ کوئی بھی اس کا ساتھ نہیں دے رہا۔ اس نے اپنی تجویز پیش کی گاؤں سے بھاگ چلیں گے۔ مقتولہ نے یہ تجویز قبول کر لی اور یہ بھی کہا وہ گھر سے زیورات اور جتنی رقم ہاتھ لگی، لے آئے گی۔ یوسف نے کہا کہ وہ بہت بڑی رقم گھر سے اڑا لے گا۔

''پھر ایسے کرو''۔۔۔ مقتولہ نے یوسف کو کہا۔۔۔ ''ایک ہی بار زیادہ رقم گھر سے

نکالنا مشکل ہو جائے گا۔ بہتر ہے کہ تھوڑی تھوڑی رقم نکال کر میرے حوالے کرتے رہو''۔

یوسف نے دو تین دنوں بعد گھر سے پانچ سو روپیہ اڑا کر مقتولہ کے حوالے کر دیا۔ اُس نے زمانے میں پانچ سو روپیہ آج کے ہزاروں روپے کے برابر تھا۔ سات آٹھ دن اور گذرے تو یوسف نے گھر سے ڈیڑھ سو روپیہ چرایا اور مقتولہ کو دے دیا۔ اس کے کچھ دن بعد مقتولہ نے یوسف کو بتایا کہ اس کی شادی رگھبیر سنگھ کے ساتھ ہو رہی ہے۔ یوسف کے دل پر بڑی سخت چوٹ پڑی۔ اس نے مقتولہ کو کہا کہ چلو بھاگ چلیں۔

''ابھی بہت مشکل ہے''۔۔۔ مقتولہ نے کہا۔۔۔ ''آج کے بعد شادی کے دن تک میں تمہیں مل بھی نہیں سکوں گی کیونکہ میرے اوپر آج رات سے باہر نکلنے پر پابندی لگ رہی ہے۔ شادی کے بعد تو مجھ کو پوری آزادی ہو گی، پھر بھاگ چلیں گے''۔

''تم مجھ کو دھوکہ دے رہی ہو''۔۔۔ یوسف نے کہا۔

''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں رگھبیر کی ہو کر رہ جاؤں گی؟''۔۔۔ مقتولہ نے نفرت سے کہا۔۔۔ ''مجھ کو ان سکھوں سے گھن آتی ہے۔ رگھبیر تو مجھ کو ویسے بھی اچھا نہیں لگتا۔ میں جب سوچتی ہوں کہ اس گرمی میں ایک سکھ کے بالوں اور داڑھی سے پسینے کی کتنی بدبو آتی ہو گی تو اس سوچ سے ہی مجھ کو متلی ہونے لگتی ہے۔ تم ذرا صبر سے کام لو۔ میں نے آخر تمہارے پاس آنا اور ساری عمر تمہارے ساتھ رہتا ہے''۔

مقتولہ نے باتوں سے اور زیادہ تر اپنے حسن کا جادو چلا کر یوسف پر قابو پا لیا۔

مقتولہ کی شادی ہو گئی۔ وہ ایک مہینہ یوسف کو نہ ملی۔ رگھبیر چھٹی پوری کر کے چلا گیا تو مقتولہ نے یوسف کے بار بار بلانے پر اس کے ساتھ ملاقات کی۔ یوسف جلا بیٹھا تھا۔ وہ مقتولہ کو برا بھلا کہنا چاہتا تھا کہ مقتولہ نے پہلے ہی رونا شروع کر دیا کہ وہ اس زندگی سے تنگ آ گئی ہے اور گھر سے فوراً بھاگنا چاہتی ہے۔ یوسف نے اس کو بھاگنے کا پروگرام بتایا تو مقتولہ کسی نہ کسی بہانے بھاگنے کا دن آگے ہی کرتی گئی۔

اگلی ملاقات پر مقتولہ نے یوسف سے دو سو روپوں کا مطالبہ کیا۔

''نہیں!''۔۔۔ یوسف نے کہا۔۔۔ ''اب میں تمہیں ایک پیسہ نہیں دوں گا۔ میں جتنی رقم اپنے ساتھ لاؤں گا وہ سب تمہاری ہو گی۔ میں تمہارا ہوں گا۔ تم اب وعدہ پورا کرو''۔

مقتولہ نے پکا وعدہ کیا کہ وہ بہت جلدی اپنا وعدہ پورا کرے گی۔ میری رائے ہے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کہ مقتولہ یوسف کو ٹرخا رہی تھی اور بھاگنے کا جھانسہ دے کر اس سے مال کھا رہی تھی۔

یوسف نے اپنے بیان میں بتایا کہ اس کے گھر میں یہ واقعہ ہوا کہ اس کی ماں نے ٹرنک میں رکھی ہوئی رقم کسی ضرورت کے تحت گنی تو ساڑھے چھ سو روپیہ کم نکلا۔ ماں نے یوسف کے باپ سے پوچھا۔ باپ نے یوسف سے پوچھا۔ اس مقفل ٹرنک سے اور کوئی رقم نکال ہی نہیں سکتا تھا۔ یوسف نے کہا کہ اس نے کبھی ٹرنک کھولا ہی نہیں۔

یوسف کا باپ اپنے بڑے بھائی کو بلا کر لے آیا۔ ان لوگوں کو پہلے ہی شک تھا کہ یوسف اس سکھ لڑکی پر پیسہ برباد کر رہا ہے اور وہ اس سکھنی کو گھر سے بھگا لے جانے کا پروگرام بنا رہا ہے اس لیے ساڑھے چھ سو روپیہ اسی نے چرایا ہوگا۔ باپ اور تایا نے یوسف کو گھیر لیا۔ ساڑھے چھ سو روپیہ معمولی رقم نہیں تھی۔ باپ سب لاڈ پیار بھول گیا اور یوسف کو کہا کہ میں تمہیں عاق کر دوں گا اور تمام جائیداد اپنے بھتیجوں میں تقسیم کر دوں گا۔

یوسف نے اس الزام کے جواب میں گھر میں ہنگامہ کھڑا کر دیا مگر اس کے باپ اور تایا نے اس کے ساتھ بہت برا سلوک کیا اور اس پر پابندیاں لگا دیں جن میں ایک یہ تھی کہ اس کو گھر سے آئندہ کوئی پیسہ نہیں ملے گا۔

ادھر گھر والوں نے اس کو چور قرار دے دیا اور گھر میں اس کی شہزادوں والی حیثیت ختم ہو گئی، ادھر مقتولہ نے اس کے دل پر ایسی ضرب لگائی جس سے اس کا دماغ پھر گیا۔ یہ اس طرح ہوا کہ ایک روز اس نے مقتولہ کو ایک خفیہ جگہ اس ہندو جوان کے ساتھ دیکھ لیا جس کے ساتھ دوستی توڑ کر مقتولہ نے یوسف کو دوست بنایا تھا۔

میں چھوٹے چھوٹے واقعات بیان نہیں کر رہا کہ یوسف نے مقتولہ کو وہاں دیکھا اور اس نے کیا کیا اور کیا کہا، میں مختصر بات کر رہا ہوں جو یہ ہے کہ مقتولہ نے یوسف کو چھوڑ کر ہندو کو از سر نو دوست بنا لیا تھا۔ یوسف کو بڑی مشکل سے مقتولہ کے ساتھ ایک ملاقات کا موقع ملا۔ مقتولہ نے اس کو صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ وہ کسی مسلمان کے پیچھے اپنا مذہب نہیں چھوڑے گی۔

''پھر میری رقم واپس کر دو''۔۔۔ یوسف نے کہا۔

''منہ دھو کر رکھنا''۔۔۔ مقتولہ نے کہا۔۔۔ ''یہ میری دوستی کی قیمت تھی جو لے لی ہے''۔

یوسف گھر کا چور بنا۔ رقم سکھنی کھا گئی۔ رانجھے اور مجنوں والا عشق یوسف کے دماغ

کو چڑھ گیا۔ اس نے انتقام کی ترکیبیں سوچنی شروع کر دیں۔ اس کے دماغ میں قتل کے سوا اور کوئی بات آتی ہی نہیں تھی۔ ایک ترکیب یہ سوچی کہ مقتولہ اس کو ایک بار ملنے آ جائے تو وہ اس کو مٹھائی میں زہر کھلا دے لیکن مقتولہ نے اس کو ملنے سے انکار کر دیا۔

رگھبیر پانچ دنوں کی چھٹی آ گیا۔ یوسف کو پتہ لگ گیا کہ رگھبیر اور مقتولہ چھت پر سوتے ہیں۔ قتل کا موقع اچانک ہی پیدا ہو گیا۔ دن کے پچھلے پہر یوسف کو رگھبیر کہیں جاتا مل گیا۔ یوسف نے اس سے پوچھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ اس نے اپنے دوست کے گاؤں کا نام لیا۔

''رات شاید وہیں رہو گے''۔۔۔ یوسف نے کہا۔

''نہیں!''۔۔۔ رگھبیر نے کہا۔۔۔ ''رات کو آ جاؤں گا..... آدھی رات ہو جائے گی۔ صبح واپس کو ہاٹ جانا ہے''۔

ان کی آپس میں سلام دعا تھی۔ یہ باتیں رسمی طور پر ہوئیں لیکن خدا نے مقتولہ کے دن پورے کرنے تھے۔ یوسف کو معلوم تھا کہ پیپل کا ایک ٹہن رگھبیر کی چھت پر جاتا ہے۔ یوسف رات گیارہ بجے پیپل کے قریب جوتے اتار کر اوپر چلا گیا۔ اسے امید تھی کہ مقتولہ اوپر اکیلی ہوگی۔

وہ اس کو اکیلی مل گئی، گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ یوسف نے ہاتھوں سے اس کا گلا گھونٹا۔ اس نے بتایا کہ مقتولہ نے اس کے دونوں ہاتھوں کی الٹی طرف ناخن مارے پھر وہ مر گئی۔ یوسف کو انگوٹھی کے نگ کا صحیح پتہ چلا کہ کہیں گر پڑا ہے۔ یہ نگ انگوٹھی میں ڈھیلا ہو گیا تھا۔ یوسف نے اسی روز نیا ڈلوا لیا تھا۔

یوسف نے مجسٹریٹ سے بھی بیان قلمبند کرا دیا تھا۔ اس کا باپ اور تایا مجھ کو رشوت پیش کرتے رہے اور میں اُن کو ٹالتا رہا۔ سیشن کورٹ میں جا کر یوسف اپنے وکیل کے کہنے پر اقبالی بیان سے منحرف ہو گیا لیکن میں نے شہادت کا کوئی خانہ خالی نہیں چھوڑا تھا۔ یوسف کو سزائے عمر قید دی گئی جو ہائی کورٹ نے بھی بحال رکھی۔

رگھبیر سنگھ صاف بچ گیا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تعویذ، انگلیاں اور انگوٹھی

تفتیش کی یہ کہانی پاکستان کے ایک دیہاتی علاقے کی ہے۔ پاکستان اپنی عمر کے چار سال پورے کر چکا تھا۔ اس علاقے کی آبادی کا چوتھا حصہ مشرقی پنجاب سے آئے ہوئے مہاجروں کا تھا۔ چار سالوں میں انہوں نے زمینیں آباد کر لی تھیں اور خود بھی اس طرح آباد ہو گئے تھے جیسے آبائی طور پر یہیں کے رہنے والے تھے۔

ایک روز ایک بوڑھا آدمی اور اس کا بیٹا جس کی عمر پینتیس سال سے ذرا کم یا زیادہ تھی، تھانے میں آئے اور رپٹ برائے تفتیش یہ پیش کی کہ بوڑھے کا چھوٹا بیٹا گذشتہ رات سے لاپتہ ہے۔ اس کی عمر انتیس تیس سال بتائی گئی۔ انہوں نے بتایا کہ شام کے بعد جب اندھیرا گہرا ہو گیا تو کوئی آدمی اس کو بلانے آیا تھا۔ وہ باہر گیا پھر واپس نہیں آیا۔

میں نے سب سے پہلے تو یہ بات نوٹ کی کہ ان کا آدمی صرف ایک رات گھر واپس نہیں آیا اور یہ تھانے میں آ گئے۔ عام طور پر ایسا ہوتا تھا (اب بھی ہوتا ہے) کہ جوان آدمی یا عورت لاپتہ ہو جائے تو اس کے وارث اس کو خود تلاش کرتے ہیں اور اگر وہ نہ ملے یا گھر واپس نہ آئے تو تھانے میں رپٹ لے کر آتے ہیں۔ اس طرح دو تین اور اس سے زیادہ بھی دن گذر چکے ہوتے ہیں۔ مگر اس لاپتہ آدمی کا باپ اور بھائی اگلے ہی روز آ گئے۔

''وہ جوان آدمی ہے''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''بغیر بتائے کہیں چلا گیا ہوگا۔ آ جائے گا۔ تم تو فوراً تھانے آ گئے ہو۔ کیا اس کی کوئی وجہ ہے؟ تم نے اس کو خود کہیں نہیں ڈھونڈا؟''

''نہیں جناب!''۔۔۔ باپ نے جواب دیا۔۔۔ ''ہم نے خود نہیں ڈھونڈا۔ ہم تو اس کے انتظار میں سو گئے تھے..... تھانے میں فوراً آ جانے کی وجہ یہ ہے کہ ایک بار ہندوستان میں ہمارے گاؤں کا ایک جوان آدمی لاپتہ ہو گیا تھا۔ اس کے وارث اس کو جگہ جگہ تلاش

رتے رہے اور آٹھ دس روز بعد گاؤں کے قریب سے اس کی لاش ملی۔ تب تھانے ں اطلاع دی گئی۔ تھانیدار ہندو تھا۔ وہ گاؤں میں بغرض تفتیش آیا تو گاؤں کے لوگوں کو ں نے کہا تھا کہ کوئی مرد، عورت، بوڑھا یا بچہ لاپتہ ہو جائے تو فوراً تھانے میں رپٹ درج لراؤ۔ اس طرح اس کی تلاش جلدی شروع ہو جائے گی اور وہ قتل ہونے سے بچ جائے ا''۔

''تم لوگوں کو ایسا شک تو نہیں کہ اس کو کسی نے قتل کر دیا ہوگا؟''۔۔۔ میں نے پوچھا۔

''یہ شک بھی ہے حضور!''۔۔۔ لاپتہ شخص کے بڑے بھائی نے جواب دیا۔۔۔ 'ہمارے کھیت ایک مقامی خاندان کے کھیتوں کے ساتھ ہیں۔ ان لوگوں کے ساتھ پانی گانے پر جھگڑا رہتا ہے۔ کبھی کبھی ہاتھا پائی بھی ہو جاتی ہے۔ دو دفعہ تو بڑی سخت لڑائی ہوئی تھی۔ دونوں طرف کے آدمی زخمی ہوئے تھے''۔

''ان دنوں بھی ان کے ساتھ لڑائی ہوئی تھی؟''

''بیس بائیس دن ہو گئے ہیں''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ ''لیکن یہ لڑائی معمولی تھی۔ بات یہ ہے کہ حضور! معراج (لاپتہ بھائی) تیز طبیعت کا آدمی ہے اور دلیر بھی ہے۔ بات چیت اتنی اچھی کرتا ہے کہ اس کے سامنے کوئی آدمی سوال جواب کر ہی نہیں سکتا۔ ہمیں شک ہے کہ ان مقامی آدمیوں نے معراج کو دھوکے سے باہر بلا کر قتل کر دیا ہے''۔

''کیا انہوں نے کبھی قتل کی دھمکی دی تھی؟''

''نہیں حضور!''۔۔۔ معراج کے بھائی نے جواب دیا۔

''کیا تم نے ان کا کوئی آدمی کبھی قتل کیا ہے؟''۔۔۔ میں نے پوچھا۔۔۔ ''اور قاتل بری ہو گیا ہو؟''۔

''نہیں حضور!''۔۔۔ معراج کے بھائی نے جواب دیا۔

میرے پوچھنے پر معراج کے بھائی اور باپ نے بتایا کہ معراج شادی شدہ تھا۔ اس کی بیوی اگست 1947ء میں مشرقی پنجاب میں شہید ہو گئی تھی۔ میرے ایک اور سوال کے جواب میں انہوں نے مجھ کو بتایا کہ معراج اچھے چال چلن کا آدمی ہے اور کسی عورت کے ساتھ اس کا ایسا ویسا تعلق نہیں۔ بدمعاشوں وغیرہ کے ساتھ بھی اس کا اٹھنا، بیٹھنا نہیں تھا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں نے ان سے معراج کا حلیہ وغیرہ اور مزید جو باتیں پوچھنی تھیں پوچھ کر نوٹ کرلیں۔ یہ تمام باتیں بتانے کی ضرورت نہیں۔ مجھ کو ان کی باتوں سے تھوڑا سا شک ہو گیا تھا کہ اس شخص کی گمشدگی معمولی بات نہیں۔ یہ گڑبڑ والا معاملہ ہو سکتا ہے۔ یہ شخص معراج گھر سے اس طرح کبھی غیر حاضر نہیں ہوا تھا اور ایک بات یہ بھی مجھ کو بتائی گئی تھی کہ وہ گھر میں کسی سے لڑا نہیں تھا نہ وہ گھر سے ناراضگی کی حالت میں نکلا تھا۔

اس وقت جب پاکستان کی عمر چار سال ہو گئی تھی، پولیس میں ابھی انگریزوں کے وقتوں کے افسر اور دیگر ملازمین موجود تھے۔ وہ اپنی ڈیوٹی کی پوری پابندی کرتے تھے اور ان میں دیانتداری موجود تھی۔ رشوت خوری اور کوتاہی بھی شروع ہو چکی تھی لیکن مہاجروں کے معاملے میں ہم لوگ دیانتدار تھے۔ میں اپنی بات کروں گا۔ میں اس وقت ہندوستان سے ادھر کو آیا تھا جب مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کی لاشیں ہر طرف پڑی نظر آتی تھیں، مسلمانوں کے جلتے ہوئے مکانوں سے دھواں اٹھ رہا تھا اور مسلم خواتین کو سکھ اور ہندو گھسیٹ گھسیٹ کر لے جا رہے تھے۔

پاکستان کی بہت زیادہ قیمت تو مشرقی پنجاب کے مسلمانوں سے وصول کی گئی تھی۔ اس کے بعد ہندوستان کے مسلمان آج تک پاکستان کی قیمت ادا کر رہے ہیں۔ میری ساری ہمدردیاں مہاجروں کے ساتھ تھیں۔ لاپتہ ہو جانے والے اس مہاجر کے بارے میں مجھ کو اس کے باپ اور بھائی نے بتایا کہ ایک مقامی خاندان نے ان کے ساتھ عداوت پیدا کرلی ہے اور وہ ان کو تنگ کرتا ہے تو مجھ کو بہت غصہ آیا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ مقامی لوگ ان کی مدد کرتے اور ان کے ساتھ ایسا اچھا سلوک کرتے کہ وہ اپنے آبائی وطن کو اور اپنے ان عزیزوں کو جو وہاں شہید ہو گئے تھے اور مال و اسباب اور جائیدادوں کو جو وہاں چھوڑ آئے تھے۔ دل سے ہی اتار دیتے لیکن بعض مقامی لوگوں نے مہاجروں کو پردیسی سمجھ کر تنگ کرنا شروع کر دیا تھا۔

میں نے ایک تو اس کو اپنا فرض سمجھ کر اور پھر ان لوگوں کو مہاجر سمجھ کر پکا ارادہ کرلیا کہ ان کی مدد کروں گا۔ میں ان کو کہہ سکتا تھا کہ وہ جوان اور غیر شادی شدہ آدمی ہے، خود ہی کہیں چلا گیا ہوگا۔ اگر تین چار دنوں تک نہ آیا تو میرے پاس آجانا لیکن میں نے ان کے تھ وعدہ کیا کہ پوری کارروائی کروں گا۔

خوبصورت بھی ہے فسادی بھی

ان کو اطمینان دلا کر بھیج دیا اور ان کے نمبردار کو گاؤں سے بلوایا۔ اس سے معراج کے چال چلن اور دیگر حالات کی بابت پوچھا۔ اس نے بتایا کہ اخلاق کے معاملے میں یہ ٹھیک آدمی ہے۔ ہنس مکھ اور ملنسار ہے۔ ہر کسی کے دکھ سکھ میں شریک ہوتا ہے۔ خوبصورت جوان ہے۔ دیکھنے میں ہر کسی کو اچھا لگتا ہے لیکن فسادی ہے۔

''کیا ان کی کسی کے ساتھ دشمنی ہے؟''

''ہاں حضور!'' ــــ نمبردار نے جواب دیا اور اس مقامی خاندان کے دو تین آدمیوں کے نام لے کر کہا ــــ ''یہ تو بڑا شریف خاندان ہے۔ ان مہاجروں نے جن کا آدمی لاپتہ ہوا ہے، اس شریف خاندان کے ساتھ دشمنی پیدا کرلی ہے۔ یہ سارا فساد اسی معراج نے کھڑا کیا تھا جو آپ کہتے ہیں کہ لاپتہ ہو گیا ہے..... حضور والا!'' ــــ نمبردار نے راز کی بات بتانے کے لہجے میں کہا ــــ ''یہ شخص ایسا نہیں کہ اس کو کوئی اور لاپتہ کر دے گا۔ خود ہی کہیں اِدھر اُدھر ہو گیا ہے''۔

''تم بھی مقامی ہو نا!'' ــــ میں نے اس کو کہا ــــ ''اور جس خاندان کے ساتھ اس مہاجر خاندان کی دشمنی ہے یہ تمہاری برادری کا خاندان ہے..... یہ ٹھیک ہے نا!''

''ہاں حضور!'' ــــ اس نے جواب دیا ــــ ''لیکن میں حضور کو حقیقت کی بات بتا رہا ہوں''۔

''اب میری بات غور سے سن چوہدری!'' ــــ میں نے اس کو کہا ــــ ''مجھ کو یہ آدمی چاہئے..... معراج کو فوراً تھانے میں حاضر کرو۔ میں اس خاندان کے بچے بچے کو باندھ لوں گا''۔

نمبردار نے اچھلنا کودنا شروع کر دیا۔ وہ مجھ کو یہ تسلیم کرانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کو لاپتہ شخص کی بابت کچھ معلوم نہیں۔ میں نے اس کو بے گناہ اور بے خبر نہ مانا۔ اس کو کہا کہ وہ تھانے میں موجود رہے اور سچی بات پر آجائے ورنہ اس کو تھانے سے نہیں نکلنے دیا جائے گا۔

تھانیدار جادوگر نہیں ہوتے۔ ان کے پاس لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے بہت ذریعے ہوتے ہیں۔ میں آپ کو ایک بات بتاتا ہوں۔ آپ کے دو تین دوست ہیں جن پر آپ کو سو فیصد بھروسہ اور اعتبار ہے۔ آپ اپنے گھر کی اور اپنے دل کی ہر بات ان

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کے ساتھ کرتے ہیں۔ آپ کو معلوم نہیں کہ ان میں ایک آدمی تھانے کا مخبر ہے۔ وہ آپ کی ہر بات اپنے ذہن میں جمع کر رہا ہے۔ کوئی واردات ہو جاتی ہے جس کا آپ پر شبہ کیا جاتا ہے۔ اس وقت آپ کا دوست آپ کا نہیں پولیس کا دوست بن جاتا ہے۔ یہ اس واسطے ہوتا ہے کہ اس کو اس کام کے پیسے ملتے ہیں اور اس کو سب سے بڑا انعام یہ ملتا ہے کہ تھانیدار اس کا دوست بن جاتا ہے اور وقت بے وقت اس کے کام آتا ہے۔

میرے استاد جناب احمد یار خان پولیس کے مخبروں کی تمام قسمیں بیان کر چکے ہیں۔ میں صرف یہ کہوں گا کہ ہمارے ملک میں چغل خوروں کی تعداد ایمانداروں سے زیادہ ہے۔ مجھ کو سمجھ نہیں آتی کہ لوگ چغل خوری میں کیوں مزہ لیتے ہیں۔ مجھ کو یہ عادت بہت بری لگتی ہے لیکن آپ یہ سن کر مجھ کو برا آدمی سمجھیں گے کہ میں جب خود تھانیدار ہوا کرتا تھا تو تھانے میں آ کر دوسروں کی چغلیاں کرنے والوں کو بہت اچھا سمجھا کرتا تھا اور ان کو شاباش دیا کرتا اور ان کی عزت بھی کیا کرتا تھا۔ یہ میں اپنے فائدے کے واسطے کرتا تھا۔ ان مخبروں اور ان چغل خوروں کے ذریعے مجھ کو اپنے تھانے کا تمام علاقہ اور علاقے کا ہر فرد تھانے میں بیٹھے بیٹھے نظر آتا رہتا تھا۔

میں نے نمبردار کو تھانے میں پابند کر کے اپنے ایک ہیڈ کانسٹیبل کو جو تجربہ کار، اپنی ڈیوٹی کا سچا اور تفتیش کے معاملے میں عقلمند تھا، معراج کے گاؤں اس کام کے واسطے بھیجا کہ وہ معراج کے بارے میں اندر اور باہر کی ساری باتیں معلوم کرے اور جو مخبر گاؤں میں اپنے اوپر پردہ ڈال کر رکھتے ہیں، ان کو تھانے بھیج دے۔ اس ہیڈ کانسٹیبل کو میں نے اس کا کام اچھی طرح سمجھا دیا لیکن وہ خود سمجھتا تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے اور اس نے کیا کرنا ہے۔

یہ کوئی سنگین واردات نہیں تھی کہ میں سارے کام چھوڑ کر اس کے پیچھے پڑ جاتا۔ دوسرے دن ہیڈ کانسٹیبل نے معراج کے گاؤں سے جو معلومات اکٹھی کی تھیں وہ مجھ کو بتائیں۔ یہ تصدیق ہو گئی کہ معراج بدمعاش نہیں تھا، نہ اس کی بدمعاشوں کے ساتھ دوستی تھی۔ گاؤں میں ہر کوئی اس کو پسند کرتا تھا۔ جن خاندان کے ساتھ معراج کے خاندان کی دشمنی تھی اس خاندان کے دو آدمی اچھی شہرت والے نہیں تھے۔ عادی مجرموں کے ساتھ ان کا میل جول تھا اور وہ بڑکیں مارتے پھرتے تھے۔ مقامی لوگوں کو وہ مہاجروں کے خلاف بھڑکاتے رہتے تھے۔

تین مہینے پہلے کا ایک واقعہ مجھ کو ہیڈ کانسٹیبل نے سنایا۔ ان دو مقامی آدمیوں میں

سے ایک نے ایک مہاجر لڑکی کے ساتھ چھیڑ خانی کی۔ لڑکی کے وارث ذرا کمزور لوگ تھے۔ انہوں نے اس آدمی سے شکایت کی تو اس مقامی آدمی نے ان کی بے عزتی کر دی۔ معراج کو پتہ لگا تو وہ لاٹھی لے کر نکل آیا۔ اس نے اس آدمی کو للکارا۔ وہ آدمی کلہاڑی لے کر آ گیا۔ لوگوں نے درمیان میں آ کر معاملہ ٹھنڈا کر دیا۔

''کسی مہاجر عورت کی طرف کسی مقامی آدمی نے میلی آنکھ سے دیکھا تو اس کی آنکھیں نکال دوں گا''۔۔۔ معراج نے یہ اعلان گاؤں میں کھڑے ہو کر کیا اور کچھ دن وہ جہاں بیٹھتا یہی اعلان کرتا رہا۔

ایک مقامی خاندان نے ایک ہندو کی چھوڑی ہوئی زمین پر قبضہ کر لیا تھا۔ پٹواری بھی اس کے ساتھ مل گیا تھا۔ معراج نے اس ناجائز قبضے کے خلاف شور شرابہ شروع کر دیا۔ ایک بار ڈپٹی کمشنر دورے پر آیا۔ معراج اس کے پاس چلا گیا اور ناجائز قبضے کی شکایت کی۔ اس وقت افسروں کے دلوں میں پاکستانی جذبہ تھا۔ ڈپٹی کمشنر نے مقامی آدمی سے زمین چھڑوا کر ایک مہاجر خاندان کو دے دی۔

یہ دو واقعات سنانے ہی کافی ہوں گے۔ ان سے پتہ لگتا تھا کہ معراج مہاجروں کا لیڈر تھا اور وہ جرأت والا آدمی تھا۔ مجھ کو یہ افسوس ہوتا تھا کہ چار سال گزر گئے ہیں، مگر یہ لوگ ابھی تک مقامی اور مہاجر بنے ہوئے تھے۔ اس میں مقامیوں کا بھی قصور تھا کہ وہ مہاجروں کو پاکستانی نہیں سمجھتے تھے اور اس میں مہاجروں کا بھی قصور تھا کہ وہ اپنے آپ کو مہاجر کہتے تھے اور حد بندی قائم رکھتے تھے۔

اس وقت میں کہا کرتا تھا کہ ایک دو سال بعد مقامی اور مہاجر ایک ہو جائیں گے آج 43 سال گزر گئے ہیں، مقامی اور مہاجر ایک نہیں ہو سکے۔ اب تو پاکستان کی سیاست نے ایک ایسا لیڈر پیدا کر دیا ہے جس نے مہاجروں کی الگ پارٹی بنالی ہے جس کو وہ مہاجر قومی موومنٹ کہتا ہے۔ پاکستان کا اللہ ہی حافظ ہے جہاں مہاجر اپنے آپ کو ایک الگ قومیت قرار دے رہے ہیں۔

پیر پٹواری

میں ایک شخص کی کہانی سنا رہا تھا جو لاپتہ ہو گیا تھا۔ مجھ کو جو معلومات معراج کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بارے میں ملیں وہ دو دن ملتی رہیں اور میں ان پر غور کرتا رہا۔ میرے دماغ میں جو شبہ آتا تھا وہ معراج کے دشمن خاندان کے دو آدمیوں پر تھا۔ ہر وہ مخبر جو میرے پاس آیا اس نے ان دو اشخاص کا نام ضرور لیا اور کہا کہ یہ دونوں ٹھیک اشخاص نہیں ہیں۔ مجھ کو یہ بھی بتایا گیا کہ ان دونوں کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا گیا ہے کہ اس معراج کو اڑا دیں گے۔ نمبردار اور پٹواری کی بابت سب نے بتایا کہ دونوں ان دونوں اشخاص کے حمایتی ہیں۔

معراج مہاجر تو ضرور تھا لیکن غریب آدمی نہیں تھا۔ اس کا ایک بڑا بھائی بھی تھا۔ دونوں بھائی محنتی تھے۔ زمین بھی زرخیز تھی۔ ان کی فصل، خاص طور پر گندم اور کماد، منڈی میں جاتی تھی۔ ایک مقامی گھرانے کے ساتھ معراج کے گھرانے کا تعلق ایسا گہرا ہو گیا تھا جیسے آپس میں رشتہ دار ہوں۔ مجھ کو گاؤں کے ایک معزز آدمی نے یہ بات بتائی تھی۔ دونوں گھروں کی مستورات ایک دوسرے کے گھر جاتی تھیں۔ دونوں طرف کے مردوں کا بھی ایک دوسرے کے گھر آنا جانا تھا۔ مقامی گھرانے میں ایک لڑکی جوان تھی جس کا نام آمنہ تھا اور آمو کہلاتی تھی۔ اس وقت اس کی عمر اکیس بائیس سال تھی۔

مجھ کو بتایا گیا کہ آمنہ اور معراج ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔ معراج نے آمنہ کا رشتہ مانگا تھا۔ آمنہ کے والدین راضی ہو گئے لیکن دوسرے رشتہ داروں نے دباؤ ڈالا کہ لڑکی غیر ذات میں نہ دی جائے۔ آمنہ کے والدین مجبور ہو گئے کہ معراج کو جواب دے دیں۔ معراج کو جواب مل گیا۔ رشتہ داروں نے دوسرا اعتراض یہ کیا تھا کہ معراج مہاجر ہے۔

جب میرے کان میں ذات کی بات پہنچی تو میں نے معراج کی ذات پوچھی۔ پتہ لگا کہ معراج میو ہے۔ میو کو میواتی بھی کہتے ہیں۔ میو بہت بڑی تعداد میں رہتک، حصار، کرنال وغیرہ کے علاقوں کے باشندے تھے۔ یہ جنگجو اور دلیر لوگ تھے۔ آپس میں قتل کی وارداتوں کا بازار گرم رکھتے تھے۔ بوقتِ ضرورت قانون اپنے ہاتھ میں لے لیتے تھے۔ ملک تقسیم ہوا تو میو ہجرت کر کے پاکستان میں آ گئے۔ ان کو سرحد کے ساتھ ساتھ گاؤں میں آباد کیا گیا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ کبھی ہندوستان نے حملہ کیا تو میو لڑیں گے، بھاگیں گے نہیں۔

ان میں سے کچھ میو خاندان پنجاب کے مختلف دیہاتی علاقوں میں آباد ہو گئے تھے۔

معراج اپنے خاندان کے ساتھ اس علاقے میں آ کر آباد ہو گیا تھا۔ میں نے جب سنا کہ معراج میو ہے تو مجھ کو سمجھ آ گئی کہ وہ کیوں اتنا دلیر ہے۔ یہ دلیری اس کی فطرت میں شامل تھی۔

آمنہ کی منگنی اپنی برادری کے ایک آدمی سے ہو گئی۔ یہ منگنی تقریباً ڈیڑھ مہینہ پہلے ہوئی تھی۔ ابھی شادی کی تاریخ مقرر نہیں ہوئی تھی۔

میں نے منگنی کی خبر سنانے والے سے یہ پوچھ گچھ شروع کر دی کہ معراج کو رشتے سے انکار ہوا تو اس نے کوئی گڑبڑ کی ہو گی یا اس نے کوئی ایسی حرکت کی ہو گی یا اس نے کوئی ایسی دھمکی دی ہو گی کہ کہ لڑکی کے رشتہ داروں نے اسے غائب ہی کر دیا۔ میرے سوالوں کا مجھ کو یہ جواب ملا کہ معراج کی طرف سے کوئی حرکت نہیں ہوئی۔ اگر در پردہ ہوئی ہو تو معلوم نہیں۔

''کیا آمنہ اور معراج کا چوری چوری ملنا جلنا تو نہیں تھا؟'' — میں نے مخبر سے پوچھا۔

''ایسی بات کبھی سنی نہیں'' — مخبر نے جواب دیا — ''لیکن یہ بات پتھر پر لکیر ہے کہ آمنہ معراج کو دل سے پسند کرتی تھی''۔

''آمنہ کا چال چلن کیسا ہے؟''

''بالکل صاف'' — مخبر نے جواب دیا — ''شریف اور عزت دار گھر کی لڑکی ہے اور گھر کی عزت کا خیال رکھتی ہے''۔

میرے دماغ میں یہ سوچ آئی کہ معراج کو رشتے سے جواب ملے ایک مہینے سے اوپر عرصہ گزر گیا ہے اور ایک مہینہ منگنی کو ہو گیا ہے۔ اگر معراج نے کوئی گڑبڑ کرنی ہوتی تو فوراً گرما گرمی میں کر دیتا۔ ایک مہینہ انتظار نہ کرتا۔ پھر مجھ کو یہ سوچ بھی آئی کہ اس نے لڑکی کو ورغلا لیا ہو گا کہ چلو گھر سے بھاگ چلتے ہیں۔ اس کی اطلاع لڑکی کے وارثوں کو ہو گئی ہو گی۔ انہوں نے معراج کو لاپتہ کر دیا۔ اس کو قتل کر دیا ہو گا۔ یہ بات میں نے مخبر سے پوچھی۔

''آمنہ کا باپ اور اس کے بھائی ایسے آدمی نہیں'' — مخبر نے جواب دیا — ''ان کے دو تین رشتے دار بڑے سخت آدمی ہیں''۔

میں نے ان حالات کو بھی ذہن میں رکھ لیا اور سوچا کہ معراج تین چار دنوں تک خود

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہی واپس نہ آیا تو میں سمجھوں گا کہ وہ قتل ہو گیا ہے۔ یہ خیال بھی آیا کہ آمنہ کا رشتہ نہ ملنے اور اس کی منگنی کسی اور کے ساتھ ہو جانے کی وجہ سے دلبرداشتہ ہو کر معراج گاؤں سے بھاگ گیا ہو گا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ خیال بھی آیا کہ فوراً کیوں نہ بھاگ گیا۔ اس نے ایک مہینہ کیوں انتظار کیا؟

ایک دن اور گذر گیا۔ میں نے اسی خاندان کے تین آدمی بلائے ہوئے تھے جن کے ساتھ معراج کے خاندان کی دشمنی تھی۔ ان تینوں کی مجھ کو جو رپورٹیں ملی تھیں وہ ان کے خلاف جاتی تھیں۔ میں نے تینوں کو اپنے سامنے کھڑا کر لیا۔

''میں تم کو موقع دیتا ہوں''۔۔۔ میں نے ان کو کہا۔۔۔ ''اگر معراج کو تم نے غائب کیا ہے تو اس کو حاضر کر دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ کوئی کارروائی نہیں کروں گا۔ اگر میں نے اپنی کوشش سے اس کو برآمد کر لیا تو پھر دیکھنا تم پانچ سال سے پہلے کس طرح جیل سے نکلتے ہو''۔

تینوں نے پُرزور انکار کیا۔ میں نے ایک ہیڈ کانسٹیبل کو بلایا اور اس کو کہا کہ ان تینوں کو الگ الگ رکھے۔

''الگ الگ بیٹھ کر سوچو''۔۔۔ میں نے ان تینوں کو کہا۔۔۔ ''چاہے رات ہو جائے اور رات گذر جائے، میں پروا نہیں کروں گا۔ اِدھر ہی بیٹھے ہو۔ روٹی پانی ملے گا۔ مجھ کو ٹھیک جواب چاہئے''۔

ہیڈ کانسٹیبل اُن کو لے گیا۔

ایسی بے حیا بھی نہیں

میں نے پٹواری کو بھی طلب کیا تھا۔ دیہات کے لوگ پٹواریوں کو پیروں کو طرح مانتے ہیں۔

''اس علاقے میں ایک بادشاہ اور بھی ہے بھائی جی!''۔۔۔ میں نے پٹواری کو کہا۔۔۔ ''تم اب اس بادشاہ کے سامنے بیٹھے ہوئے ہو۔ تم ان مقامی چوہدریوں کی پشت پناہی کرتے ہو اور مہاجروں کے پانی پر گڑبڑ کرتے ہو۔ اگر تم کو معلوم ہے کہ معراج کی گمشدگی میں ان چوہدریوں کا ہاتھ ہے تو بتا دو۔ میں تم کو درمیان سے نکال دوں گا۔ کہو گے

تو ان تینوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کروں گا''۔

''آپ نے جو کہنا تھا کہہ لیا ہے''۔۔۔ پٹواری نے کہا۔۔۔ ''اب میری سنیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میں ان مقامی چوہدریوں کا ساتھ دیتا ہوں، لیکن ان کو مہاجروں کے خلاف بھڑکاتا نہیں۔ آپ نے معراج کی بابت پوچھا ہے کہ مجھ کو معلوم ہے یا نہیں۔ میرا جواب بالکل سیدھا اور صاف ہے کہ مجھ کو معلوم نہیں۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ ان تینوں نے معراج کو لاپتہ نہیں کیا۔ میں ان کا وکیل نہیں۔ آپ ان کو اپنے پاس رکھیں۔ سیدھے ہاتھوں نہیں مانتے تو ان کو دوسرے ہاتھ دکھائیں''۔

''مجھ کو ایک بات بتاؤ''۔۔۔ میں نے اس سے پوچھا۔۔۔ ''کیا یہ تینوں یہ نہیں کہتے تھے کہ ہم معراج کو غائب کر دیں گے؟''

''کہتے تھے جناب!''۔۔۔ پٹواری نے کہا۔۔۔ ''مجھ پر آپ کو اعتبار کرنا چاہئے۔ ہم دونوں سرکاری ملازم ہیں۔ ہم کو ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہئے۔ میں نے ان لوگوں کی دشمنی کے جو حالات دیکھے ہیں وہ میں آپ کو بتا دیتا ہوں۔ ان چوہدریوں کی دشمنی معراج کے خاندان کے ساتھ تو ہے لیکن یہ سب صرف معراج کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ معراج نے ان تینوں کو باری باری پھینٹی لگائی ہے، معراج نے تو میرا بھی لحاظ نہیں کیا''۔

''اسی لئے تو تم بھی اس کو اپنا دشمن سمجھتے ہو''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''اور نمبردار بھی اس کا دشمن بنا ہوا ہے۔ اب تم اور نمبردار اپنے آپ کو اس الزام میں بے گناہ ثابت کرو کہ معراج کو غائب کرنے کی سازش میں تم اور نمبردار بھی شامل ہو''۔

پٹواری کوئی عاقم قسم کا دیہاتی اور اَن پڑھ نہیں تھا۔ بہت چالاک آدمی تھا۔ وہ اب ڈبل گیم کھیل رہا تھا۔ اس نے ان تین مقامی آدمیوں کے خلاف بولنا شروع کر دیا۔ وہ یہ نہیں کہتا تھا کہ معراج کو انہوں نے ہی لاپتہ کیا ہے۔ وہ ان کے خلاف شک کا اظہار کر رہا تھا۔

معراج کو لاپتہ ہوئے تین دن گذر گئے تھے۔ میں نے اے ایس آئی اور ایک ہیڈ کانسٹیبل کو کہا کہ ان تینوں کو آج رات سونے نہ دیں اور دوسرے طریقے سے ان سے اگلوائیں۔ پٹواری کے ساتھ ضروری باتیں کر کے اس کو جانے کی اجازت دے دی۔

اگلی صبح میں تھانے کو جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا کہ ایک کانسٹیبل نے آ کر اطلاع

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دی کہ ایک گاؤں میں کنوئیں میں ایک عورت کی لاش تیر رہی ہے۔ کانسٹیبل نے گاؤں کا نام لیا۔ یہ معراج کا گاؤں تھا۔ ابھی یہ پتہ نہیں لگا تھا کہ لاش کس عورت کی ہے۔ پھولدار اور رنگدار کپڑوں سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ عورت کی لاش ہے۔ تھانے میں اطلاع دینے کے واسطے چوکیدار آیا تھا۔

میں تیار ہو کر تھانے گیا۔ چوکیدار سے ضروری باتیں پوچھیں اور اس گاؤں کو روانہ ہو گیا۔ کنواں گاؤں کے باہر تھا۔ یہ پرانے زمانے کا عام کنوؤں سے چوڑا کنواں تھا اور پانی دور نہیں تھا۔ گاؤں کی ساری آبادی کنوئیں کے اردگرد اکٹھی ہو گئی تھی۔

میں نے کنوئیں سے لاش نکلوانے کا بندوبست کیا۔ لاش باہر آئی اور ابھی چارپائی پر ڈالی جا رہی تھی کہ مجھ کو کسی کی آواز سنائی دی ــــ ''یہ تو آمنہ ہے'' ــــ پھر اور آوازیں سنائی دینے لگیں ــــ ''آمنہ ہے..... آمنہ کی لاش ہے''۔

آمنہ کا باپ اور بھائی آگے آئے اور رونے لگے۔ یہ اکیس بائیس سال عمر کی خوبصورت لڑکی تھی۔

''یہ تمہاری کیا لگتی تھی؟'' ــــ میں نے لاش پر رونے والے بڑی عمر کے ایک آدمی سے پوچھا۔

''میری بیٹی تھی'' ــــ اس نے جواب دیا۔

''گھر سے کس وقت نکلی تھی؟''

''ہم صبح اذان کے وقت اٹھا کرتے ہیں'' ــــ اس نے جواب دیا ــــ ''آج صبح اٹھے تو یہ اپنی چارپائی پر نہیں تھی۔ اتنی سویرے تو یہ کبھی نہیں اٹھی تھی۔ ہم کو فکر لگ گئی۔ باہر جا کر دیکھا پھر گھر میں انتظار کیا اور صبح روشنی پھیلنے لگی۔ ہم شرم کے مارے کسی کو بتاتے نہیں تھے کہ ہماری لڑکی گھر سے چلی گئی ہے۔ میں نے اپنے ان بیٹوں سے پوچھا تھا کہ کیا کیا جائے کہ باہر سے آوازیں آنے لگیں کہ کنوئیں میں لاش تیر رہی ہے۔ صبح عورتیں کنوئیں سے پانی لانے کو گئیں تو انہوں نے لاش دیکھی تھی۔ میں اپنے بیٹوں کے ساتھ کنوئیں پر آ گیا۔ اب دیکھا تو.....'' وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔

وہ معمولی سا کسان نہیں تھا۔ اچھی پوزیشن کا زمیندار تھا اور کچھ تعلیم یافتہ بھی تھا۔

''ایک بات بتاؤ'' ــــ میں نے اس کے کان کے ساتھ منہ لگا کر پوچھا ــــ ''یہ وہی

آمنہ تو نہیں جس کا رشتہ اس گاؤں کے ایک شخص معراج نے مانگا تھا اور تم نے انکار کر دیا تھا؟''

''ہاں جی!'' ــــ اس نے جواب دیا ــــ ''یہ وہی آمنہ ہے۔ میں نے اس کی منگنی ایک اور لڑکے کے ساتھ کر دی تھی''۔

میں نے لاش پوسٹمارٹم کے واسطے بھجوا دی اور کنوئیں کے پاس ایک درخت کے نیچے چلا گیا۔ فوراً دو کرسیاں اور ایک چھوٹی میز اور دو چارپائیاں آ گئیں۔ میں نے آمنہ کے باپ کو اپنے پاس بٹھا لیا۔

''کیوں بھائی!'' ــــ میں نے پوچھا ــــ ''یہ کیا معاملہ ہے؟ تم کیا سمجھتے ہو؟''

''میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ میری بیٹی نے اپنی جان خود لی ہے'' ــــ اس نے جواب دیا۔

''کوئی وجہ؟''

''اپنی منگنی پر وہ خوش نہیں تھی'' ــــ اس نے کہا ــــ ''معراج کے ساتھ شادی کرنا چاہتی تھی..... میری بیٹی ایسی بے حیا تو نہیں تھی کہ اپنے منہ سے کہتی کہ وہ فلاں کے ساتھ نہیں فلاں کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہے۔ زمانہ ہی برا آ گیا ہے..... آمنہ روتی رہتی تھی''۔

''کیا تمہیں اس نے کہا تھا کہ وہ اس شادی پر خوش نہیں؟''

''نہیں'' ــــ اس نے جواب میں کہا ــــ ''لڑکیاں ایسی باتیں اپنے باپوں کے ساتھ تو نہیں کیا کرتیں، آمنہ اپنی ماں کو کہتی رہتی تھی۔ پرسوں کی بات ہے اس نے ماں کو پھر کہا کہ وہ اس منگیتر کو قبول نہیں کرے گی۔ اس کی ماں اس کے رونے اور روز روز کی بک بک سے تنگ آ گئی تھی۔ اس نے آمنہ کو گالی گلوچ کی۔ میرا بڑا بیٹا گھر تھا۔ اس نے ماں کو واہی تباہی بکتے سنا تو پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ ماں نے بتا دیا۔ بھائی نے آمنہ کو مارا پیٹا۔ میں گھر آیا تو مجھ کو پتہ لگا کہ گھر میں یہ واقعہ ہوا ہے۔ میں نے بیٹی کو مارا پیٹا تو نہیں، برا بھلا کہا اور اپنی عزت کا واسطہ دیا''۔

''سنا ہے تم بیٹی کا رشتہ معراج کو دینے پر راضی تھے'' ــــ میں نے کہا۔

''آپ نے ٹھیک سنا ہے'' ــــ اس نے کہا ــــ ''مجھ کو معراج اس وجہ سے پسند تھا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کہ مہاجر ہے، محنتی ہے اور دل گردے کا مضبوط ہے۔ اس کا خاندان غریب تو نہیں۔ مجھ کو یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ گاؤں کے کچھ لوگ مہاجروں کو اچھا نہیں سمجھتے۔ میں مہاجروں کو صرف اس لیے اچھا سمجھتا ہوں کہ یہ مہاجر ہیں اور انہوں نے پاکستان پر اپنے گھر بار اور جائیدادیں لٹا دی ہیں اور یہ کہ ان پر ہندوؤں اور سکھوں نے بہت ظلم کئے ہیں۔ میں نے پاکستان بنانے میں بہت کام کیا ہے۔ میں شہر مسلم لیگ کے دفتر میں حکم اور پروگرام لینے جایا کرتا تھا۔ ایک بار میں گرفتار ہو گیا تھا۔ ایک مہینے بعد رہائی ملی تھی۔ یہ پاکستان میرے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہوا ہے۔ مجھ کو ہر وہ آدمی چاہے وہ میرا ذاتی دشمن ہو، اچھا لگتا ہے جس نے پاکستان کے واسطے کچھ نہ کچھ کام کیا اور قربانی دی ہے..... اللہ کی لعنت پڑے میرے ان رشتہ داروں پر جنہوں نے اکٹھے ہو کر مجھ کو مجبور کر دیا کہ میں اپنی بیٹی کا رشتہ مہاجروں کے گھر میں نہ دوں۔ میری بیوی اور بیٹے بھی ان بدبختوں کی باتوں میں آ گئے"۔

اس کی اس بات سے مجھ کو اندازہ ہو گیا کہ یہ معمولی ذہن کا دیہاتی آدمی نہیں اور یہ دل کا صاف آدمی ہے۔ میرے دل میں اس کی عزت پیدا ہو گئی۔ میں نے سوچا کہ آمنہ کے بارے میں اس کی بجائے اس کی بیوی سے پوچھوں گا۔ مائیں بیٹیوں کے دلوں کی باتیں جانتی ہیں۔

"معراج کو لاپتہ ہوئے تین چار دن گذر گئے ہیں"۔۔۔ میں نے آمنہ کے باپ کو کہا۔۔۔ "تم کچھ بتا سکتے ہو کہ وہ کہاں غائب ہو گیا ہے یا اس کی دشمنوں نے غائب کر دیا ہے"۔

"کوئی بھی وجہ صحیح ہو سکتی ہے جناب!"۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ "اس کے دشمن بھی موجود ہیں"۔

پُرانی جوتی کے برابر

مجھ کو اب یہ شک ہونے لگا تھا کہ آمنہ نے معراج کے ساتھ شادی نہ ہونے سے دلبرداشتہ ہو کر خودکشی کی ہے اور معراج بھی اسی وجہ سے گھر سے نکلا ہے اور اس نے کہیں دور جا کر گاڑی کے آگے آ کر خودکشی کر لی ہو گی، لیکن ابھی تو میں نے یہ یقین کرنا تھا کہ یہ واقعی خودکشی کی واردات ہے۔ میں نے آمنہ کی ماں کو بلانے کی بجائے اس کے گھر چلا گیا۔

اس کو الگ بٹھا کر پوچھ گچھ شروع کی۔

اس نے بھی وہی بات ذرا تفصیل سے بتائی کہ آمنہ معراج کے ساتھ شادی کرنا چاہتی تھی اور جس کے ساتھ اس کی منگنی ہوئی تھی اس کو وہ پسند نہیں کرتی تھی۔ ماں نے تصدیق کی کہ وہ اکیلی بیٹھ کر روتی رہتی تھی۔ ماں نے یہ بھی بتایا کہ آمنہ کو بھائی نے مارا پیٹا تو اس کے بعد آمنہ نے دو مرتبہ کہا تھا کہ وہ اپنی زندگی خود ختم کر لے گی۔

"کیا معراج سے وہ ملتی تھی؟"۔۔۔ میں نے پوچھا۔۔۔ "تمہیں کبھی پتہ چلا تھا کہ منگنی کے بعد بھی وہ معراج سے ملی ہے؟"

"وہ اب اس دنیا میں نہیں رہی"۔۔۔ ماں نے جواب میں کہا۔۔۔ "ہماری جو بے عزتی ہونی تھی ہو گئی ہے۔ جوان لڑکی کا کنوئیں میں چھلانگ لگا دینا ہماری بے عزتی نہیں تو اور کیا ہے۔ آمنہ ایسی لڑکی نہیں تھی کہ معراج کو الگ تھلگ ملتی۔ میں قسم بھی تو نہیں کھا سکتی۔ یہ بتا دیتی ہوں کہ معراج ہمارے گھر آتا تھا تو آمنہ کی خوشی دیکھی نہیں جاتی تھی۔ اس کی خاطر داری کرتی تھی۔ پھر وہ اس کے گھر جاتی رہتی تھی۔ بہانے بنا بنا کر اس کے گھر جاتی تھی۔ معراج نے رشتے کے بعد ہمارے گھر آنا چھوڑ دیا تھا"۔

"آمنہ کو بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ معراج کسی کو بتائے بغیر کہیں چلا گیا ہے"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "یہ سن کر آمنہ کا کیا حال ہوا تھا؟"

"بہت برا"۔۔۔ ماں نے جواب دیا۔۔۔ "پہلے تو اس کی یہ حالت ہوئی کہ چپ چاپ ایک جگہ نظریں جما کر بیٹھ گئی۔ گھر کا کوئی کام نہ کیا۔ ہاتھ میں گلاس لیا تو گلاس ہاتھ سے گر پڑا۔ پھر اندر جا کر لیٹ گئی۔ اس سے ایک روز پہلے بھائی نے اس کو مارا تھا۔ میں نے رات کو دیکھا۔ صحن میں بیٹھی ہوئی تھی۔ منتیں کر کے اندر لائی کہ باپ نے یا بھائیوں نے دیکھ لیا تو ماریں گے۔ اگلے دن معراج کے گھر گئی۔ واپس آئی تو اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں"۔

ماں نے آمنہ کی آخری دنوں کی جو حالت اور جو باتیں بیان کیں، ان سے یہی ثابت ہوتا تھا کہ اس نے خودکشی کی ہے۔ میرے واسطے یہی ثبوت بہت تھا کہ والدین کہہ رہے تھے کہ ان کی لڑکی نے خودکشی کی ہے۔ میں نے تو کاغذوں کا پیٹ بھرنا تھا اور مرنے والی کے وارثوں سے تصدیق کرانی تھی کہ لڑکی نے خودکشی کی ہے۔ میرا کام یہیں ختم ہو جانا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تھا لیکن میں سمجھتا تھا کہ میری ڈیوٹی ابھی پوری نہیں ہوئی۔ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ بھائی نے خود ہی اپنی بہن کو کنوئیں میں پھینک دیا ہو۔ وہ ان کے قابو سے نکل گئی ہوگی۔

میرے دماغ میں یہ سوچ بھی آئی کہ ہوسکتا ہے معراج کا بھی سراغ مل جائے۔ میں نے آمنہ کی ماں کو کہا کہ آمنہ کی کسی ایسی سہیلی کو میرے پاس لے آئے جس کے ساتھ وہ دل کی ہر بات کرتی تھی۔

پندرہ منٹوں میں دو لڑکیاں میرے پاس آگئیں۔ ایک کی ابھی شادی نہیں ہوئی تھی۔ دوسری کی شادی ابھی دو مہینے پہلے ہوئی تھی۔ میں نے دونوں کو اکٹھا بٹھالیا۔ دونوں نے بتایا کہ آمنہ معراج کو اتنا زیادہ پسند کرتی تھی کہ دن میں ایک بار اس کو دیکھ نہ لیتی تو اس کو چین نہیں آتا تھا۔ معراج کا بھی یہی حال تھا۔

''کیا آمنہ نے کل یا پرسوں تمہیں کہا تھا کہ وہ اپنی زندگی ختم کرلے گی؟'' ــــ میں نے پوچھا۔

''پرسوں شام کو وہ میرے پاس آئی تھی'' ــــ ایک سہیلی نے کہا ــــ ''کہنے لگی کہ آج بھائی نے مجھ کو بہت مارا ہے اور گھر والے میرے دشمن ہوگئے ہیں۔ معراج معلوم نہیں کہاں چلا گیا ہے۔ میں تو اس زندگی سے تنگ آگئی ہوں۔ میں اس کو دلاسے دیتی رہی، لیکن اس کے جینے کا کوئی حال نہیں رہا تھا'' ــــ اس نے دوسری لڑکی کی طرف دیکھا اور اس کو کہا ــــ ''وہ بات تم سنادو''۔

''ایک اور بات ہے جی!'' ــــ دوسری لڑکی نے جو شادی شدہ تھی اور زیادہ ہوشیار معلوم ہوتی تھی، مجھ کو بتایا ــــ ''آمنہ اپنے منگیتر کے خلاف باتیں کرتی رہتی تھی۔ یہ باتیں منگیتر تک پہنچتی تھیں۔ ایک عورت کی زبانی آمنہ کو منگیتر کا پیغام ملا کہ تمہاری شادی تو اب میرے ساتھ ہی ہونی ہے۔ آکر دیکھ لینا کہ میں اچھا ہوں یا معراج۔ آمنہ نے اسی عورت کی زبانی جواب دیا کہ تم معراج کی پرانی جوتی کی بھی برابری نہیں کرسکتے''۔

میں نے ان لڑکیوں سے اس عورت کا نام معلوم کرلیا۔

''کل آمنہ بڑی سخت گھبرائی ہوئی میرے پاس آئی'' ــــ اسی شادی شدہ لڑکی نے کہا ــــ ''کہنے لگی مجھے شک ہے کہ معراج کو میرے منگیتر نے غائب کروایا اور مروا دیا ہے۔ میں نے آمنہ کو کہا کہ وہم نہ کرے۔ معراج کو یہ منگیتر قتل نہیں کرسکتا۔ آمنہ نے کہا کہ

میں تھوڑی دیر پہلے کھیتوں کی طرف آرہی تھی۔ منگیتر راستے میں مل گیا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ دوسرے راستے پر ہوجاؤں لیکن وہ ادھر بھی میرے سامنے آگیا اور قریب گذرتے ہوئے اس نے کہا کہ اب اس کو ڈھونڈو۔ باقی عمر ڈھونڈتی رہنا''۔

''پھر وہ میرے پاس آئی تھی'' ــــ غیر شادی شدہ سہیلی نے کہا ــــ ''مجھ کو بھی اس نے یہ بات بتائی تھی۔ اس کو یقین تھا کہ معراج کو اس کے منگیتر نے ہمیشہ کے لیے غائب کر دیا ہے''۔

بالی اور لومڑی

ان دونوں لڑکیوں کے بیانات سے اور ان کے ساتھ میرے سوال جواب سے اور پھر آمنہ کی ماں کی باتوں سے مجھ کو پتہ لگ گیا کہ آمنہ کی ذہنی حالت ایسی ہوگئی تھی جس کے تحت اسے خودکشی کے سوا کچھ اور نظر نہیں آتا تھا۔ وہ سادہ اور شریف لڑکی تھی۔ یہ میں نے ہر طرف سے معلوم کرلیا تھا کہ آمنہ شریف لڑکی تھی۔ اگر وہ ذرا سی بھی چالاک اور ہوشیار ہوتی یا اس کا دماغ ٹھکانے ہوتا تو وہ اپنے باپ اور بھائیوں کے ذریعے مجھ کو یہ اطلاع دیتی کہ اس کا منگیتر اس کو کہتا ہے کہ اب معراج کو ڈھونڈتی رہنا پھر میں اس کے منگیتر سے اگلوالیتا کہ معراج کہاں ہے۔

آمنہ نے یہ کارروائی نہ کی جس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی تھی کہ وہ گھر میں معراج کا نام لینے سے ڈرتی تھی۔ ایک وجہ اور بھی تھی جو میرے خیال میں یہ تھی کہ وہ اپنے گھر والوں کو اپنا دشمن سمجھتی تھی۔ بہرحال میرے واسطے یہ ثبوت کافی ہوگیا کہ آمنہ نے خودکشی کی ہے۔ مجھ کو اطمینان یہ بھی تھا کہ آمنہ کے وارث خود کہہ رہے تھے کہ ان کی لڑکی نے خودکشی کی ہے۔ میں اس کی تفتیش میں گہرا چلا گیا تھا۔ اس سے مجھ کو یہ فائدہ ملا کہ معراج کا کچھ سراغ مل گیا۔

میں نے اپنے ہیڈ کانسٹیبل کو جو میرے ساتھ گاؤں میں آیا تھا، بلا کر آمنہ کے منگیتر کا نام بتایا اور کہا کہ اس کو تھانے پہنچا دے۔ میں نے آمنہ کے باپ، بھائیوں، اس کی ماں اور ان دونوں لڑکیوں کے بیان قلمبند کیے اور ان کے دستخط یا انگوٹھے لگوا کر اس واردات کو خودکشی لکھا اور میں وہاں سے تھانے میں آگیا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جونہی آمنہ کا منگیتر جس کا نام نظام تھا، تھانے میں آیا میں نے اس کو تفتیش کی چکی میں ڈال دیا۔ میں نے دو تین منٹوں میں ہی جان لیا کہ یہ شخص ذرا سا بھی ہوشیار نہیں بلکہ بیوقوف آدمی ہے۔ پولیس والے جانتے ہیں کہ اس قسم کے بیوقوف آدمی فوراً جرم کرنے پر آجاتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ بیوقوفوں میں دور اندیشی نہیں ہوتی۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہی کارروائی جو وہ کرنے لگے ہیں عقلمندوں والی کارروائی ہے۔

میں نے اس گاؤں سے ایک عورت کو بھی تھانے میں طلب کیا تھا۔ وہ بھی نظام کے پیچھے پیچھے تھانے میں پہنچ گئی تھی۔ یہ وہ عورت تھی جس کی زبانی آمنہ نظام کو اور نظام آمنہ کو پیغام بھیجا کرتے تھے۔ یہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ ان کے پیغام کیا ہوتے تھے۔

''کان کھول کر سنو نظام!''۔۔۔ میں نے اس شخص کو کہا۔۔۔ ''تم نے اگر مجھ کو چکر دینے کی کوشش کی تو میں تم کو ایسے چکر میں ڈالوں گا کہ نہ مرو گے نہ جیو گے۔ اگر سچ بات اگل دو گے تو میں تم کو کچھ نہیں کہوں گا اور گھر جانے کی اجازت دے دوں گا..... صرف یہ بتا دو کہ معراج کہاں ہے''۔

اس نے پہلے تو مجھ کو بیوقوفوں کی طرح دیکھا۔ اس کی آنکھیں اتنی زیادہ کھل گئیں جیسے آنکھیں باہر آجائیں گی۔ اس کے چہرے کا رنگ پھیکا اور زرد ہو گیا۔ ہونٹ خشک ہو گئے پھر اس کے ہونٹ ذرا ذرا کانپنے لگے۔ میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا رہا اور اس کو مزید کچھ بھی نہ کہا۔

''نہیں!''۔۔۔ اس کے منہ سے یہ لفظ اپنے آپ ہی نکلا پھر وہ ہکلانے لگا جس کی مجھ کو سمجھ نہ آئی کہ کیا کہہ رہا ہے یا کیا کہنا چاہتا ہے۔ اس نے بہت کوشش کر کے ذرا صاف لفظوں میں کہا۔۔۔ ''مجھ کو معراج کا کچھ پتہ نہیں''۔۔۔ یہ کہہ کر اس نے خدا، رسولؐ اور قرآن کی قسمیں کھانی شروع کر دیں۔

''آمنہ نے تم کو ایک پیغام بھیجا تھا''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''اور تم نے اس کو اس پیغام کا جواب دیا تھا''۔

''نہیں سرکار جی!''۔۔۔ اس نے گھبراہٹ کے لہجے میں کہا۔۔۔ ''نہ آمنہ نے مجھ کو کوئی پیغام بھیجا تھا نہ میں نے کوئی جواب دیا تھا''۔۔۔ اس شخص کے دماغ میں یہ سوچ ہو گی کہ آمنہ تو مر گئی ہے۔ اس واسطے سچی بات کی تصدیق نہیں ہو سکتی۔

''آمنہ نے تم کو یہ پیغام بھیجا تھا کہ تم معراج کی پرانی جوتی کی بھی برابری نہیں کر سکتے؟''۔۔۔ میں نے اس سے پوچھا۔

اس نے پھر ہکلاتے ہوئے جواب دیا کہ آمنہ نے اس کو ایسا کوئی پیغام نہیں بھیجا تھا۔

''تم نے ایک روز پہلے کھیتوں میں آمنہ کو کہا تھا کہ اب معراج کو ڈھونڈتی رہنا''۔ میں نے یہ کہہ کر اس سے پوچھا۔۔۔ ''کہا تھا یا نہیں؟''

''نہیں سرکار جی!''۔۔۔ اس نے رونے جیسی آواز میں جواب دیا اور فوراً ہی اس نے سچ مچ کا رونا شروع کر دیا۔

مجھ پر اس نے رونے کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اس طرح بے گناہ بھی رویا کرتے ہیں اور جرم کا اصل مجرم بھی اسی طرح رویا کرتا ہے۔ اگر پولیس کے افسر مشتبہوں اور ملزموں کے آنسوؤں سے متاثر ہو جائیں تو پھر کوئی بھی مجرم نہ پکڑا جائے۔ میں نے باہر جا کر اس عورت کو بلایا جو آمنہ اور نظام کے پیغام ایک دوسرے تک پہنچایا کرتی تھی۔ وہ تقریباً چالیس سال عمر کی عورت تھی۔ اس کے چہرے کے نقش و نگار اچھے لگتے تھے۔ صاف پتہ لگتا تھا کہ لومڑی جیسی چالاک عورت ہے۔ آپ نے میری اور میرے استاد جناب احمد یار خان کی کہانیوں میں اس قسم کی عورتوں کی بہت باتیں پہلے پڑھی ہوں گی۔ اب ان باتوں کو دھرانا ضروری نہیں۔ یہ چھوٹی ذات کی عورت تھی۔ بڑی ذاتوں کے گھروں میں کام کاج کرتی تھی۔ اس کا پورا نام جو میری ڈائری میں لکھا ہوا ہے، اقبال بی بی ہے۔ اس کو بالی کہتے تھے۔ میں اس وقت تھانے کے برآمدے میں کھڑا تھا جب وہ میرے پاس آئی۔

''دیکھ بالی!''۔۔۔ میں نے اس کو کہا۔۔۔ ''تو شاید پہلے کبھی تھانے میں نہیں آئی۔ تھانے میں یہ رواج ہے کہ جو سچ بولتا ہے اس کی عزت کرتے ہیں اور جو جھوٹ بولتا ہے اس کے کپڑے اتار کر الٹا لٹکا دیتے ہیں اور یہ پروا نہیں کرتے کہ یہ مرد ہے یا عورت..... باقی باتیں اندر نظام کے سامنے ہوں گی، یہاں صرف یہ بتا دے کہ تُو آمنہ اور نظام کے پیغام اِدھر اُدھر لے جاتی رہی ہے؟''

اس نے اِدھر اُدھر دیکھا پھر میری طرف دیکھ کر آہستہ سے اوپر نیچے سر ہلایا جس کا مطلب تھا کہ ہاں، وہ یہ کام کرتی رہی ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں اس کو اندر لے گیا اور نظام کے سامنے کھڑا کر دیا۔

''اب بولو نظام!''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''اب کہو کہ تم آمنہ کو اور آمنہ تم کو کوئی پیغام نہیں بھیجتے تھے..... فوراً بولو''۔

اب اس کی حالت یہ ہوگئی جیسے وہ بیٹھے بیٹھے مر گیا ہو۔ اب مجھ کو اس کی ہاں اور نہ کی کوئی پروا نہیں تھی۔ میں نے بالی کو باہر بھیج دیا۔

''مجھ کو صرف یہ بتا دو کہ معراج کہاں ہے؟''۔۔۔ میں نے پوچھا۔

اس نے جس طرح جواب دیا وہ میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔ وہ انکار کر رہا تھا اور اس کی حالت کچھ اس طرح تھی جیسے بکرے کو ذبح کیا جا رہا ہو۔ میں اس کے انکار کو نہیں مان رہا تھا۔ ایک ہیڈ کانسٹیبل کو بلا کر اس شخص کو اس کے حوالے کر دیا اور بالی کو بلایا۔

بالی سے میں نے پوچھا کہ نظام اس کے ساتھ آمنہ اور معراج کے بارے میں کیا باتیں کیا کرتا تھا۔

بالی نے آمنہ کے اور نظام کے وہ پیغام سنائے جو انہوں نے ایک دوسرے کو بالی زبانی بھیجے تھے۔ آمنہ کی سہیلیوں نے تو مجھ کو بہت تھوڑی باتیں سنائی تھیں، بالی نے جب یہ پورے پیغام سنائے تو مجھ کو پتہ لگا کہ ان کے درمیان بڑے خطرناک پیغاموں کا تبادلہ ہوتا رہا ہے۔ آمنہ جو پیغام بھیجتی تھی اس میں معراج کی تعریفیں زیادہ ہوتی تھیں اور اس کے مقابلے میں وہ نظام کو قابلِ نفرت کہتی تھی۔ یہ ایسے الفاظ تھے جو کسی انتہائی بزدل آدمی کو کہہ دو تو وہ بھی مرنے مارنے پر اتر آتا ہے۔ اگر پولیس کی زبان میں بات کروں تو یوں کہوں گا کہ آمنہ نے نظام کو اتنا زیادہ اشتعال دلا دیا تھا جو معراج کے اغوا کا باعث بن گیا۔ اب یہ دیکھنا تھا کہ معراج زندہ ہے یا اس کو قتل کر دیا گیا ہے۔

بالی نے مجھ کو بتایا کہ نظام نے یہ لفظ بہت دفعہ کہے تھے کہ میں معراج کو ایسا غائب کروں گا کہ یہ باقی عمر آمنہ کو نظر نہیں آئے گا۔

نظام سے سچ اگلوانے کا میرے پاس ایک ہی ذریعہ تھا جس کو تھرڈ ڈگری یعنی تشدد اور ایذا رسانی کہتے ہیں لیکن اس میں مشکل پیدا ہو جاتی ہے کہ ملزم تو مان لیتا ہے مگر کورٹ میں جرم ثابت کرنے کے واسطے شہادت نہیں ملتی یا شہادت ناقص ملتی ہے جس کو کورٹ میں ثابت کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ اکثر ملزم اقبالِ جرم کر کے کورٹ میں اقبالی بیان سے منحرف ہو

جاتے ہیں۔ یہ سوچ کر میں نے ارادہ کیا کہ مزید شہادت تلاش کی جائے۔ سوچ سوچ کر مجھ کو یہ خیال یہ سوچ کر آیا کہ ہو سکتا ہے کسی روز معراج اور نظام کا آمنا سامنا ہوا ہو اور معراج نے نظام کو کوئی ایسی سخت بات یا دھمکی والی بات کہہ دی ہو جس سے نظام اور زیادہ مشتعل ہو گیا ہو۔

آمنہ کی راز کی باتیں اس کی سہیلیوں سے معلوم ہو گئی تھیں۔ مجھ کو امید تھی کہ معراج کے ایک دو دوست ایسے ضرور ہوں گے جن کے ساتھ وہ دل کی باتیں کرتا ہو گا۔ اس کا بڑا بھائی تو اس کی پرائیویٹ زندگی کی کوئی بات نہیں بتا سکا تھا۔ یہ سوچ کر میں نے اپنے تجربہ کار ہیڈ کانسٹیبل کو معراج کے گاؤں اس مقصد کے لیے بھیج دیا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ کچھ باتیں معلوم کر کے نظام کی بابت فیصلہ کروں گا کہ اس سے باتوں باتوں میں اقبالِ جرم کرا لوں یا دوسرا طریقہ استعمال کروں۔

اس وقت تھانے میں جو مشتبہ موجود تھے ان میں ایک تو نمبردار تھا اور ایک ہی خاندان کے تین آدمی وہ تھے جن کی معراج کے ساتھ دشمنی تھی۔ ان تینوں پر معمولی درجے کا تشدد کیا جا رہا تھا اور وہ معراج کی گمشدگی سے لاعلمی ظاہر کر رہے تھے۔ وہ چلاتے اور منتیں کرتے تھے۔ میں نے یہ کارروائی رکوا دی۔

میرے سامنے اب ایسی شہادتیں آ گئی تھیں جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ معراج کا لاپتہ ہو جانا معمولی واقعہ نہیں۔ آپ کو تو میں تھوڑی تھوڑی اور موٹی موٹی باتیں سنا رہا ہوں۔ باریک اور چھوٹی باتیں بہت سی زیادہ ہیں۔ ایسی ہی چھوٹی چھوٹی اور باریک باتوں سے راستہ ملا کرتا ہے اور انہی سے شک نکلا کرتے ہیں۔

.....اپنی ماں کے ساتھ شادی کرنا

تین چار گھنٹوں بعد ہیڈ کانسٹیبل معراج کے دو دوستوں کو لے آیا۔ ایک مقامی تھا اور دوسرا مہاجر۔ میں نے ان دونوں کو اکٹھے بٹھا لیا۔ ان سے میں نے پہلے ہی پوچھ لیا تھا کہ معراج کے ساتھ ان کی دوستی کس درجے کی ہے اور ان کی آپس میں دوستی کتنی گہری ہے۔ انہوں نے مجھ کو بتایا کہ گاؤں کے لوگ ان تینوں کی دوستی کی مثال دیا کرتے ہیں اور یہ تینوں دل کی اور اپنے گھر کی ہر بات خواہ وہ کسی کے ساتھ کرنے والی نہ ہو، ایک دوسرے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ انہوں نے خود پسند کیا کہ وہ اکٹھے بیٹھ کر بیان دیں گے۔ ان کو اکٹھے بٹھانے میں کوئی ہرج نہیں تھا۔ یہ ملزم یا مشتبہ نہیں تھے۔

''کیا تم بتا سکتے ہو معراج کہاں چلا گیا ہے؟''۔۔۔ میں نے پوچھا۔

''پتہ ہوتا وہ کہاں ہے تو ہم گولی کی طرح وہاں پہنچ جاتے''۔۔۔ ایک نے جواب دیا۔۔۔ ''آپ کو پتہ نہیں ہماری دوستی کیسی ہے؟''

''کیا وہ ان دنوں زیادہ پریشان رہتا تھا؟''

''جس دن سے اس کو آمنہ کے رشتے سے انکار ہوا تھا اس دن سے وہ پریشان تھا''۔۔۔ مجھ کو جواب ملا۔۔۔ ''وہ اداس رہتا اور کبھی اس کے آنسو بھی نکل آتے تھے۔ ہم اس کو تسلیاں دیتے رہتے تھے''۔

''کیا اس نے کبھی کہا تھا کہ وہ آمنہ کو اپنے ساتھ بھگا لے جائے گا؟''

''یہ تو وہ کہا کرتا تھا''۔۔۔ ایک دوست نے جواب میں کہا۔۔۔ ''کہتا تھا دل تو یہی کرتا ہے کہ آمنہ کو اپنے ساتھ لے کر کہیں دور چلا جاؤں لیکن یہ سوچ آجاتی ہے کہ آمنہ شریف لڑکی ہے اور اس کا باپ عزت والا ہے اور میری وہ بہت قدر کرتا ہے''۔

''وہ ایسی اوچھی حرکت کرنے والا نہیں''۔۔۔ دوسرے دوست نے کہا۔۔۔ ''یہ بات بھی ہے کہ آمنہ گھر سے بھاگنے والی نہیں تھی وہ یہی کر سکتی تھی کہ اپنے آپ کو ختم کر دے۔ یہ اس نے کر کے دکھا دیا۔ آمنہ عزت اور اخلاق والی لڑکی تھی جناب!''

''یہ جو تین آدمی ہیں''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''معراج کی ان کے ساتھ دشمنی تھی۔ کیا یہ معراج کو لاپتہ کر سکتے ہیں؟''

''نہیں!''۔۔۔ ایک دوست نے جواب دیا۔۔۔ ''یہ فضول لوگ ہیں۔ تھوڑ دلے ہیں۔ یہ ایسی جرأت نہیں کر سکتے''۔

''کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ معراج نے کہیں جا کر خودکشی کر لی ہو؟''

''اس نے ایسی بات کبھی کی نہیں تھی''۔۔۔ مجھ کو جواب ملا۔۔۔ ''اور وہ خودکشی کرنے والا آدمی نہیں''۔

''رشتے سے انکار کے بعد بھی اسے آمنہ ملتی رہتی تھی؟''

''ایک یا دو دفعہ اس نے بتایا تھا کہ آمنہ اس کے گھر آئی تھی''۔۔۔ ایک دوست نے

کہا۔۔۔ ''ان کی الگ تھلگ ملاقات کبھی نہیں ہوئی۔ اگر ہوئی ہے تو معراج نے ہمیں بتایا نہیں''۔

''نظام کے ساتھ معراج کا رویہ کیا تھا؟''

''میں نظام کی ہی بات کرنے والا تھا''۔۔۔ معراج کے دوست نے کہا۔۔۔ ''معراج اس کو اپنا دشمن سمجھتا تھا۔ ہمارے گاؤں میں بالی نام کی ایک عورت ہے۔ بڑی چالاک عورت ہے۔ مردوں اور عورتوں کے خفیہ پیغام اِدھر اُدھر پہنچاتی اور پیسے کماتی ہے۔ ایک روز معراج نے ہم دونوں کو بتایا کہ نظام نے اس کو بالی کی زبانی پیغام دیا ہے کہ آمنہ سے ملنا ملنا چھوڑ دو ورنہ پچھتاؤ گے''۔

معراج کے ان دونوں دوستوں نے نظام اور معراج کے آپس میں پیغاموں کی جو بات سنائی یہ میں اپنے لفظوں میں سناؤں گا۔ ان دونوں کو شاید معلوم نہیں تھا کہ بالی تھانے میں موجود ہے۔ معراج نے اپنے دوستوں کو بتایا تھا کہ آمنہ نے نظام کو بالی کی زبانی وہ پیغام بھیجے تھے جو میں آپ کو پہلے سنا چکا ہوں۔ معراج کو یہ بات بالی نے بتائی تھی۔ نظام نے بالی کی زبانی آمنہ کو جو پیغام اور دھمکیاں بھیجی تھیں وہ بھی بالی نے معراج کے کان میں ڈال دی تھیں۔

معراج کو جب ان پیغاموں کا پتہ لگا تو اس کے خون کا گرم ہونا قدرتی امر تھا۔ اس نے بالی کی زبانی نظام کو پیغام بھیجنے شروع کر دیئے جو دھمکیوں تک پہنچ گئے۔ ان میں کچھ مختصر باتیں یہ تھیں۔

''میں جس وقت چاہوں آمنہ کو ساتھ لے کر گاؤں سے غائب ہو سکتا ہوں''۔۔۔ یہ معراج کا پیغام تھا۔۔۔ ''پھر اپنی ماں کے ساتھ شادی کرنا''۔

''آمنہ نہیں تم اکیلے غائب ہو گے''۔۔۔ یہ نظام کا پیغام تھا۔۔۔ ''کسی کو تمہاری مشک بھی نہیں ملے گی''۔

''اگر تم نے آمنہ کو اب پیغام بھیجا تو اُڑ جاؤ گے''۔۔۔ یہ معراج کا پیغام تھا۔

''گاؤں والے دیکھیں گے کون اُڑتا ہے''۔۔۔ یہ نظام کا جواب تھا۔

معراج کے دونوں دوستوں نے بتایا کہ وہ نظام سے ملے تھے اور اس کو کہا تھا کہ رشتے ناطے کا فیصلہ آمنہ کے ماں باپ نے اور برادری کے بزرگوں نے کیا ہے تو تم

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اور معراج ایک دوسرے کے خون کے پیاسے کیوں ہو گئے ہو؟ انسان بنو اور بھائیوں کی طرح رہو۔

''یہ میری عزت کا معاملہ ہے''۔۔۔ نظام نے کہا۔۔۔ ''جس کے ساتھ میری منگنی ہوئی ہے وہ میری بیوی ہے۔ مجھ کو معلوم ہے کہ میری بیوی کا دل معراج کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ تم نہیں جانتے کہ آمنہ نے ایک کمین عورت کی زبانی مجھ کو کیا کیا باتیں کہی ہیں۔ اس سے یہ باتیں معراج نے کہلائی ہیں۔ میں معراج کو اپنی شادی سے پہلے پہلے گاؤں سے نکلوا دوں گا یا خود اس کو غائب کر دوں گا''۔

''کیا نظام میں اتنی ہمت ہے کہ وہ کسی کو غائب کر دے؟''۔۔۔ میں نے پوچھا۔۔۔ ''اس کے بھائی یا کوئی قریبی رشتہ دار یا دوست ہیں جو اس کا ساتھ دیں؟''

''اس کا ایک ہی بھائی ہے''۔۔۔ معراج کے دوستوں میں سے ایک نے کہا۔۔۔ ''اس کے چچازاد بھائی بھی ہیں لیکن اتنی بڑی واردات میں وہ شاید نظام کا ساتھ نہ دیں۔ سب جانتے ہیں کہ نظام عقل کا کورا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنے بھائی اور چچازاد بھائیوں کو بتایا کہ معراج اس کی منگیتر کو اس کے خلاف بھڑکاتا ہے۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ ہم دیہاتی لوگ عزت کے نام پر بغیر سوچے سمجھے مرنے مارنے پر اتر آتے ہیں''۔

ان دونوں نے ان چند ایک باتوں کے علاوہ مجھ کو اور بھی بہت سی باتیں بتائی تھیں جن سے نظام پر میرا شک پکا ہو گیا۔ ان دونوں اشخاص کو میں نے کہا کہ وہ اپنے گاؤں چلے جائیں اور گاؤں میں ہی موجود رہیں۔

بالی کو میں نے ابھی تک تھانے میں روکا ہوا تھا۔ ان دونوں اشخاص کے جانے کے بعد میں نے بالی کو بلایا۔ اس سے پوچھا کہ تھانے میں اس کو روٹی ٹھیک ملی ہے۔ یا نہیں اور اس کو کوئی تکلیف تو نہیں۔ وہ میرے ساتھ بہت تعاون کر رہی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ معراج نظام کو اور نظام معراج کو کیا پیغام اس کی زبانی بھیجا کرتے تھے۔

اس نے دونوں کے پیغام پوری طرح مجھ کو سنائے اور یہ بھی بتایا کہ ان کے درمیان پیغاموں کا یہ سلسلہ کب شروع ہوا تھا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ آمنہ اپنی عمر کی لڑکیوں کے ساتھ نظام اور اس کے گھر والوں کے خلاف باتیں کرتی رہتی تھی۔ یہ باتیں نظام کے گھر تک پہنچتیں اور نظام کے کانوں میں پڑتی تھیں۔

''نظام تو غصے سے پاگل ہو جاتا ہو گا''۔۔۔ میں نے کہا۔

''اس کا چہرہ سرخ ہو جاتا تھا''۔۔۔ بالی نے کہا۔۔۔ ''صاحب جی! مجھ کو دونوں کی طرف سے پیسے تو مل جاتے تھے لیکن میں تنگ آ گئی تھی۔ مجھ کو نظر آ گیا تھا کہ ان دونوں کی آپس میں لڑائی ہو گی اور یہ ایک دوسرے کا خون بہا دیں گے۔ میں ڈرتی تھی کہ دونوں کے گھر والوں کو پتہ لگ گیا کہ میں ان کے پیغام ایک دوسرے کو پہنچاتی رہتی تھی تو میری خیر نہیں۔ سب مجھ کو ماریں پیٹیں گے کہ ان کو میں نے لڑایا ہے''۔

میرے واسطے معاملہ صاف ہوتا جا رہا تھا۔

دودھ کے واسطے

رات کا وقت تھا۔ میں گھر چلا گیا۔ میں نے صبح کا یہ پروگرام بنایا تھا کہ نظام کو دوسرے طریقے سے لپیٹ میں لوں گا اور اس دوران مزید شہادت اکٹھی کرتا رہوں گا۔

میں اگلے روز تھانے میں گیا۔ مجھ کو یاد ہے کہ میں اس صبح بہت جلدی تھانے چلا گیا تھا۔ ابھی میں تھانے کے عملے کو جن کو پولیس کی زبان میں ملازمین کہتے ہیں، دیکھ رہا تھا کہ ایک گاؤں سے ڈکیتی کی واردات کی اطلاع آئی۔ میرے پاس معراج کی گمشدگی کے علاوہ اور بہت کام تھا۔ میرے پاس اس وقت دو اے ایس آئی تھے۔ میں نے سینئر اے ایس آئی کو اس واردات کی تفتیش پر لگا دیا۔ وہ ضروری کاغذی کارروائی کر کے اسی وقت موقعۂ واردات کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہ دور کا ایک گاؤں تھا جو معراج کے گاؤں سے ڈیڑھ دو میل آگے تھا۔

اے ایس آئی کے جانے کے بعد میں نے نظام کو بلا کر اپنے دفتر میں بٹھایا۔ اس کی حالت بہت خراب ہو رہی تھی۔ میں ابھی سمجھ نہیں سکا تھا کہ اس کی یہ حالت اس واسطے خراب ہوئی ہے کہ اس کو دونوں سے تھانے میں روکا ہوا ہے یا اس واسطے کہ اس کا جرم پکڑا گیا ہے۔

''میں تم کو اب بھی موقع دیتا ہوں''۔۔۔ میں نے اس کو کہا۔۔۔ ''تم نے بالی کو تھانے میں دیکھا ہے۔ اس کے ذریعے تم آمنہ کو اور معراج کو دھمکیوں والے پیغام بھیجا کرتے تھے۔ تم نے اپنے گاؤں کے دو اور آدمی بھی تھانے میں دیکھے ہوں گے۔ تم کو معلوم ہے۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

یہ معراج کے دوست ہیں۔ یہ دونوں تمہارے پاس گئے تھے اور تم کو کہا تھا کہ معراج کے ساتھ دشمنی چھوڑ دو اور تم نے کہا تھا کہ تم اس کو غائب کر دو گے"۔

"یہ تو سب کہنے کی باتیں ہیں حضور!" ـــــ نظام نے اس طرح کہا جیسے ابھی رو پڑے گا ـــــ "وہ مجھ کو پیغام بھیجتے تھے۔ میں اتنا بے غیرت تو نہیں کہ ان کی جواب نہ دیتا۔ میں مانتا ہوں کہ میں نے معراج کو دھمکیاں بھیجی تھیں لیکن میں اس کو غائب کس طرح کر سکتا ہوں۔ میرے اندر اتنی ہمت نہیں"۔

"نظام!" ـــــ میں نے کہا ـــــ "انسان کے بچے بن جاؤ۔ اصل بات تمہاری زبان سے نکل جائے گی لیکن اس وقت تک تمہارا حلیہ بگڑ چکا ہو گا"۔

وہ مسلسل انکار کرتا رہا۔ میں نے اس کے سامنے تمام شہادت رکھی اور کچھ جھوٹ بھی بولے لیکن وہ پھر بھی اپنے انکار پر ڈٹا رہا۔ ایک بار اس نے اٹھ کر میرے پاؤں پکڑ لئے اور اس طرح رونے لگا جس طرح دودھ پینے والا بچہ دودھ کے واسطے روتا ہے۔

میں نے اس کو ایک بار پھر کہا کہ وہ اپنا انجام سوچ لے اور مجھ کو صحیح بات بتائے۔ میں نے یہ کہہ کر ایک کانسٹیبل کو بلایا اور نظام کو اس کے حوالے کر دیا۔ میں نے اس روز ضلع کے شہر میں سیشن کورٹ میں بھی جانا تھا۔ شہر پچیس چھبیس میل دور تھا۔ میں بس میں بیٹھا اور چلا گیا۔

میری واپسی شام پانچ بجے کے قریب ہوئی۔ میں تھانے گیا تو کچھ عجیب چیزیں مجھ کو دکھائی گئیں۔ ایک چیز تو یہ تھی کہ کسی آدمی کی دو جڑی ہوئی انگلیاں تھیں۔ ایک چھوٹی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی تھی اور ان کے پیچھے ہاتھ کا تھوڑا سا حصہ تھا۔ چھوٹی انگلی کے ساتھ والی انگلی میں چاندی یا اسٹیل کی انگوٹھی تھی۔ اس میں چھوٹا سا ایک نگ جو شاید کانچ کا تھا لگا ہوا تھا۔

دوسری چیز جو مجھ کو دکھائی گئی وہ چاندی کا ایک خول تھا جس کی شکل کلائی پر باندھنے والی چھوٹی گھڑی جیسی تھی۔ دور سے یہ گھڑی ہی لگتی تھی۔ اس کے ساتھ گھڑی کی طرح چمڑے کا اسٹریپ تھا۔

تیسری چیز جو میری میز پر رکھی ہوئی تھی ایک انسانی بازو کی ہڈی تھی جو کہنی کے نیچے کی تھی۔ اس پر تھوڑا سا گوشت بھی تھا اور گوشت پر ایسے بال تھے جیسے انسانوں کے بازوؤں

پر ہوتے ہیں۔ صاف نظر آتا تھا کہ یہ ہڈی کہنی کے قریب سے کاٹی گئی ہے۔ انگلیوں کا گوشت کچھ سوج کر نیلا ہو گیا تھا۔ میں نے بھنگی کو بلایا اور اس کو کہا کہ وہ انگلی کو خراب کئے بغیر انگلی سے انگوٹھی نکال دے۔

گھڑی کی شکل کا چاندی کا جو خول تھا میرے واسطے کوئی نئی چیز نہیں تھی۔ اس کے اندر ضرور تعویذ تھا۔ دیہات کے لوگ اپنے پیروں سے تعویذ لکھوا کر چاندی کے خول میں بند کرتے اور دھاگہ باندھ کر گلے میں ڈال لیتے یا بازو کے ساتھ باندھ لیتے ہیں۔ میں نے دو تین آدمی دیکھے تھے جنہوں نے گھڑی کی شکل کے خول بنوا کر گھڑی کی طرح اپنی کلائیوں پر باندھے ہوئے تھے۔

میں نے چاقو سے اس خول کو کھولا تو اندر سے تہہ کیا ہوا کاغذ کا ایک ٹکڑا نکلا۔ اس کی تہیں کھولیں تو اس پر کچھ ہندسے اور کچھ حرف لکھے ہوئے تھے۔ اس کی الٹی طرف بھی کچھ الفاظ لکھے ہوئے تھے جو مجھ سے پڑھے نہیں گئے۔ یہ شکستہ تحریر تھی۔ بہر حال یہ کسی پیر کا لکھا ہوا تعویذ تھا۔

خدائی اشارہ

یہ چیزیں اس اے ایس آئی نے تھانے بھیجی تھیں جو ڈکیتی کی تفتیش کے واسطے موقعہ واردات کے گاؤں گیا تھا۔ اے ایس آئی ابھی گاؤں میں ہی تھا۔ اس نے یہ چیزیں اس ہیڈ کانسٹیبل کے ہاتھ بھیجی تھیں جو اس کے ساتھ گیا تھا۔ میں اس سلسلے میں ایک بات کہنا چاہوں گا۔ اے ایس آئی چاہتا تو ان چیزوں کو وہیں کہیں زمین میں دبا دیتا اور ایک فالتو کام سے خود بھی بچ جاتا اور مجھ کو بھی بچا لیتا، لیکن وہ اصل معنوں میں پولیس آفیسر تھا۔ اس کو احساس ہو گیا کہ ایک انسان قتل ہوا ہے۔ لہٰذا قاتل کو پکڑنا پولیس کا فرض ہے۔

میرے اے ایس آئی کو یہ چیزیں اس طرح ملی تھیں کہ اس کو ڈکیتی کی واردات والے گھر کے صحن میں دو کھرے نظر آ گئے تھے۔ وہ ابھی اس گھر میں تفتیش کر رہا تھا کہ اس کو کسی راہگیر کے ذریعے اطلاع ملی کہ گاؤں سے اڑھائی تین فرلانگ دور ایک صندوق کھلا پڑا ہے۔ اے ایس آئی (جس کا میں دانستہ نام نہیں لکھ رہا) وہاں چلا گیا۔ ملزم یہ صندوق واردات والے گھر سے اٹھا کر وہاں لے گئے تھے اور وہاں اس کا قفل توڑ کر اس میں سے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

زیورات، کچھ نقد رقم اور قیمتی پارچات لے گئے تھے۔

اس جگہ نہ کھیت تھے نہ آبادی تھی۔ بنجر اور ویران علاقہ تھا اور یہ کٹا پھٹا اور نشیبوں والا علاقہ تھا۔ صندوق کے ساتھ زمین پر ملزموں کے کھرے تھے۔ یہی کھرے واردات والے گھر کے صحن میں دیکھے گئے تھے۔ کھوجی ان کھروں کو دیکھتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔ اے ایس آئی اس کے ساتھ تھا کچھ اور آگے گئے تو دو انگلیاں ملیں۔

اے ایس آئی یہ انگلیاں دیکھ کر رک گیا۔ انگلیوں سے تین چار گز دور گھڑی کی شکل کا تعویذ پڑا ہوا تھا اور اس سے کچھ فاصلے پر بازو کی ہڈی پڑی ہوئی ملی۔ اے ایس آئی نے کھوجی کو کہا کہ وہ اپنا کام جاری رکھے اور اے ایس آئی خود مزید انسانی ہڈیوں یا انسانی جسم کے ٹکڑوں کی تلاش میں مصروف ہو گیا۔ گاؤں کے جو تماشائی اکٹھے ہو گئے تھے ان کو بھی اے ایس آئی نے اسی تلاش میں لگا دیا۔

گھنٹے دو گھنٹے تک اور کوئی ہڈی اور ٹکڑا نہ ملا تو اے ایس آئی نے برآمد شدہ اشیا ہیڈ کانسٹیبل کے ہاتھ تھانے بھیج دیں تاکہ میں کوئی کارروائی کرنا چاہوں تو شروع کر دوں۔

میں نے یہ کارروائی کرنی تھی کہ ان چیزوں کی مدد سے معلوم کرنا تھا کہ وہ کون تھا جس کے جسم کا یہ حصہ تھیں۔ پتہ لگ جانے کے بعد دیکھنا تھا کہ یہ شخص کس طرح مرا تھا۔ اگر یہ لاپتہ ہوا تو کب ہوا تھا۔ تھانے میں ایک ایک سال پہلے کے دو گمشدہ اشخاص کی رپورٹیں موجود تھیں لیکن یہ انگلیاں اور بازو کی ہڈی اتنی پرانی نہیں ہو سکتی تھیں۔ ان پر تو گوشت موجود تھا۔ یہ پانچ چھ دن پہلے کی معلوم ہوتی تھیں۔

تازہ لاپتہ فرد معراج تھا۔ اس وقت تھانے میں ایک آدمی اور ایک عورت موجود تھے جو معراج کو جانتے تھے۔ ایک نظام تھا اور دوسری بالی تھی۔ بالی کو میں نے ابھی تک تھانے میں روکا ہوا تھا۔ وہ ملزم یا مشتبہ نہیں تھی۔ اس کی حیثیت انفارمر اور گواہ کی تھی میں نے اس کو اس وجہ سے تھانے میں رکھا ہوا تھا کہ وہ چھوٹی ذات کی کامی عورت تھی اور بڑی ذاتوں کے گھروں سے اس کو آٹے دانے اور پیسے کی صورت میں اس طرح اجرت ملتی تھی جس طرح بھیک دی جاتی ہے۔ اگر معراج کو لاپتہ کرنے والے ملزم ان بڑے خاندانوں کے تھے تو وہ بالی کو ڈرا دھکا کر میرے واسطے بیکار کر سکتے تھے۔ ان کو یہ پتہ تو لگ ہی گیا تھا کہ بالی تھانے میں ہے اور وہ ہر گھر کی مخبری کرے گی۔ میں نے اس عورت کو ان چوہدریوں سے بچا کر

تھانے میں پوری عزت سے رکھا ہوا تھا۔

میں نے اس کو بلا کر وہ رنگ نما انگوٹھی دکھائی جو کسی کے ہاتھ سے کٹی ہوئی انگلی سے بھنگی نے اتروائی تھی۔

''یہ دیکھو بالی!''۔۔۔ میں نے انگوٹھی اس کے ہاتھ میں دے کر پوچھا۔۔۔ ''یہ معراج کی تو نہیں؟''

اس نے انگوٹھی کو بہت غور سے دیکھا اور سوچ میں پڑ گئی۔ میں دیکھ رہا تھا کہ وہ یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''نہیں صاحب جی!''۔۔۔ اس نے انگوٹھی مجھ کو دیتے ہوئے کہا۔۔۔ ''مجھ کو یاد نہیں آ رہا۔ وجہ یہ ہے صاحب جی! میں معراج کے پاس زیادہ وقت تو نہیں بیٹھتی یا کھڑی رہتی تھی۔ وہ مجھ کو اشارہ کر کے کھیتوں کی طرف چلا جاتا اور میں اس کے پاس پہنچ جاتی تھی۔ وہ ایک منٹ میں مجھ کو بات بتاتا اور کبھی چار کبھی آٹھ آنے میری طرف پھینک کر کہتا۔۔۔ ''جاؤ، اسے یہ کہہ دینا''۔۔۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ اس کی کسی انگلی میں انگوٹھی ہے یا نہیں''۔

اس کا جواب تسلی بخش تھا۔ میں نے اس کو تعویذ دکھایا تو اس کو بھی وہ نہ پہچان سکی۔ مجھ کو معراج کا خیال اس واسطے آ گیا تھا کہ وہ لاپتہ تھا۔ یہ انگوٹھی تو میں اس کے گھر والوں کو دکھا کر پوچھ سکتا تھا۔

شام ہو گئی تھی۔ میں نے یہ چیزیں صبح ڈاکٹری معائنے اور پورٹ کے واسطے پندرہ سولہ میل دور بڑے شہر میں بھیجنی تھیں۔

رات کو اے ایس آئی واپس آ گیا۔ اس نے ملزموں کا سراغ لگا لیا تھا لیکن ملزم روپوش ہو گئے تھے۔ اے ایس آئی ایک اور چیز لے آیا۔ یہ ایک انسانی کھوپڑی تھی جس پر ذرا سا بھی گوشت نہیں تھا۔ آنکھیں بھی کھائی ہوئی تھیں۔ کھوپڑی تازہ لگتی تھی۔ اے ایس آئی کو یہ ایک جھاڑی میں پڑی ہوئی ملی تھی۔

اے ایس آئی بہت تھکا ہوا تھا۔ میں نے اس کو کہا کہ وہ آرام کرے۔ معراج کے گاؤں کے نمبردار کو میں نے تھانے میں پابند کیا ہوا تھا۔ وہ میرے پاس آ گیا اور منتیں کرنے لگا کہ میں اس کو چھوڑ دوں۔ اس کو میں نے ان تین آدمیوں کے ساتھ نتھی کیا ہوا تھا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جو معراج کے دشمن تھے۔ اس نے ایسی باتیں کیں کہ میں اس کو چھوڑنے پر راضی ہو گیا اور اس کو گاؤں جانے کی اجازت دے دی۔ بعد میں میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ یہ خدائی اشارہ تھا میں اس کو چھوڑ دوں۔ اس کو چھوڑنے سے میرا مسئلہ حل ہو گیا۔

تعویذ نے کرشمہ کر دکھایا

میں نے اگلی صبح تھانے جا کر کھوپڑی، انگلیاں اور بازو کی ہڈی کا پارسل بنا کر اپنے علاقہ ڈی ایس پی کو اس درخواست کے ساتھ بھیج دیا کہ ان چیزوں کا ڈاکٹری معائنہ کرایا جائے اور رپورٹ لی جائے۔

میرے ہاتھ میں ایک تعویذ اور اس کا خول رہ گیا تھا۔ اس علاقے میں ایک پیر تھا۔ میں نے سوچ سوچ کر یہ فیصلہ کیا کہ یہ تعویذ اس پیر کو دکھا کر اس سے معلوم کیا جائے کہ یہ اگر اس کا لکھا ہوا ہے تو کیا اس کو یاد ہے کہ اس نے یہ کس کو لکھ کر دیا تھا؟

میں نے دوسرے اے ایس آئی کو یہ تعویذ اور اس کا خول دے کر کہا کہ وہ اس پیر کے پاس جائے اور میرے سوال کا جواب لے آئے۔ پیر دس گیارہ میل دور ایک گاؤں میں رہتا تھا۔ اے ایس آئی اسی وقت روانہ ہو گیا۔

میں نے جو مشتبہان بٹھائے ہوئے تھے ان سے تفتیش، گالی گلوچ اور بدسلوکی جاری رکھی۔

اے ایس آئی چار بجے کے لگ بھاگ واپس آیا۔ اس نے بتایا کہ پیر نے یہ تعویذ معراج نام کے ایک شخص کو لکھ کر دیا تھا۔ تعویذ کی پشت پر جو حرف لکھے ہوئے تھے وہ معراج کے کوڈ حروف تھے۔ اے ایس آئی نے اس کو بتایا تھا کہ یہ تعویذ گھڑی کی شکل کے چاندی کے خول میں بند تھا۔

''یہ اسی کو میں نے دیا تھا''۔۔۔ پیر نے کہا۔۔۔ ''اب بات پکی ہو گئی ہے۔ یہ کوئی پرانی بات نہیں۔ شاید ایک مہینے سے کچھ دن اوپر ہوئے ہوں گے، یہ شخص میرے پاس آیا..... کہتا تھا کہ اس کی مراد یہ ہے کہ جس لڑکی کے ساتھ وہ شادی کرنا چاہتا ہے اسی کے ساتھ ہو۔ میں نے لڑکی کا نام پوچھا تھا جو مجھ کو یاد نہیں رہا۔ اس کا نام اس وجہ سے یاد رہ گیا ہے کہ یہ تعویذ کے دوسری طرف میرے اپنے طریقے سے لکھا ہوا ہے۔ اب آپ نے

چاندی کے خول کی شکل بتائی ہے تو مجھ یہ شخص یاد آ گیا ہے۔ اس نے یہ خول بنوایا تھا تو میرے پاس یہ معلوم کرنے کے واسطے آیا تھا کہ وہ اس میں تعویذ بند کر کے کلائی کے ساتھ باندھ سکتا ہے یا نہیں۔ یہ وہ اس واسطے معلوم کرنے آیا تھا کہ میں نے اس کو کہا تھا کہ تعویذ گلے میں باندھے۔ یہ خول دیکھ کر میں نے اس کو اجازت دے دی تھی کہ اس میں ڈال کر کلائی کے ساتھ باندھ لے''۔

کہانی سے ہٹ کر میں آپ کو اس پیر کی بات سنانا چاہتا ہوں۔ دنیا سائنس کے زور پر چاند ستاروں تک پہنچ گئی ہے مگر پاکستان میں ابھی تک لوگوں کے دلوں پر پیروں اور عامل شاہوں کی حکمرانی ہے۔ میرا یہ اے ایس آئی بہت ہی چالاک پولیس آفیسر تھا۔ پولیس میں جو آفیسر چالاک نہیں ہوتا وہ پولیس کے واسطے بیکار ہوتا ہے۔ اس اے ایس آئی کو معراج کی گمشدگی کے کیس اور اس کی تفتیش کا پوری طرح عمل تھا۔ اس نے اس پیر کا امتحان لینے کی غرض سے اس کے ساتھ باتیں شروع کر دیں۔ یہ بھی سن لیں کہ اس پیر کی گدی آج بھی موجود ہے اور پہلے سے زیادہ مشہور ہے۔ اس وقت جو پیر تھا وہ مر چکا ہے۔ اس کے مزار پر عرس ہوتا ہے۔ اب اس کا بیٹا پیری مریدی کا کاروبار کرتا ہے۔

''یاسرکار!''۔۔۔ اے ایس آئی نے پیر سے پوچھا۔۔۔ ''کیا اس شخص کی شادی اس لڑکی کے ساتھ ہو جائے گی؟''

''کیوں نہیں ہو گی؟''۔۔۔ پیر نے کہا۔۔۔ ''ہمارا تعویذ کبھی ناکام نہیں ہوا''۔

''یاسرکار!''۔۔۔ اے ایس آئی نے کہا۔۔۔ ''آپ نے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ یہ تعویذ پولیس کے پاس کس طرح پہنچا ہے اور میں اس کے بارے میں کیوں دریافت کرنے آیا ہوں''۔

''ضرورت ہی کیا ہے پوچھنے کی؟''۔۔۔ پیر نے کہا۔۔۔ ''اس شخص نے کوئی جرم کیا ہو گا۔ کرتا رہے جرم۔ اس نے ہماری درگاہ میں آ کر عرض کی تھی کہ اس کی یہ مراد پوری کر دیں..... ہاں..... یاد آ گیا۔ یہ تین چار دنوں بعد پھر ہمارے پاس آیا تھا۔ کہتا تھا کہ لڑکی کی منگنی کسی اور کے ساتھ ہو گئی ہے۔ ہم نے اس کو کہا تھا کہ لڑکی کی شادی کسی اور کے ساتھ نہیں ہو گی''۔

''لڑکی مر گئی ہے سرکار!''۔۔۔ اے ایس آئی نے کہا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

''ہم نے غلط تو نہیں کہا تھا''۔۔۔ پیر نے کہا۔۔۔ ''ہم نے کہا تھا کہ لڑکی کی شادی کسی اور کے ساتھ نہیں ہوگی۔ ہم اپنی طرف سے یہ کہنا نہیں چاہتے تھے کہ لڑکی شادی تک زندہ نہیں رہے گی''۔

''معراج لاپتہ ہے سرکار!''۔۔۔ اے ایس آئی نے پوچھا۔۔۔ ''کیا آپ بتا سکتے ہیں وہ کہاں ہے؟''

پیر ہنس پڑا اور بولا۔۔۔ ''کبھی مراقبے میں بیٹھیں گے تو یہ بھی معلوم ہو جائے گا''۔

''وہ ہمیں معلوم ہے''۔۔۔ اے ایس آئی نے کہا۔۔۔ ''وہ آپ کا تعویذ یہیں چھوڑ کر دنیا سے اٹھ گیا ہے۔ اللہ آپ کی گدی کو سلامت رکھے۔ آپ کے تعویذ کی اس کرامات کو میں مانتا ہوں کہ اس سے یہ سراغ مل گیا ہے کہ ہمیں جو کھوپڑی۔ ایک بازو کی ہڈی اور دو انگلیاں ملی ہیں یہ معراج کی ہیں''۔

اے ایس آئی وہاں سے آ گیا۔

میں نے اسی وقت ایک کانسٹیبل کو بلا کر کہا کہ سائیکل لے کر معراج کے گاؤں جائے اور اس کے باپ اور بڑے بھائی کو بلا لائے۔

کانسٹیبل کے جانے کے بعد میں نے ان تین آدمیوں کو جو معراج کے دشمن تھے۔ باری باری بلایا۔ تینوں کو ایک بار پھر کہا کہ اب بھی وقت ہے۔ وہ مان جائیں لیکن ان میں سے کوئی بھی نہ مانا۔ تینوں کی حالت یہ تھی کہ وہ روتے اور ہاتھ جوڑتے تھے۔ ان پر تشدد بھی کیا گیا تھا۔

پھر میں نے نظام کو بلایا اور اس کو بھی اقبال جرم کرنے پر زور دیا۔ وہ تو بات کم کرتا اور روتا زیادہ تھا۔ یہ تو ثابت ہو گیا تھا کہ معراج مارا جا چکا ہے لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کو قتل کیا گیا ہے یا اس نے خودکشی کی ہے۔ مجھ کو یہ سوچ بھی آئی تھی کہ اس نے خودکشی کی ہے تو کس طریقے سے کی ہے کہ اس کا سر الگ ملا ہے، بازو الگ ملا ہے اور انگلیاں الگ ملی ہیں۔

میرے دماغ میں ایک اور خیال آ گیا۔ میں نے قتل کے دو کیس سنے تھے۔ دونوں میں قاتلوں نے مقتول کو قتل کر کے اس کے جسم کو کئی ٹکڑوں میں کاٹا اور ٹکڑے ایک دوسرے سے دور دور زمین میں دبا دیئے تھے۔ یہ دونوں وارداتیں دو مختلف تھانوں کی تھیں۔ دونوں

کے ملزم پکڑے گئے تھے۔ دونوں سے اقبال جرم کروا لیا گیا تھا۔ ایک کو عمر قید اور دوسرے کو سزائے موت ملی تھی۔

ایسے قتل انتقامی طور پر کئے جاتے ہیں۔ مقتول کی لاش کے ٹکڑے غصے اور انتقام کا اظہار کرتے ہیں۔ لاش کے ٹکڑے کر کے دور دور دفن کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ لاش نہ ملے۔ قاتلوں کو خیال ہوتا ہے کہ کہیں سے مقتول کا ایک بازو ایک ٹانگ مل بھی گئی تو کیا پتہ چلتا ہے کہ یہ کس کے جسم کا حصہ ہے لیکن قاتل نہیں جانتے کہ انسان کا خون بضم نہیں ہو سکتا۔ زمین بھی گواہی دے کر قاتل کو پکڑوا دیا کرتی ہے۔

مجھ کو شک ہونے لگا کہ معراج کو بھی قتل کر کے اس کی لاش کے ٹکڑے مختلف جگہوں پر دبا دیئے گئے تھے۔ اس علاقے میں شیر، چیتے، بھیڑیئے وغیرہ تو تھے نہیں کہ انہوں نے لاش کو کھا کر یہ ٹکڑے چھوڑ دیتے ہوں۔ وہاں گیدڑ اور آوارہ کتے تھے۔ بلیاں تھیں۔ شاید بجو بھی تھے۔

یہ زندگی کے میلے!

معراج کا باپ اور بھائی آئے تو میں نے انگوٹھی اور تعویذ کا خول ان کے آگے شناخت کے واسطے رکھ دیا۔ میں نے تعویذ خول میں ڈال کر خول بند کر دیا تھا۔

''یہ انگوٹھی معراج کی ہے''۔۔۔ معراج کے بڑے بھائی نے کہا اور پوچھا۔۔۔ ''وہ کہاں ہے؟''

''یہ تو اسی کا تعویذ ہے''۔۔۔ معراج کے باپ نے تعویذ دیکھ کر کہا اور تعویذ یعنی خول اپنے بیٹے کے ہاتھ میں دے دیا۔

''میرا بھائی کہاں ہے؟''۔۔۔ بھائی نے گھبراہٹ کے لہجے میں پوچھا۔۔۔ ''جناب تھانیدار صاحب! اس کی یہ چیزیں کہاں سے ملی ہیں؟ وہ زندہ تو ہے؟''

''نہیں!''۔۔۔ میں نے آہستہ سے کہا۔۔۔ ''اللہ نے اس کی اسی طرح لکھی تھی''۔

آپ تصور کر سکتے ہیں کہ ایک جوان آدمی کی موت کی خبر سن کر اس کے باپ اور بھائی کا کیا حال ہوا ہوگا۔ تھانیداروں کو اپنا دل پتھر بنانا پڑتا ہے۔ ان دونوں نے رونا شروع کر دیا۔ باپ کی تو دھاڑیں نکل گئیں۔ تھانے کے بہت سارے آدمی دوڑے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

آئے اور دروازے میں کھڑے ہو گئے۔ میں نے ان کو اور معراج کے باپ اور بھائی کو بھی ڈانٹ دیا۔

''یہ تھانہ ہے'' ۔۔۔ میں نے ان کو ڈانٹ کر کہا ۔۔۔ ''یہاں ماتم نہ کرو۔ مجھ کو بتاؤ کہ تمہیں کس پر شک ہے۔ میں نے اب اس کے قتل کی یا خودکشی کی تفتیش کرنی ہے''۔

''حضور!'' ۔۔۔ باپ نے اپنے رونے پر قابو پا کر پوچھا ۔۔۔ ''اس کی لاش کہاں ہے؟''

''لاش نہیں ملی'' ۔۔۔ میں نے اس کو بتایا ۔۔۔ ''لاش کے دو تین ٹکڑے اور یہ دو چیزیں ملی ہیں...... ان باتوں کو چھوڑو۔ یہ بتاؤ کہ نظام کے ساتھ معراج کی دشمنی تھی؟''

''نہیں جناب!'' ۔۔۔ بھائی نے جواب دیا ۔۔۔ ''نظام کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں تھی۔ بات صرف یہ تھی کہ معراج جس لڑکی کے ساتھ شادی کرنا چاہتا تھا اس لڑکی کی منگنی نظام کے ساتھ ہو گئی۔ اس کا معراج کو بہت افسوس تھا''۔

ان دونوں نے مجھ کو وہی باتیں بتائیں جو وہ پہلے روز بتا چکے تھے۔ ان کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اس رات معراج کو کون بلانے آیا تھا۔ اس کے بعد معراج واپس نہیں آیا تھا۔

مجھ کو وہ وقت یاد ہے جب معراج کا باپ اور بھائی میرے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے آنسو بہہ رہے تھے۔ ان کی سسکیاں بھی نکل جاتی تھیں۔ میں ان سے کوئی بات پوچھتا تھا تو دونوں میرے منہ کی طرف دیکھتے اور سوچ سوچ کر فضول سا جواب دیتے تھے۔ میں جانتا تھا کہ ان کی ذہنی حالت بگڑی ہوئی ہے پھر مجھ کو ان پر غصہ آ گیا تھا۔ مجھ کو یہ شک بھی ہوا جیسے یہ دونوں کوئی بات چھپا رہے ہوں۔

''تمہارے دل میں جو کچھ ہے وہ اگل دو'' ۔۔۔ میں نے ان کو غصے سے کہا ۔۔۔ ''اگر تم کسی بات کو معمولی سمجھتے ہو تو وہ بھی بتا دو''۔

''ایک بات تو ہے جناب!'' ۔۔۔ بھائی نے کہا ۔۔۔ ''یہ بھی بتا دیتے ہیں۔ معراج پہلے ہی شادی شدہ تھا۔ پہلے روز ہم جناب کو معراج کی گمشدگی کی اطلاع دینے آئے تھے تو بتایا تھا کہ وہ شادی شدہ تھا لیکن اس کی بیوی سن سنتالیس میں مشرقی پنجاب میں شہید ہو گئی تھی۔ اصل بات یہ ہے جناب! ہم کو یقین نہیں تھا کہ وہ شہید ہو گئی تھی یا ابھی تک زندہ ہے''۔

''بات ذرا ٹھیک طرح کرو'' ۔۔۔ میں نے کہا ۔۔۔ ''میری سمجھ میں کچھ نہیں پڑ رہا۔ تم وں کو پاکستان میں آئے چار سال گزر گئے ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم کو ابھی تک پتہ ں ہے کہ وہ شہید ہو گئی تھی یا زندہ ہے؟''

''بات ذرا لمبی ہے حضور!'' ۔۔۔ معراج کے بھائی نے کہا ۔۔۔ ''اجازت دیں تو ض کروں''۔

''ایک ایک لفظ بیان کرو'' ۔۔۔ میں نے کہا ۔۔۔ ''چاہے سارا دن گذر جائے، رات ذر جائے''۔

''معراج کی اپنی بیوی کے ساتھ بنتی نہیں تھی'' ۔۔۔ بھائی نے کہا ۔۔۔ ''بیوی روٹھ کر پنے ماں باپ کے گھر چلی جایا کرتی تھی۔ ان کا یہ سلسلہ چلتا رہتا تھا۔ جس وقت اُدھر ندوؤں اور سکھوں نے مسلمانوں پر حملے شروع کیے تو ہم لوگ پہلے ہی وہاں سے نکل ئے۔ معراج کے سسرال دوسرے گاؤں میں تھے۔ معراج کی بیوی ان دنوں پھر روٹھ کر پنے ماں باپ کے پاس گئی ہوئی تھی۔ ہمیں ان کا کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہ بھی گاؤں سے نکلے ں یا نہیں۔ وہ تو جناب! قیامت والا معاملہ تھا۔ کسی کو کسی کا ہوش نہیں تھا......

''ہم میواتی ہیں سرکار! اسارا پنجاب ہم سے ڈرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہندوؤں نے ہت زیادہ تعداد میں آ کر ہمارے دیہات پر حملے کیے تھے۔ ہمارے خاندان کے کچھ آدمی ہید ہو گئے تھے لیکن ہمارا کنبہ خیریت سے لاہور پہنچ گیا۔ پہلے آ جانے کا یہ فائدہ بھی ہم کو ملا کہ یہاں چلے آئے اور گرماگرمی میں یہ زمینیں مل گئیں......

''دو سال ہوئے میں شہر کی منڈی میں گیا تو اپنی طرف کا ایک آدمی مل گیا۔ اس نے تایا کہ معراج کی بیوی اور اس کے دو بھائی پاکستان نہیں آ سکے تھے۔ وہ شہید ہو گئے تھے، یں نے گھر آ کر بتایا تو معراج نے کہا چلو یہ بھی اچھا ہوا۔ اس بیوی سے خلاصی ملی''۔

''بیوی ٹھیک نہیں تھی؟'' ۔۔۔ میں نے پوچھا ۔۔۔ ''یا معراج میں کوئی خرابی والی بات تھی''۔

''بیوی ٹھیک نہیں تھی'' ۔۔۔ معراج کے بھائی نے جواب دیا ۔۔۔ ''چال چلن کی صاف ستھری تھی لیکن اتھری تھی۔ اپنی کرتی تھی دوسرے کی نہیں مانتی تھی۔ اس کا دھیان پیچھے اپنے رشتہ داروں میں لگا رہتا تھا۔ شکل صورت کی بھی ایسی ہی تھی۔ اس سے معراج

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کا دل اٹھ گیا تھا''۔

''اب آگے چلو''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''تم نے کہا تھا کہ تم کو یقین نہیں تھا کہ وہ شہید ہوگئی ہے یا زندہ ہے..... کیا وہ زندہ ہے؟''

''جی حضور!''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''کوئی تین مہینے ہوئے معراج شہر گیا تو اس کو اس کی بیوی کے دو بھائی مل گئے ان کی آپس میں جو باتیں ہوئیں وہ تو بڑی لمبی ہیں۔ مختصر بات یہ ہے کہ ان بھائیوں نے معراج کو بتایا کہ وہ تینوں بھائی زندہ آ گئے تھے اور معراج کی بیوی بھی زندہ ہے۔ انہوں نے معراج کو وہ گاؤں بتایا جہاں وہ آباد ہو گئے تھے اور اس کو کہا کہ وہ آ کر اپنی بیوی کو لے جائے۔ معراج نے کہا کہ وہ آئے گا۔ انہوں نے معراج سے پوچھا کہ وہ کہاں آباد ہوا ہے تو معراج نے اس گاؤں کا نام بتانے کی بجائے کسی اور ہی گاؤں کا نام لیا اور ویسے ہی الٹا سیدھا راستہ بتا دیا''۔

''معراج کے بچے بھی ہوں گے!''

''نہیں جناب!''۔۔۔ اس نے جواب میں کہا۔۔۔ ''بچے نہیں تھے۔ معراج کی بیوی میں یہ بھی خرابی تھی کہ اولاد نہیں ہوتی تھی..... پھر اس طرح ہوا کہ معراج نے گھر آ کر ہم سب کو بتایا اور اپنا فیصلہ یہ دیا کہ وہ اپنی بیوی کو گھر نہیں لائے گا اور اگر اس کے بھائی پھر مل گئے تو ان کو کہہ دے گا کہ میں نے اس کو طلاق دے دی ہے''۔

رات کی بات

''پھر وہ ملے؟''

''پھر حضور!''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''وہ اس طرح ملے کہ ایک روز اچانک ہمارے گھر آ گئے۔ انہیں ہماری جان پہچان کا ایک آدمی مل گیا۔ اس نے ان کو ہمارے گاؤں کا نام اور راستہ بتایا تھا۔ انہوں نے کہا کہ معراج ان کی بہن کو اپنے گھر لے آئے۔ معراج نے صاف فیصلہ سنا دیا کہ میں تمہاری بہن کو تین طلاق دیتا ہوں۔ اس پر وہ تینوں بھائی بہت تڑپے۔ انہوں نے گالی گلوچ بھی کی۔ اس پر ہم کو بھی غصہ آ گیا۔ ہم نے ان کو کہا کہ تم ہمارے گھر میں بیٹھے ہوئے ہو اور ہمارے مہمان ہو۔ گالیاں نہ دو اور ہم سے عزت کراؤ۔ معراج طبیعت کا ذرا تیز تھا۔ اس نے گالی کے بدلے گالی دی اور ان کو کہا کہ یہاں سے

نکل جاؤ۔ وہ اٹھے اور چلے گئے''۔

''یہ معراج کی گمشدگی کے کتنے دن پہلے کا واقعہ ہے؟''۔۔۔ میں نے پوچھا۔

''پندرہ سولہ دن پہلے''۔۔۔ معراج کے بھائی نے جواب دیا۔۔۔ ''دراصل حضور! معراج کے دماغ پر یہ لڑکی سوار ہوگئی تھی جس نے خودکشی کر لی ہے''۔

''کیا یہ تینوں بھائی دھمکیاں دے کر گئے تھے؟''۔۔۔ میں نے پوچھا۔

''نہیں جناب عالی!''۔۔۔ بھائی نے جواب میں کہا۔۔۔ ''میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ وہ خاموشی سے اٹھے اور چلے گئے تھے''۔

''مجھ کو یاد ہے''۔۔۔ معراج کے باپ نے کہا۔۔۔ ''درمیانہ بھائی دروازے میں نکلتے رک گیا تھا اور اس نے پیچھے مڑ کر کہا تھا کہ پھر سوچ لے معراج! معراج نے اس کو کہا تھا، سوچ لیا ہے، سوچ لیا ہے، پھر کبھی اس گھر میں قدم نہ رکھنا''۔

میری نظر میں یہ تین اور مشتبہ تھے۔ انہوں نے کوئی دھمکی تو نہیں دی تھی لیکن ان میواتیوں کو میں جانتا تھا۔ یہ بڑ کیں مارنے اور دھمکیاں دینے والے لوگ نہیں تھے۔ انہوں نے جو کارروائی کرنی ہوتی وہ کر گذرتے تھے۔ تب لوگوں کو پتہ لگتا تھا کہ کچھ ہو گیا ہے۔ میرے دماغ میں سوال یہ آ گیا تھا کہ یہ تینوں بھائی جس گاؤں میں آباد ہوئے تھے وہ معراج کے گاؤں سے تقریباً ساٹھ میل دور تھا تو کیا وہ اتنی دور سے معراج کو قتل کرنے آئے تھے؟

مجھ کو اس سوال کا ٹھیک جواب نہیں مل رہا تھا۔ یہ سوچ بھی آئی تھی کہ ان لوگوں نے معراج سے انتقام لینا ہوتا تو گرما گرمی میں دو تین دنوں بعد لے لیتے، پندرہ دن انتظار نہ کرتے۔

میں معراج کے باپ اور بھائی سے مزید پوچھ گچھ کر رہا تھا کہ مجھ کو اطلاع دی گئی کہ معراج کے گاؤں کا نمبردار ایک آدمی کو ساتھ لایا ہے۔ میں نے معراج کے باپ اور بھائی کو باہر بیٹھنے کو کہا۔ ان سے تقریباً ساری معلومات لے لی تھیں۔ نمبردار کو اندر بلایا۔ اس نے السلام علیکم تو ٹھیک مسلمانوں کی طرح کہی لیکن ہاتھ ہندوؤں کی طرح جوڑے۔ اس کو میں نے تھانے میں پابند رکھ کر اس کے ساتھ بہت بدسلوکی کی تھی۔ اب اس کا دماغ ٹھکانے پر آیا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ میں نے اس کو بٹھایا اور پوچھا کہ وہ کیوں آیا ہے۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

''حضورِ انور!''___ اس نے کہا___ ''آپ نے مجھ پر الزام لگایا تھا کہ میں نے معراج کے دشمنوں کے ساتھ مل کر سازش کی ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں۔ میں یہ ثابت کرنے آیا ہوں کہ میں حضور کا وفادار ہوں۔ آپ تو اپنے طریقے سے تفتیش کر رہے ہیں۔ میں اپنے طور پر گاؤں میں جاسوسی کرتا رہا ہوں''۔

''کچھ حاصل ہوا یا نہیں''___ میں نے اس کی تمہید سے تنگ آ کر کہا___ ''کیا جاسوسی کی ہے چوہدری! میرا دماغ تھکا ہوا ہے۔ جلدی بولو''۔

''میں نظام کے ایک نوکر کو ساتھ لایا ہوں''___ اس نے کہا___ ''اس خاندان کے کھیتوں میں ایک کچا کمرہ بنا ہوا ہے۔ ایسا کمرہ یا کوٹھری سی کئی لوگ اپنے کھیتوں میں بنا لیتے ہیں۔ اس میں بھوسہ وغیرہ رکھتے ہیں۔ اس کے باہر لکڑی کے پہیوں والی کھرلی رکھی ہوتی ہے۔ دن کے وقت بیلوں کو ان کھرلیوں میں بھوسہ چارہ وغیرہ کھلاتے ہیں''۔

''چوہدری!''___ میں نے اکتاہٹ کے لہجے میں کہا___ ''یہ تو میں جانتا ہوں''۔

''اس قسم کا کوٹھا نظام کے کھیتوں میں بھی ہے''___ نمبردار نے بتایا___ ''اس جگہ گھنے درخت بھی ہیں۔ نظام کے نوکر نے مجھ کو آج صبح بتایا ہے کہ اس کچے کمرے کے اندر ایسی بدبو ہے جو پہلے اس نے کبھی نہیں سونگھی''۔

''اس نوکر کو میرے پاس لے آؤ''___ میں نے کہا___ ''میں اسی کی زبانی سنوں گا''۔

نمبردار باہر گیا اور پینتیس سال یا اس سے ایک دو سال زیادہ عمر کے ایک آدمی کو میرے پاس لے آیا جو بری طرح میلے اور پرانے کپڑوں میں ملبوس تھا۔ آج بھی اس قسم کے آدمی صرف روٹی کپڑے پر نوکری کے واسطے مل جاتے ہیں۔ رات کو مالکوں کی ڈیوڑھی میں یا مویشیوں والے مکان میں سو جاتے ہیں۔

اس نے بتایا کہ نظام کے کھیتوں میں جو کمرہ بنا ہوا ہے، اس میں بہت بدبو ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ چار پانچ دن گزرے، آدھی رات کو وہ ایسے ہی ادھر چلا گیا۔ کمرے میں دو چار پائیاں رکھی ہوئی تھیں۔ وہ وہاں سونا چاہتا تھا۔ اس نے دور سے کمرے کے پاس ایسی ٹھک ٹھک کی آوازیں سنیں جیسے ٹوکے سے چارا کاٹا جاتا ہے یا قصائی بکرے کی ہڈیاں کاٹتا ہے۔

''میں حیران ہوا کہ اس وقت یہاں کون آیا ہے''___ نوکر نے مجھ کو سنایا___ ''اور یہ کیا کاٹا جا رہا ہے۔ میں نے ذرا قریب جا کر زور سے کہا، کون ہوا وئے! کیا کر رہے ہو؟ مجھ کو نظام کے بڑے بھائی کی آواز سنائی دی، اوئے تو کیا لینے آیا ہے یہاں؟ جا دفع ہو جا۔ ڈیوڑھی میں جا کر سو جا۔ باہر کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ دھیان رکھنا......

''میں واپس چلا گیا اور ڈیوڑھی میں سو گیا۔ صبح بہت سویرے بیلوں کو کھول کر کھیتوں میں لے گیا۔ بھینس بھی ساتھ تھی۔ دن کو مویشی اس کمرے کے پاس کھرلی پر بندھے رہتے ہیں۔ صبح کی روشنی صاف ہوئی تو میں نے بے شمار چیونٹیاں اور مکوڑے دیکھے۔ مجھ کو ایسا شک ہوا جیسے یہاں گوشت کاٹا گیا ہو۔ مجھ کو رات کی بات یاد آئی۔ نظام کے بڑے بھائی نے مجھ کو دور سے واپس بھیج دیا تھا۔ میں نے زیادہ خیال نہ کیا کہ یہ کیا ہے......

''پھر کمرے کے اندر بدبو اٹھنے لگی۔ کمرے میں بھوسہ پڑا ہوا ہے جو دو دیواروں کے ساتھ ڈھیر کیا ہوا ہے۔ میں نے ایک دیوار کے ساتھ جس طرف بھوسہ کم ہے، بھوسہ ہٹایا۔ بدبو وہیں سے آتی تھی۔ وہاں میں نے کھڈہ دیکھا۔ وہاں بھی چیونٹیاں اور کیڑے مکوڑے دیکھے''۔

یہ غریب اور سادہ لوح دیہاتی اتنا ہی بیان کر سکا۔ یہ نمبردار کی سراغرسانی کا نتیجہ تھا۔ یہ اتفاق کی بات تھی کہ اس کو اس نوکر سے یہ بات معلوم ہو گئی تھی۔ نمبردار پر میں نے جو الزام لگایا اور جس پر اس کو تھانے میں بٹھا لیا تھا، اس کی نمبرداری کے واسطے خطرناک تھا۔ وہ مجھ کو خوش کرنے کی غرض سے سراغرسانی کرتا رہا تھا۔

میں نے نوکر کو باہر بھیج دیا اور نمبردار سے پوچھا کہ اس کو کیا شک ہے۔ اس کو ابھی معلوم نہیں ہوا تھا کہ معراج کے جسم کے کچھ حصے ملے ہیں۔

''حضورِ انور!''___ نمبردار نے کہا___ ''مجھ کو کوئی خاص شک نہیں لیکن معاملہ شک والا ہے۔ اس نوکر نے مجھ کو بدبو کی بات سنائی تو میں وہاں گیا۔ وہاں نظام کا ایک بھائی موجود تھا۔ وہ نہ ہوتا تو میں کمرے کے اندر جا کر دیکھتا''۔

موم کر لیا

میں دوسرے دن سورج نکلنے سے پہلے وہاں پہنچ گیا۔ وہاں جا کر میں نے نظام کے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بھائیوں کو بلایا۔ وہ دو تھے۔ نمبردار کو بھی بلایا۔ ان کے آنے تک میں کمرے میں نہیں گیا۔ وہاں بہت بری بدبو تھی۔ نمبردار پہلے آ گیا۔

''حضورِ انور!'' ــــ نمبردار نے میرے کان میں کہا ــــ ''اس غریب نوکر کا خیال رکھنا۔ یہ دونوں بھائی اس کو اڑا دیں گے''۔

''فکر نہ کر چوہدری!'' ــــ میں نے اس کو تسلی دی ــــ ''میں اس کو کسی اور گاؤں میں نوکری دلا دوں گا''۔

نظام کے دونوں بھائی آ گئے۔ میں ان کو کمرے کے اندر لے گیا۔ نمبردار کو اور گاؤں کے ایک اور معزز آدمی کو بھی میں نے ساتھ لے لیا تھا۔ ایک دیوار کے ساتھ بھوسہ ذرا کم تھا۔ میں نے وہاں پاؤں رکھا اور نظام کے بھائیوں کو کہا کہ یہاں سے بھوسہ ہٹا کر فرش ننگا کریں۔

انہوں نے میری طرف دیکھا۔ مجھ کو ان کے چہروں پر جو تبدیلی نظر آئی وہ ہر کسی کو نظر آ سکتی تھی۔ وہ بت بن کر کھڑے رہے۔

''سنا نہیں ہے نے کیا کہا ہے؟'' ــــ میں نے کہا۔

''یہاں تو کچھ نہیں جناب!'' ــــ ایک بھائی نے کہا۔ اس کی زبان کانپ رہی تھی۔

''پھر کہاں کچھ ہے؟'' ــــ میں نے پوچھا۔

دونوں بھائی تو جیسے کھڑے کھڑے مر گئے تھے۔ ان کی اس حالت سے مجھ کو جو شک ہوا وہ پکا تھا۔ میں نے نمبردار کی طرف دیکھا۔

''تھانیدار صاحب نے تم کو جو حکم دیا ہے وہ مانو'' ــــ نمبردار نے ان کو کہا۔

دونوں بھائی اس طرح آگے بڑھے جیسے ان کو معلوم تھا کہ وہاں بھوسے کے نیچے سانپ ہے جو ان کو ڈس لے گا۔ ان کا یہ انداز مجھ کو بتا رہا تھا کہ میرا معمہ حل ہو گیا ہے۔ وہ جگہ جہاں سے بھوسہ ہٹانا تھا، صرف چار ساڑھے چار قدم آگے تھی مگر ان دو جوان آدمیوں کے واسطے یہ فاصلہ ایک سو قدم ہو گیا۔

آخر وہاں سے بھوسہ ہٹا اور ہم سب کو اس جگہ ایک گڑھا نظر آیا جو دو فٹ سے زیادہ گہرا تھا اور اس کی لمبائی تقریباً چار فٹ تھی۔ وہاں چیونٹیاں اور کیڑے مکوڑے بے شمار تھے اور بدبو ناقابلِ برداشت تھی۔ میں نے نمبردار اور گاؤں کے معزز آدمی کو گڑھا دکھایا۔

''یہاں کیا تھا؟'' ــــ میں نے نظام کے بھائیوں سے پوچھا۔

دونوں کے چہروں کے رنگ لاشوں جیسے ہو گئے اور ان کے جسم آہستہ آہستہ کانپ رہے تھے۔

''بتا دو'' ــــ نمبردار نے ان سے پوچھا ــــ ''اس گڑھے میں کیا تھا؟''

دونوں نے نمبردار کی طرف دیکھا۔ میں ان کے چہروں کو دیکھ رہا تھا۔ چھوٹا بھائی جس کی عمر سولہ سال ہو گی، زیادہ بری حالت میں تھا۔ اس کے ہونٹ کانپنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی ٹانگیں دوہری ہوئیں، گھٹنے زمین پر لگے اور وہ ایک پہلو پر لڑھک کر بے ہوش ہو گیا۔

پانی منگوا کر اس کے منہ پر چھینٹے مارے اور منہ کھول کر پانی ٹپکایا پھر اس کو باہر چارپائی پر ڈالا۔ وہ جلدی ہوش میں آ گیا۔ میں جانتا تھا کہ اس پر سب سے زیادہ میرا خوف سوار ہو گیا ہے۔ اس واسطے میں نے اس کو اٹھا کر دوستوں کی طرح اپنے ساتھ لگا لیا۔

''مت گھبراؤ یار!'' ــــ میں نے کہا ــــ ''تم جیسے جوان تو دوسروں کو ڈرا دیا کرتے ہیں۔ مجھ کو بتاؤ یہ کیا معاملہ ہے۔ میں تو صرف پوچھ رہا ہوں۔ میں نے تم کو ہتھکڑیاں تو نہیں لگا لیں...... واہ جی واہ...... تم تو میرے چھوٹے بھائی ہو۔ مجھ سے نہ ڈرو''۔

میں نے اس کے بڑے بھائی کو اور تماشائیوں کو وہاں سے دور ہٹا دیا تھا۔ ایک کانسٹیبل کو جو میرے ساتھ گیا تھا، کہا تھا کہ وہ بڑے بھائی کے ساتھ رہے۔ میں چھوٹے بھائی کو جس کا نام قیوم بتایا گیا تھا، لاڈ شفقت اور چرب زبانی سے ہموار کرتا رہا۔ نمبردار اور گاؤں کے معزز آدمی نے بھی میرا بہت اچھا ساتھ دیا۔ مثال کے طور پر بتاتا ہوں۔

''تھانیدار صاحب جی!'' ــــ نمبردار نے مجھ کو کہا ــــ ''یہ میرا بچہ ہے۔ یہ صحیح بات بتا دے تو اس کو کوئی ہرج مرض تو نہیں ہو گا؟''

''توبہ کر چوہدری!'' ــــ میں نے کہا ــــ ''کوئی ایسی ویسی بات ہوئی تو میں سارا معاملہ یہیں گول کر دوں گا۔ دیکھو تو سہی، اس بے چارے کی کیا حالت ہو گئی ہے''۔

اس وقت اس لڑکے کو ہمدردی اور شفقت کی ضرورت تھی جو میں نے پوری کر دی۔ نمبردار اور دوسرے آدمی نے بھی اس کو پیار اور شفقت سے موم کر لیا اور اس نے خود ہی زبان کھول دی۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

''اس گڑھے میں معراج کی لاش تھی''۔۔۔ اس نے اس طرح کہا جیسے یہ الفاظ اس کے منہ سے بے اختیار پھسل گئے ہوں۔

''لو!''۔۔۔ میں نے بے پراوہی سے کہا۔۔۔ ''یہ بھی کوئی بات ہے؟..... اب تو لاش یہاں نہیں ہے نا؟''

''نہیں جی!''۔۔۔ اس نے کہا۔

''بس جی! بات ختم ہوئی''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''لاش ہی یہاں نہیں ہے تو میں اس کو یا اس کے بھائی کو کیوں پکڑوں گا؟''۔۔۔ میں نے اس کے کان میں کہا۔۔۔ ''کسی اور کے ساتھ اس کا ذکر نہ کرنا۔ اب مجھ کو ساری بات بتا دو۔ یہ بھی بتا دو کہ یہاں سے لاش نکال کر تم نے کہاں پھینکی ہے۔ یہ مجھ کو معلوم ہے کہ تم دونوں بھائیوں نے ایک رات لاش کے ٹکڑے کئے تھے''۔

وہ حیرت کا مارا ہوا میرے منہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کو معلوم نہیں تھا کہ اس کے جاہل سے نوکر نے مجھ کو اس گڑھے کی بات بتائی ہے۔ میں اپنی خوش قسمتی پر حیران ہو رہا تھا کہ مجھ کو یہ لڑکا جس کا نام قیوم تھا، مل گیا۔ مجھ کو معلوم تھا کہ اس کی یہ حالت کیوں ہوئی تھی۔ ایک انسان کو قتل کرنا تو آسان ہوتا ہے لیکن خون ہضم کرنا بہت ہی مشکل بلکہ ناممکن ہوتا ہے۔ انہوں نے تو لاش کے ٹکڑے کئے تھے۔

میں نے اس لڑکے کو کہا کہ وہ سارا واقعہ بیان کر دے۔ نمبردار اور گاؤں کے دوسرے آدمی کو میں نے اپنے ساتھ ہی رکھا۔

''ایک روز میں اس کمرے میں آیا تو ایک جگہ کچھ شک ہوا''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''ہمارا نوکر اس دن بیمار تھا۔ میں نے وہاں سے بھوسہ ہٹایا تو کھودی ہوئی مٹی نظر آئی۔ چیونٹیاں اور کیڑے بہت تھے۔ کدال سے مٹی ہٹائی تو ایک ہاتھ سامنے آیا۔ میں ڈر گیا۔ جلدی جلدی مٹی ڈالی، اوپر بھوسہ بکھیرا اور میں اپنے بھائی کے پاس گیا۔ اس کو بتایا''۔

''جب یہاں کوئی نہیں ہوتا تو کمرے کو تالا لگا ہوا ہوتا ہے؟''۔۔۔ میں نے پوچھا۔

''نہیں جی!''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ ''دروازہ بند ہوتا ہے۔ تالا لگانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس کے اندر ہوتا ہی کیا ہے۔ ہل، کدال، بھوسہ، دو چار پائیاں..... بھائی نے میری بات سنی تو دوڑا آیا۔ اس نے بھی بھوسہ ہٹا کر دیکھا اور لاش کا منہ ننگا کیا تو پتہ لگا

کہ یہ تو معراج کی لاش ہے۔ ہم نے پھر مٹی ڈال کر اوپر بھوسے کا ڈھیر لگا دیا۔ میرا بھائی بہت دلیر آدمی ہے۔ اس نے کہا کہ نظام پہلے ہی تھانے میں بٹھایا ہوا ہے۔ اگر ہم نے تھانے میں اطلاع دی کہ جس معراج کو تم لوگ ڈھونڈ رہے ہو اس کی لاش ہمارے بھوسے والے کوٹھے میں دبی ہوئی ہے تو پولیس ہمارے اوپر اس کے قتل کا الزام دھر دے گی۔ اس کا علاج یہ ہے کہ لاش کو غائب کرو''۔

''کیا تم کو معلوم تھا کہ نظام اور معراج کی آپس میں دشمنی تھی؟''۔۔۔ میں نے پوچھا۔

''تھوڑا تھوڑا پتہ تھا''۔۔۔ قیوم نے جواب میں کہا۔۔۔ ''اس لڑکی آمنہ کے رشتے کی وجہ سے ان دونوں میں ناراضگی پیدا ہو گئی تھی۔ اس کو دشمنی نہ کہیں''۔

تعویذ، انگلیاں اور انگوٹھی

اس سے آگے قیوم نے اپنے بیان میں یہ کہا کہ دونوں بھائیوں نے یہ پروگرام بنایا کہ رات کو لاش باہر نکالیں گے اور اس کے ٹکڑے کر کے بوری میں بند کریں گے اور کہیں دور پھینک آئیں گے۔ رات کو انہوں نے یہی کام کیا۔ قیوم نے مجھ کو بتایا کہ لاش پہلے ہی کمر سے دو ٹکڑوں میں کٹی ہوئی تھی۔ گڑھے میں اس کے پیٹ کی غلاظت تھی۔

انہوں نے لاش کی ٹانگیں، بازو، سر کاٹ کر یہ اعضاء بوری میں بند کئے اور چل پڑے۔ ایک ویران علاقے میں ٹیلے اور کھڈ وغیرہ تھے۔ ان کو ایک ٹیلہ درمیان سے اوپر نیچے کٹا ہوا نظر آیا۔ انہوں نے بوری اس شگاف میں پھینک دی۔ دور دور تک کوئی راستہ نہیں گذرتا تھا۔

قیوم نے بتایا کہ اس رات سے وہ خواب میں ڈر جاتا ہے اور دن کو بھوسے والے کوٹھے میں جانے سے ڈرتا ہے۔

مجھ کو لڑکے کے اس بیان پر اعتبار نہ آیا۔ ان بھائیوں نے یا بڑے دو بھائیوں نے یعنی نظام اور بڑے بھائی نے معراج کو قتل کیا اور اس کے کچے کوٹھے میں لاش دبا دی۔ چھوٹے بھائی کو معلوم نہیں ہوگا۔ اس کی بے ہوشی کی وجہ یہی ہو سکتی تھی۔

میں نے قیوم کے بڑے بھائی کو الگ بٹھا کر اس لاش کی بابت پوچھا تو اس نے بھی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

قیوم والا بیان دیا۔ میں دونوں کو اس جگہ لے گیا جہاں انہوں نے بوری میں بند لاش پھینکی تھی۔ شگاف ایسا تھا کہ اندر جانا مشکل تھا، لیکن میں نے تو ضرور اندر جانا تھا۔ میں اندر گیا۔ جگہ تنگ نہیں تھی۔ وہاں پھٹی ہوئی بوری، مقتول کے پھٹے ہوئے کپڑے بکھرے ہوئے تھے۔ ہڈیاں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ لاش کو کھانے والے گیدڑ، کتے، بجو وغیرہ میں سے کوئی لاش کی کھوپڑی، ایک بازو جمع ہاتھ وہاں سے باہر لے آئے ہوں گے جو میرے اے ایس آئی کے ہاتھ لگ گئے۔ دن کو گدھوں نے بھی لاش کو کھایا ہوگا۔

میں نے نمبردار کو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ گاؤں کے کچھ آدمی اپنے ساتھ لے آئے۔ یہ آدمی ساتھ تھے۔ انہوں نے میرے کہنے پر لاش کی تمام ہڈیاں، کپڑوں اور بوری کے ٹکڑے اکٹھے کئے اور ایک چادر پر الگ الگ رکھ دیئے۔ میں نے ان کی برآمدگی تحریر کی جس میں لکھا کہ نظام کے دونوں بھائیوں کی نشاندہی پر یہ ہڈیاں اور دیگر اشیاء برآمد کی گئی ہیں۔ اس تحریر پر میں نے گواہوں کے دستخط کروائے۔ دونوں بھائی تھوڑا تھوڑا پڑھے ہوئے تھے۔ ان کے بھی دستخط لئے اور میں تھانے کو روانہ ہوگیا۔

اس سے آگے کی تفتیش کی اگر پوری کہانی سناؤں تو بہت لمبی ہو جائے گی۔ میں اس کے ضروری حصے ذرا مختصر کر کے سناؤں گا۔ تھانے میں جا کر میں نے نظام کو اس کے بھائیوں کے ساتھ کھڑا کر کے بتایا کہ معراج کی لاش اس کے بھائیوں کی نشاندہی پر مل گئی ہے۔ نظام نے بڑی سخت حیرت کا اظہار کیا۔

''نظام!''۔۔۔ میں نے اس کو کہا۔۔۔ ''اب تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ اقبال جرم کر لو۔ اب اور مہلت نہیں دوں گا۔ تم نے معراج کو قتل کیا ہے اور تم تینوں نے لاش بھوسے والے کمرے میں دبا دی۔ تم کو مشتبہ بنایا گیا تو تمہارے بھائیوں نے وہاں سے لاش غائب کر دی''۔

وہ رو رو کر انکار کر رہا تھا۔ میں نے تینوں بھائیوں کو اے ایس آئی اور دو ہیڈ کانسٹیبلوں کے حوالے کر دیا۔ وہ ایک ایک ملزم کو الگ الگ لے گئے۔ کچھ ہی دیر بعد ان کی چیخیں سنائی دینے لگیں۔ ساری رات ان کو ایذا رسانی کے عمل میں رکھا گیا۔

میں اگلی صبح تھانے گیا اور ان کو دیکھا۔ تینوں بہت بری حالت میں تھے۔ میرے اشارے پر ان پر اور زیادہ تشدد کیا جانے گا۔ مجھ کو خیال آیا کہ ان کا سب سے چھوٹا بھائی

لاش سے ڈرتا ہے۔ میں رات کو اس کو ایک کمرے میں لے گیا اور لاش کی کھوپڑی، دو انگلیاں اور سینے کا پنجر اس کے آگے رکھ دیا۔ وہ چیخیں مارنے لگا۔ کمرے میں اِدھر اُدھر دوڑنے لگا۔ میں نے کمرے کی بتی بجھا دی اور باہر آ کر دروازہ بند کر دیا۔

ایک گھنٹے تک اس کی چیخیں اور دروازے پر دونوں ہاتھ مارنے کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ آوازیں خاموش ہوئیں تو میں نے جا کر دروازہ کھولا۔ بتی جلائی۔ قیوم فرش پر پڑا تھا۔ مجھ کو فکر ہوا کہ خوف سے مر نہ گیا ہو۔ نبض دیکھی۔ وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ اس کے منہ پر اور منہ کے اندر پانی ڈالا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ میں نے کھوپڑی اس کے قریب رکھ دی۔ وہ گیند کی طرح اچھلا اور دیوار کے ساتھ جا کھڑا ہوا۔

''کہہ دو معراج کو تم تینوں نے قتل کیا ہے''۔۔۔ میں نے کہا۔

اس نے دھاڑیں مار مار کر قسمیں کھائیں کہ وہ جو بیان دے چکا ہے وہی سچ ہے۔

اس کے دوسرے بھائیوں کو اس حد تک ایذائیں دی گئی تھیں کہ بڑے تجربہ کار اور پتھر جیسے مضبوط ڈاکو بھی بول پڑتے تھے لیکن یہ نہیں مانتے تھے۔ مجھ کو شک ہونے لگا۔ ایک بات میرے دماغ میں آئی۔ اگر قاتل یہی تھے تو لاش اس کمرے میں گہری دفن کرتے یا بوری میں ڈال کر وہیں پھینک آتے جہاں اب انہوں نے پھینکی تھی۔

میرا دھیان ان تین بھائیوں کی طرف گیا جن کی بہن کو معراج نے طلاق دی تھی۔ نمبردار تھانے ہر روز آتا تھا۔ میں جب ان بھائیوں سے تھک ہار گیا تو اسی روز نمبردار آیا۔ اس کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر عورت تھی۔ یہ نمبردار کی جاسوسی اور سراغرسانی تھی۔ اس سلسلے میں اس عورت نے اس کو بتایا کہ اس نے معراج کو گاؤں کے ایک مہاجر کے ساتھ اس شام کو کھیتوں کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ یہ عورت ان لوگوں میں سے تھی جن کو کچھ دلچسپی نہیں ہوتی کہ ارد گرد کیا ہو رہا ہے۔ جب یہ بات مشہور ہوئی کہ معراج مارا گیا ہے تو اس عورت کو یاد آیا کہ وہ ایک رات باہر کھڑی تھی تو معراج اور مہاجر اس کے قریب سے باتیں کرتے گزرے تھے۔

میں نے اسی وقت اس مہاجر کو تھانے بلایا۔ پتہ لگا کہ یہ بھی میواتی ہے۔ اس سے پوچھا کہ فلاں رات وہ معراج کے ساتھ کہاں جا رہا تھا۔ اس نے لاعلمی ظاہر کی۔ میں اس کے رویے سے تنگ آیا ہوا تھا۔ اس کو اپنے دفتر میں ہی پیٹھ کے بل گرا کر چھڑی کا سرا اس کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

حلق میں دے کر دبایا پھر تھوڑی سی اور ایذا دی تو وہ مان گیا۔ اس نے بتایا کہ وہ تین بھائی آئے ہوئے تھے جن کی بہن کو معراج نے طلاق دی تھی۔ ان بھائیوں نے اس کو پیغام بھیجا تھا کہ فلاں رات کو معراج کو کسی طرح کھیتوں میں لے آؤ، وہ معراج کو لے گیا۔

وہ تینوں بھائی ساٹھ میل دور سے آئے تھے۔ اس شخص نے معراج کو باتوں باتوں میں وہاں تک پہنچا دیا جہاں تینوں بھائی کھڑے تھے۔ انہوں نے اس میواتی کو کہا کہ وہ گھر چلا جائے۔ وہ گھر چلا گیا اور دوسرے دن اس نے سنا کہ معراج لاپتہ ہو گیا ہے۔

میں نے ان تین بھائیوں اور ان کی طلاق یافتہ بہن کی بھی گرفتاری کا انتظام کر دیا۔ وہ ہتھکڑیوں میں آئے، تینوں نہیں مان رہے تھے۔ میں نے ان کی بہن کو لپیٹ میں لے لیا۔ میں یہ نہیں بتانا چاہتا کہ اس عورت سے میں نے کس طرح سچ اگلوایا۔ اس نے بتا دیا کہ اس کے بھائی معراج کے قتل کی غرض سے گھر سے روانہ ہوئے تھے۔

تینوں میں سے ایک بھائی ایذا رسانی برداشت نہ کر سکا اور اقبالی ہو گیا۔ انہوں نے معراج کو گلا دبا کر مارا تھا۔ نظام کا بھوسے کا کمرہ ساتھ ہی تھا۔ اندر گئے تو کدال مل گئی۔ ایک دیوار کے قریب سے بھوسہ ہٹا کر گڑھا کھودا اور لاش کو دوہرا کیا لیکن اس میں لاش نہیں آتی تھی۔ انہوں نے لمبے چاقو سے کمر سے ریڑھ کی ہڈی کاٹی۔ پیٹ کا ٹاٹ اور لاش کے دونوں ٹکڑے گڑھے میں آ گئے۔ اوپر مٹی ڈالی اور اس پر بھوسہ ڈھیر کر دیا۔ قاتل اطمینان سے واپس چلے گئے۔

مجھ کو ڈر تھا کہ کورٹ میں کیس ثابت نہیں ہو گا۔ شہادت کی کمی تھی لیکن اللہ نے مجھ کو کامیابی دی۔ تینوں بھائیوں کو عمر قید کی سزا ملی اور نظام کے بھائیوں کو شہادت چھپانے یا ضائع کرنے کے جرم میں ایک ایک سال سزائے قید ملی۔ اس شخص کو بری کر دیا گیا جو معراج کو قاتلوں تک لے گیا تھا۔ اس کے وکیل نے یہ نکتہ پکڑا تھا کہ اس شخص کو معلوم نہیں تھا کہ معراج کو قتل کی نیت سے بلایا جا رہا ہے نہ اس کے سامنے مقتول کو قتل کیا گیا۔

❁ ❁ ❁

سگی ماں سوتیلا باپ

یہ واردات اُس وقت کی ہے جب تحریکِ پاکستان فیصلہ کن دور میں داخل ہو گئی تھی۔ امید پیدا ہو گئی تھی کہ پاکستان بن کر ہی رہے گا۔ انگریز اس کوشش میں تھے کہ وہ ہندوستان کو آزادی نہ دیں اور اگر آزادی دینی ہی پڑی تو پاکستان نہ بن سکے۔ بہرحال ابھی انگریزوں کی حکومت تھی اور انگریزوں نے مسلمانوں پر بے جا سختیاں شروع کر دی تھیں۔ انگریزوں کا یہ رویہ اور موڈ دیکھ کر ہم جو مسلمان پولیس آفیسر تھے، ان کو اپنے فرائض میں بہت محتاط رہنا پڑتا تھا۔ ہندو افسر الگ ہم پر نظر رکھتے تھے کہ ان کو کسی مسلمان آفیسر کی ذرا سی بھی کوتاہی ملے تو اس کے خلاف محکمانہ کارروائی کر کے اس کو سروس سے چھٹی کرا دیں۔

میں اُس وقت ایک بڑے قصبے کے تھانے میں ایس ایچ او تھا۔ میں اس قصبے کا اور کسی مرد یا عورت کا صحیح نام نہیں لکھوں گا اس واسطے کہ یہ علاقہ پاکستان میں آ گیا تھا بلکہ میں یہ ضرور کہوں گا کہ یہ علاقہ پاکستان کا دل ہے۔ یہ میں بتا دیتا ہوں کہ یہ علاقہ پوٹھوہار ہے۔ تحصیل اور ضلع نہیں بتاؤں گا۔ یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ اس علاقے میں خاندانی دشمنیوں کی وجہ سے خون خرابے اور قتل بہت ہی عام ہوتے تھے۔ اب اس علاقے کا سارا کلچر بدل گیا ہے۔ یہ تبدیلی اس واسطے آئی ہے کہ اس علاقے کے لوگ اسلامی ملکوں میں اور زیادہ لوگ انگلینڈ نوکریاں اور کاروبار کرنے کے واسطے چلے گئے ہیں۔ اب وہ پہلے والی بات بالکل نہیں رہی۔ میں جس وقت کی واردات سنانے لگا ہوں، اس وقت تھانے دار اس علاقے کے تھانوں میں تعینات ہونے سے گھبراتے تھے۔ اُدھر سکھوں کے دوآبے کے علاقے کا کچھ ایسا ہی حال احوال تھا۔ وہاں بھی قتل و غارت اسی طرح ہوتی تھی۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں اب اس علاقے کے ایک قصبے کے تھانے کا انچارج سب انسپکٹر تھا۔ اردگرد دیہات کا چار چار پانچ پانچ میل کا علاقہ بھی اسی تھانے کے علاقے میں شامل تھا۔ اس قصبے میں رہنے والے مسلمان تعلیم یافتہ بھی تھے اور آسودہ حال بھی تھے لیکن ان میں بھی دیہاتی مسلمانوں والی باتیں پائی جاتی تھیں۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ قصبے کے سارے مسلمان پڑھے لکھے اور آسودہ حال تھے، میرا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی کچھ تعداد پڑھی لکھی اور مہذب تھی۔

ایک صبح مجھ کو گھر میں آ کر ایک کانسٹیبل نے اطلاع دی کہ ایک عورت اور ایک آدمی قتل کی رپورٹ لے کر آئے ہیں۔ عورت کہتی ہے کہ اس کا خاوند قتل ہو گیا ہے..... میں بہت ہی تیزی سے تیار ہوا اور دوڑتا ہوا تھانے پہنچا۔

عورت مقتول کی بیوی تھی اور آدمی مقتول کا بھائی تھا۔ عورت نے بتایا کہ اس کا خاوند روزمرہ کی طرح صبح منہ اندھیرے کھیتوں کی طرف رفع حاجت کے لیے گیا تھا۔ صبح کی روشنی صاف ہوئی تو ایک شخص نے گھر آ کر اس عورت کو بتایا کہ اس کے خاوند کی لاش باجرے کے فصل میں پڑی ہوئی ہے اور لاش خون سے لال ہے۔

بات آگے کرنے سے پہلے میں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ آج کل تو قصبوں میں بھی مکان بنتے ہیں تو لوگ اٹیچ باتھ روم بناتے ہیں یعنی کمرے کے ساتھ ہی غسل خانہ بناتے ہیں جس میں بیت الخلاء بھی ہوتا ہے۔ میں جس وقت کی واردات سنا رہا ہوں، اس وقت دیہات اور قصبوں کے لوگ صبح سویرے کھیتوں میں قدرتی حاجات کے واسطے جایا کرتے تھے۔ عورتیں بھی جو پردہ نہیں کرتی تھیں صبح کھیتوں میں ہی جایا کرتی تھیں۔ مقتول بھی اسی غرض سے کھیتوں میں گیا تھا اور فصل کے اندر اس کو کسی نے قتل کر دیا۔

وہ سری بات یہ سن لیں کہ اس علاقے میں خاندانی عداوت کے باعث قتل کی وارداتیں ہوتی تھیں لیکن تھانے داروں کو تفتیش اور سراغ رسانی نہیں کرنی پڑتی تھی۔ یہ اس واسطے کہ لوگ اپنے دشمنوں کو للکار کر لڑتے اور قتل کرتے تھے اور جن کو پھانسی کی سزا ملتی تھی وہ یا علی کے نعرے لگاتے پھانسی کے تختے تک جاتے تھے۔ کچھ وارداتیں قتل کی ایسی ہو جاتی تھیں جن کے قاتلوں میں سراغ مشکل سے ہی ملتا تھا۔ یہ واردات ایسی ہی وارداتوں میں سے تھی جس میں خاندانی عداوت کا سوال ہی نہیں تھا۔ اس کو ہم پولیس کی زبان میں اندھا

قتل کہا کرتے تھے۔

میں نے مقتول کی بیوی اور اس کے بھائی سے وہ ساری باتیں پوچھیں جو قتل کی واردات کے سلسلے میں پوچھی جاتی ہیں۔ ہماری تفتیشی کہانیاں پڑھنے والے لوگوں کو زبانی یاد ہو گیا ہو گا کہ قتل کی بابت پولیس کیا کیا پوچھتی ہے اس واسطے میں یہ ساری باتیں نہیں لکھ رہا۔ یہ نوٹ کر لیں کہ کوئی خاندانی عداوت نہیں تھی۔ خاندان میں جائیداد وغیرہ کا کوئی جھگڑا نہیں تھا۔ لہٰذا قتل کا باعث معلوم کرنا میرا کام تھا۔

مقتول کی عمر پچاس سال کے لگ بھگ بتائی گئی۔ مقتول کی بیوی کی عمر کا جو میں نے اندازہ لگایا وہ پینتیس سال تھا لیکن اس عورت نے مجھ کو یہ بتایا کہ اس کی عمر 45 سال کے لگ بھگ ہے تو مجھ کو حیرت ہوئی۔ وہ خوبصورت عورت تھی۔ اس کے چہرے پر اور ڈیل ڈول میں جوانی کی چمک دمک پوری طرح موجود تھی۔

میں نے ضروری کاغذات تحریر کروائے، مقتول کی بیوی کے نام سے ایف آئی آر لکھی اور ان کے ساتھ جائے واردات کو روانہ ہو گیا۔ میرے ساتھ ایک ہیڈ کانسٹیبل اور چار کانسٹیبل تھے۔

ایک بیوہ دو امیدوار

یہ لوگ قصبے کے ہی رہنے والے تھے۔ گھر دور نہیں تھا۔ ان کے محلے کے ساتھ ہی کھیت شروع ہو جاتے تھے جو بہت دور تک گئے ہوئے تھے۔ آگے علاقہ بنجر اور ویران تھا اور وہاں کھڈ اور نالے وغیرہ تھے۔ وہ ساون بھادوں کی برسات کے دن تھے۔

مجھ کو اس کھیت تک لے گئے جس کے اندر لاش پڑی ہوئی تھی۔ یہ باجرے کی فصل تھی جو اوسط درجہ قد کے آدمی سے چند انچ اونچی تھی۔ کھیت کے اردگرد بے شمار لوگ کھڑے تھے۔ اس علاقے کا نمبردار بھی وہاں موجود تھا جس نے عادت اور فطرت کے مطابق رکوع کی پوزیشن میں جا کر میرا استقبال کیا۔ پھر وہ مجھ کو فصل کے اندر لے گیا۔

لاش فصل کے اندر پیٹ کے بل پڑی ہوئی تھی یعنی اس کی پیٹھ اوپر تھی۔ دونوں ٹانگیں پھیلی ہوئی تھیں۔ ایک بازو لاش کے نیچے اور دوسرا کندھے کی لائن میں پھیلا ہوا تھا۔ عجیب چیز یہ دیکھی کہ ایک چاقو لاش کی پیٹھ میں اترا ہوا تھا۔ چاقو کا صرف دستہ باہر تھا، اس

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کا پورا بلیڈ مقتول کی پیٹھ کے اندر گیا ہوا تھا۔ اس سے مجھ کو یہ پکا خیال آیا کہ قاتل اناڑی اور کم عقل ہے۔ قاتلوں کی نفسیات صرف پولیس والے سمجھتے ہیں۔ چاقو مقتول کے جسم میں چھوڑ جانے سے صاف پتہ لگتا تھا کہ اس نے مقتول کو چاقو مارے اور اس کا خون دیکھ کر حوصلہ ٹوٹ گیا اور اس پر ایسا خوف سوار ہوا کہ اس نے آلہ قتل وہیں چھوڑا اور بھاگ گیا۔

یہ نوٹ کر لیں کہ یہ کوئی بڑا چاقو نہیں تھا یعنی وہ ویسا چاقو نہیں تھا جیسا غنڈے بدمعاش یا اکثر لوگ اپنی حفاظت کے لیے اپنے پاس رکھا کرتے تھے۔ یہ سات انچ سے ذرا ہی لمبا بڑا خوبصورت چاقو تھا جس کا دستہ ہاتھی دانت کا بنا ہوا تھا اور اوپر رنگین پھول کندہ کئے ہوئے تھے۔ یہ کسی شوقین مزاج آدمی کا چاقو تھا۔

چاقو کے دستے پر قاتل کی انگلیوں کے نشانات کی موجودگی ضروری تھی۔ ہر تھانے میں کسی بھی چیز سے انگلیوں کے نشانات اتارنے کا سامان موجود ہوتا تھا۔ واردات قتل کی ہو یا ڈکیتی کی، اس سامان کا بکس تفتیشی افسر کے ساتھ جاتا تھا۔ میں نے مقتول کی پیٹھ سے چاقو اس طرح نکالا کہ میری کوئی انگلی چاقو کے دستے پر نہ لگے۔ یہ احتیاط اس واسطے تھی کہ قاتل کی انگلیوں کے نشانات خراب نہ ہوں۔ جاہل سے کانسٹیبل بھی جانتے تھے کہ ایسی چیز کو کس طرح پکڑا جاتا ہے۔ میں نے چاقو ایک کانسٹیبل کے حوالے کیا اور کہا بکس اور چاقو تھانے لے جائے اور اس کے دستے سے انگلیوں کے نشانات خاص کاغذ پر منتقل کرائے۔

میں نے لاش کی قمیض پیٹھ سے ہٹا کر دیکھا، پیٹھ پر چاقو کے تین زخم تھے۔ ایک زخم اس جگہ پر تھا جہاں آگے دل ہوتا ہے۔ میں جان گیا کہ یہاں سے جو چاقو اترا ہے یہ دل تک پہنچ گیا ہے اور دل کٹ گیا ہے۔

جسم پر کہیں اور کوئی زخم نہیں تھا۔ لاش کی شلوار کھلی ہوئی تھی اور نیچے کو کی ہوئی تھی اور وہاں صاف پتہ لگتا تھا کہ مقتول رفع حاجت کے لیے بیٹھا تھا اور قاتل نے اس پر چاقو سے حملہ کیا۔ یہی وہ وقت تھا جب لوگ قدرتی حاجات کے واسطے کھیتوں جاتے تھے۔ میں نے لاش کے اردگرد زمین دیکھی کہ شاید قاتل کی کوئی نشانی مل جائے لیکن کچھ بھی نہ ملا۔ وہاں سے فصل ٹوٹی ہوئی اور لیٹی ہوئی تھی۔ کھرے تو مل ہی نہیں سکتے تھے۔ کھیت کے باہر مینڈھ پر یا کہیں اور قاتل کا کھرا ملنا ناممکن تھا اس واسطے کہ تماشائیوں کے ہجوم نے سب کھرے رگڑ ڈالے تھے۔

چارپائی آئی ہوئی تھی۔ لاش کو اٹھوا کر چارپائی پر ڈالا اور پوسٹ مارٹم کے واسطے بھجوا دیا۔ قصبے میں سرکاری ہسپتال تھا جس کا ڈاکٹر پوسٹ مارٹم کیا کرتا تھا۔

یہ تھانے سے دور کا کوئی گاؤں نہیں تھا کہ میں وہیں بیٹھ کر تفتیش کرتا، قصبے کی واردات تھی اور تھانہ قریب ہی تھا۔ میں لاش کی برآمدگی کے کاغذات تیار کر کے تھانے چلا گیا۔ مقتول کی بیوی اور اس کے بھائی کو ساتھ لے گیا۔ نمبردار بھی ساتھ تھا۔

اندر کی باتیں تو مجھ کو نمبردار نے بتانی تھیں۔ میں نے سوچا کہ پہلے مقتول کی بیوی سے پوچھ گچھ کر لوں۔ اس وقت بیوی کی جذباتی حالت بہت بری تھی۔ سسکیاں اور ہچکیاں لے لے کر روتی تھی اور بات ذرا مشکل سے ہی کرتی تھی۔ بعض تفتیشی افسر اس جذباتی کیفیت میں بیان نہیں لیا کرتے لیکن میرا تجربہ یہ ہے کہ اس حالت میں انسان کے اندر سے وہ باتیں بھی نکل آتی ہیں جو نارمل حالت میں وہ چھپا لیتا ہے۔

میں نے اس کو کہا کہ میں مان لیتا ہوں کہ ان کی کسی خاندان کے ساتھ دشمنی نہیں تھی لیکن مقتول کی کسی کے ساتھ ذاتی دشمنی ہو گی۔ اس عورت نے ایسا جواب دیا جس سے پتہ نہیں چلتا تھا کہ دشمنی تھی یا نہیں۔ میں نے اس کو کہا کہ اپنے دماغ پر زور دے کر سوچے، ہو سکتا ہے اس کے دماغ میں کوئی شک شبہ آ جائے..... اس نے کہا کہ شک والی بات موجود ہے۔ اس نے ایسی بات کہہ دی جس نے مجھ کو چونکا دیا۔ بات یہ کہی کہ اس کا پہلا خاوند فوت ہو گیا تھا اور اس نے مقتول کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ مقتول نے اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے دی تھی۔

طلاق سے مجھ کو شک ہونا چاہئے تھا کہ پہلی بیوی کے قریبی رشتہ داروں میں سے کسی نے اسی بات پر مقتول کو قتل کر دیا ہے لیکن یہ شک اس واسطے رفع ہو گیا کہ طلاق اور دوسری شادی چار سال پرانی باتیں ہو گئی تھیں۔ انتقامی قتل کرنے والے اتنا عرصہ انتظار نہیں کیا کرتے۔

میں نے اس عورت کو کہا کہ وہ دوسری شادی کی ساری بات سنائے۔ اس نے کہا کہ یہ بات تو وہ ضرور ہی سنانا چاہتی تھی خواہ میں اس کو نہ ہی کہتا پھر بھی اس بات کو میرے سامنے رکھنے کو وہ ضروری سمجھتی تھی۔

اس نے اس طرح بیان دیا کہ اس کا خاوند فوت ہو گیا تو اس کے ساتھ شادی کرنے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کے واسطے دو آدمی امیدوار تھے۔ اس کو مقتول بہتر اور اچھا آدمی لگا اس واسطے اس کے ساتھ شادی کر لی۔ دوسرا امیدوار بہت ناراض ہوا۔

اس دوسرے امیدوار پر اس عورت کو قتل کو شبہ تھا۔ میں نے اس عورت کو کہا کہ چار سال گزر گئے ہیں، اب اس شخص پر شبہ غلط اور بے کار ہے۔ اگر اس نے کوئی شدید انتقامی کارروائی کرنی ہوتی تو شادی کے فوراً بعد ہی کر دیتا۔

''اس نے ابھی تک میرا پیچھا نہیں چھوڑا''۔۔۔ مقتول کی بیوی نے کہا۔۔۔ ''ابھی تک میرے پیچھے پڑا ہوا ہے کہ شادی تو نہیں ہو سکی تھی، اب میں اس کے ساتھ درپردہ ناجائز دوستی لگا لوں''۔

میں ایک بات پہلے بتا چکا ہوں کہ اس عورت کی عمر پینتالیس سال سے زیادہ تھی لیکن میں بھی دھوکہ کھا گیا اور اس کو چونتیس پینتیس سال کی جوان عورت سمجھ بیٹھا تھا۔ وہ چہرے سے تو خوبصورت تھی ہی لیکن اس کے قدبت میں کوئی اور ہی حسن تھا کہ وہ چلتی تھی تو اصل عمر سے زیادہ پُرکشش اور حسین لگتی تھی۔ کوئی بھی شخص اس کے ساتھ شادی کی خواہش کر سکتا تھا..... اس عورت نے اس شخص کا جو نام لیا وہ میں نہیں لکھوں گا، اس کو چوہدری لکھوں گا۔ اس علاقے کے بڑے لوگ راجے کہلاتے ہیں لیکن بعض لوگ چوہدری کہلاتے ہیں۔ یہ شخص چوہدری کہلاتا تھا۔

مقتول کی بیوی نے بتایا کہ مالدار زمیندار ہے اور نہری علاقے میں بھی اس کے دو یا تین مربعے ہیں۔ وہ شہر کا متمول آدمی تھا۔ میں اس کو اتنا ہی جانتا تھا کہ کبھی کبھار تھانے میں مجھ کو سلام کرنے کے واسطے حاضری دیا کرتا تھا۔ ایک یا دو مرتبہ میں نے ذرا فرصت دیکھی تو اس کو بٹھا لیا تھا۔ اس نے اپنی سطح کے دو تین آدمیوں کے خلاف چغلیاں کر ڈالی تھیں۔ تھانے داروں کو خوش رکھنے والے خوشامدیوں کی ذہنیت اور عادت ایسی ہی ہوا کرتی تھی۔

مقتول کی بیوی کا پہلا خاوند فوت ہوا تو اس شخص نے ایک نوکرانی ٹائپ عورت کی زبانی اس کو پیغام بھیجا کہ وہ اس کے ساتھ شادی کا خواہشمند ہے۔ اس کی بیوی زندہ تھی لیکن شکل و صورت کی کچھ ایسی ویسی ہی تھی۔

مقتول کی بیوی نے اپنے بیان میں کہا کہ اس نے شادی سے انکار کر دیا اور بیوگی کے چوتھے یا پانچویں مہینے مقتول کے ساتھ شادی کر لی۔ اس چوہدری کے ساتھ شادی نہ

کرنے کا باعث یہ تھا کہ اس وقت اس کی عمر ساٹھ سال سے کچھ زیادہ ہی تھی، پھر یہ بات کہ اس کی پہلی بیوی اس کے گھر میں موجود تھی۔ اس کے مقابلے میں مقتول مالی لحاظ سے کمزور تھا اور ویسے بھی اس کی حیثیت چوہدری کے مقابلے میں کم درجہ تھی لیکن مقتول کی بیوی نے مقتول کو ہی پسند کیا۔

دوسری شادی کے پانچ چھ مہینے تک چوہدری خاموش رہا، پھر اس نے دو تین مرتبہ اس عورت کو راستے میں روک لیا اور اس طرح محبت کا اظہار کیا جس طرح جوان مرد اور عورت ایک دوسرے کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ عورت نے اس کو کہا کہ اس کی شادی ہوئے اتنا عرصہ گزر گیا ہے، اب تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔

''میں شادی کی بات نہیں کر رہا''۔۔۔ چوہدری نے کہا۔۔۔ ''اس شخص کی بیوی بنی رہو، میں تو صرف دوستی کا خواہشمند ہوں۔ میرا ایک الگ مکان ہے، کبھی کبھار تھوڑی سی دیر کے واسطے وہاں آ جایا کرو''۔

مقتول کی بیوی نے ہر بار کہا کہ وہ اپنے خاوند کو ایسا دھوکہ کبھی نہیں دے گی۔ اس کے بعد یہ سلسلہ چل پڑا کہ عورت کی کبھی اتفاقیہ گلی میں یا کھیتوں میں چوہدری کے ساتھ ملاقات ہو جاتی یعنی اتفاقیہ آمنا سامنا ہو جاتا تو چوہدری بہت بے تابی سے محبت کی باتیں شروع کر دیتا اور یہ لفظ تو ہر بار کہتا تھا کہ تمہارے بغیر ایک پل بھی چین نہیں آتا۔ عورت اس کو زبانی کلامی ٹال دیتی۔ اس نے مجھ کو بتایا کہ اس کو غصہ تو بہت آتا تھا لیکن چوہدری کی حیثیت اور اس کا رسوخ دیکھ کر اس سے ڈرتی تھی اس واسطے غصہ دبا لیتی تھی۔

مقتول کی بیوی کو یہ بھی معلوم تھا کہ اس چوہدری کے پاس دو تین جرائم پیشہ غنڈے بدمعاش ہیں جن کو وہ کسی بھی طرح اور کسی کے بھی خلاف استعمال کر سکتا ہے۔ عورت ڈرتی تھی کہ چوہدری اس کے خاوند کو تنگ اور پریشان کرے گا۔ ایک عورت تھی جو چھوٹی ذات کی تھی اور اس کا آنا جانا ہر گھر میں لگا رہتا تھا۔ اس کو ہر کسی کی خدمت گار عورت سمجھ لیں۔

چوہدری کے پیغام اس عورت کی زبانی مقتول کی بیوی کے پاس آتے تھے۔ مقتول کی بیوی نے مجھ کو بتایا کہ یہ عورت اس پر چوہدری کا رعب اور رسوخ بھی گانٹھتی تھی اور لالچ بھی دیتی تھی۔ لالچ یہ کہ چوہدری اچھی خاصی رقم پیش کرتا تھا جس کو مقتول کی بیوی ٹھکرا دیتی تھی۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں نے مقتول کی بیوی سے پوچھا کہ اس نے اپنے خاوند کو بتایا تھا کہ چوہدری اس پر بری نظر رکھتا ہے اور یہ حرکتیں اور باتیں کرتا ہے؟..... اس نے وہی جواب دیا کہ وہ خاوند کو اس ڈر سے نہیں بتاتی تھی کہ چوہدری اس کے ساتھ بہت بُرا سلوک کرے گا اور ان کی کوئی نہیں سنے گا۔

مقتول نے چوہدری کا چیلنج قبول کرلیا

مقتول کی بیوی نے اس سے آگے اپنا بیان ان لفظوں میں دیا کہ ڈیڑھ دو سال چوہدری اس پر جال پھینکتا رہا اور اس کی بھیجی ہوئی عورت مقتول کی بیوی کو قائل کرنے کی کوشش کرتی رہی لیکن مقتول کی بیوی نے کوئی اثر قبول نہ کیا نہ کسی لالچ میں آئی۔ پھر چوہدری کو اللہ تعالیٰ نے یہ ایک جھٹکا دیا کہ اس کے جوان بیٹے کو ہیضہ ہوگیا اور چار پانچ دن بیمار رہ کر مر گیا۔ بیٹے کی عمر سترہ اٹھارہ سال تھی۔ شاید اس صدمے اثر تھا کہ اگلے ڈیڑھ دو سال چوہدری چپ ہوگیا اور مقتول کی بیوی نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ چوہدری کی توجہ اس سے ہٹ گئی ہے۔ اتنا عرصہ چوہدری کے پیغام لانے والی وہ کامی عورت بھی مقتول کی بیوی کے پاس نہ آئی۔

قتل کی واردات سے پانچ چھ مہینے پہلے چوہدری کو مقتول کی بیوی کی محبت کا پھر دورہ پڑ گیا۔ یہ کوئی محبت نہیں تھی، چوہدری اس عورت کے ساتھ ناجائز تعلقات قائم کرنا چاہتا تھا۔ چوہدری نے یہ تو دیکھ لیا تھا کہ یہ عورت اپنے خاوند کو نہیں بتا رہی جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس سے ڈرتی ہے اور ہوسکتا ہے کسی روز راضی ہو ہی جائے۔

مقتول کی بیوی نے مجھ کو بتایا کہ اب چوہدری نے جو نیا حملہ شروع کیا تو اس کی بھیجی ہوئی کامی عورت پہلے سے زیادہ شیر اور دلیر ہوگئی تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے یہ عورت چوہدری کی قریبی عزیز ہو اور رعب سے مقتول کی بیوی کا رشتہ برائے چوہدری طلب کر رہی ہو۔ یہ رویہ دیکھ کر مقتول کی بیوی نے اس عورت کو دھتکارنا شروع کر دیا اور ایک روز اس کو کہا کہ وہ خود چوہدری کی داشتہ کیوں نہیں بن جاتی!

یہ کامی عورت ایسی ڈھیٹ نکلی کہ پھر بھی اس کے پاس آتی رہی اور ایک روز یہ لفظ کہے کہ تم اپنی قیمت بتاؤ اور نقد وصول کرلو۔

''اس روز تو میں جل ہی اٹھی''۔۔۔ مقتول کی بیوی نے کہا۔۔۔ ''میں نے اس ذلیل عورت کو کہا کہ وہ پھر میرے گھر آئی تو میں جوتے مار کر اس کو گھر سے نکالوں گی۔ میں نے یہ بھی کہا کہ چوہدری کو میرے یہ لفظ کہہ دینا کہ تیرے اس بڈھے کھوسٹ چہرے پر میں تھوکنا بھی گوارہ نہیں کرتی اس واسطے کہ میرا تھوک بھی تیرے چہرے سے زیادہ پاک اور قیمتی ہے''۔

یہ قتل سے کوئی ایک مہینہ پہلے کا واقعہ ہے۔ ایک دو دنوں بعد مقتول کی بیوی اپنے معمول کے مطابق کھیتوں کے ساتھ ہی ایک خانقاہ پر دیا جلانے گئی۔ وہ جمعرات کا روز تھا۔ وہ دیا جلا کر باہر نکلی اور ویسے ہی قبرستان میں گھومنے پھرنے چلی گئی۔

اچانک ایک درخت کے پیچھے سے چوہدری نکلا اور مقتول کی بیوی کو بازو سے پکڑ کر خانقاہ کی اوٹ میں لے گیا۔ وہ غصے کی حالت میں تھا۔

''تم اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہو!''۔۔۔ چوہدری نے بڑی بارعب اور غصیلی آواز میں کہا۔۔۔ ''اگر میں تمہیں اپنی طاقت دکھا دوں تو تم میرے گھر آ کر میرے پاؤں پر ماتھا رگڑو گی۔ میں تمہیں رقم دے رہا ہوں۔ کہو تو کچھ زمین تمہارے نام کرا دوں گا۔ اب سن لو، میں تمہیں اغوا کروا سکتا ہوں۔ ذرا دیر نہیں لگے گی۔ نہیں مانو گی تو ایک بار پھر تمہیں بیوہ کر سکتا ہوں اور اس کے بعد تم میری بیوی ہو گی..... میں تمہیں دو تین دن سوچنے کی مہلت دے رہا ہوں۔ سوچو اور مجھ کو جواب دینا۔ مزے میں رہو گی۔ جو مانگو گی وہ دوں گا''۔

''تمہیں میرا جواب چاہئے چوہدری؟''۔۔۔ مقتول کی بیوی نے کہا۔۔۔ ''دو تین دن کیوں انتظار کرتے ہو، ابھی جواب سن لو۔ مجھ کو اغوا کراؤ یا بیوہ کرو وہ پھر بات کروں گی''۔

اتنا کہہ کر یہ عورت وہاں سے چلی آئی۔ چند قدم چل کر رکی اور پیچھے مڑ کر بلند آواز سے کہا۔۔۔ ''لعنت ہے تجھ پر چوہدری!''

اب یہ معاملہ اس عورت کی برداشت سے باہر ہوگیا تھا۔ اس رات اس نے اپنے خاوند مقتول کو بتایا کہ چوہدری اس کے ساتھ گزشتہ چار سالوں سے کیا سلوک کرتا چلا آ رہا ہے اور آج اس نے آخری بار چیلنج کیا ہے۔ مقتول نے یہ بات سنی تو اسے غصہ آ گیا اور کہنے لگا کہ وہ چوہدری کے ساتھ بات کرے گا۔ بیوی نے اس کو روکا اور کہا کہ وہ چپ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رہے اور اس کے ساتھ لڑائی جھگڑا نہ کرے اس واسطے کہ اس کے ہاتھ میں غنڈے بدمعاش ہیں اور پولیس کے ساتھ بھی اس کا تعلق واسطہ ہے۔ مقتول نے کہا کہ وہ شرافت سے اس سمجھانے کی کوشش کرے گا۔

دو تین دنوں بعد مقتول نے اپنی اس بیوی کو بتایا کہ اس نے چوہدری کے ساتھ بات کی تھی۔ چوہدری پہلے تو یہ کہتا رہا کہ تمہاری بیوی جھوٹ بولتی ہے اور وہ اچھے چال چلن کی عورت نہیں۔ مقتول نے اس کی اس بات کو سچ نہ مانا اور کہا کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز جائے۔ مقتول کا لہجہ ذرا سخت تھا جو چوہدری کو اچھا نہ لگا۔

''تم میرے مقابلے میں نہیں آ سکتے''۔۔۔ چوہدری نے کہا۔۔۔ ''اگر میں اپنی آئی پر آ گیا تو تم اس شہر میں نظر نہیں آؤ گے۔ اپنی بیوی کو بھی سنبھال کر رکھنا''۔

''چوہدری صاحب!''۔۔۔ مقتول نے کہا۔۔۔ ''میں اس کوشش میں ہوں کہ یہ بات باہر نہ نکلے اور ہم دونوں کے درمیان کوئی دشمنی پیدا نہ ہو، آپ میری بیوی کا پیچھا چھوڑ دیں''۔

''بہتر یہ ہے کہ میری نظروں سے دور ہو جاؤ''۔۔۔ چوہدری نے کہا۔۔۔ ''آئندہ میرے سامنے نہ آنا''۔

اس طرح ان دونوں کے درمیان خاصی جھک جھک اور تلخ کلامی ہوئی۔ بیوی بہت ڈری کہ چوہدری اس کے خاوند کو نقصان پہنچائے گا۔ بیوی نے خاوند مقتول کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ فلاں عورت چوہدری کے پیغام لاتی ہے اور اسے برا بھلا کہا پھر بھی باز نہیں آتی۔

تین چار دنوں بعد اتفاق ایسا ہوا کہ یہ عورت اس وقت مقتول کے گھر آ گئی جب مقتول گھر میں موجود تھا۔ مقتول کی بیوی اس عورت کو الگ کمرے میں لے گئی اور اسے ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگی۔ مقتول اٹھا اور اس کمرے میں چلا گیا۔ اس نے عورت کو ننگی گالیاں دیں۔ اس عورت کو شاید یہ حوصلہ تھا کہ اس کو چوہدری کا تحفظ حاصل ہے۔ اس خیال سے اس نے مقتول کے ساتھ بدتمیزی کی اور یہ کہہ کر اٹھی کہ وہ اپنی بے عزتی کا انتقام لے گی۔ مقتول نے اس کے منہ پر بڑی زور سے تھپڑ مارا اور بازو سے پکڑ کر اس کو گھسیٹا اور گھر سے نکال دیا۔

تین چار دن گزر گئے تو ایک شام خاوند گھر آیا۔ وہ کچھ اکھڑا اکھڑا اور پریشان سا لگتا

تھا۔ بیوی نے اس سے پریشانی کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ آج چوہدری کے ساتھ پھر ٹکر ہو گئی ہے۔ اس عورت نے چوہدری کو بتایا ہو گا کہ مقتول نے اس کو تھپڑ مارا ہے۔ اسی واسطے چوہدری بھڑکا ہوا تھا۔

''اب اس مردود چوہدری نے کیا کہا ہے؟''۔۔۔ بیوی نے پوچھا۔

''آج تو حد ہی ہو گئی ہے''۔۔۔ مقتول نے جواب دیا۔۔۔ ''کہتا تھا کہ تم نے اس عورت کے منہ پر نہیں بلکہ میرے منہ پر تھپڑ مارا ہے۔ میں نے کہا کہ تم یوں نہ سمجھو چوہدری، میں تمہارے منہ پر بھی تھپڑ جڑ دوں گا پھر اس تھپڑ کا بدلہ لینا۔ چوہدری نے کہا کہ تم یہ بتاؤ کہ تمہیں اپنی بیوی چاہئے یا موت..... میں نے اس کو کہا کہ تم سوچ لو چوہدری، زندگی چاہئے یا موت۔ چوہدری نے کہا کہ میں تمہیں آٹھ دنوں کی مہلت دیتا ہوں، یہ فیصلہ کر لو کہ بیوی چاہئے یا موت''۔

مقتول نے چوہدری کا چیلنج قبول کر لیا اور اس کو دو چار اور بڑی سخت باتیں کہہ کر آ گیا۔ بیوی اس کو کہتی رہی کہ اس چوہدری کے منہ نہ لگے اور شام کے بعد گھر سے نہ نکلا کرے لیکن خاوند اگلی صبح باجرے کے فصل میں قتل ہو گیا۔

اس عورت کا یہ سارا بیان اگر صحیح اور سچ تھا تو اس میں کوئی شک اور شبہ نہیں تھا کہ اس کے خاوند کو اس چوہدری نے ہی قتل کروایا ہے۔ میں نے مقتول کی بیوی کی باتوں میں سے باتیں نکال کر بہت جرح کی تھی اور بہت باریک باریک باتیں بھی پوچھی تھیں۔ یہاں بہت تھوڑی اور موٹی موٹی باتیں تحریر کی ہیں۔ معلوم یہ ہوتا تھا کہ اس عورت کا یہ بیان صحیح ہے۔

''تمہارے ساتھ تمہارے خاوند کا بڑا بھائی آیا ہے''۔۔۔ میں نے پوچھا۔۔۔ ''کیا اس کو یہ ساری بات معلوم ہے؟''

''نہیں!''۔۔۔ مقتول کی بیوی نے جواب دیا۔۔۔ ''خاوند نے مجھ کو سختی سے منع کر دیا تھا کہ یہ بات کسی اور کو نہ بتانا اس واسطے کہ بات پھیل جاتی ہے اور لوگ اپنی کہانیاں گھڑ کر بدنام کر دیتے ہیں۔ یہ سوچ کر میں نے کسی کے ساتھ بات نہیں کی تھی''۔

مقتول کی بیوی کو اپنے دفتر میں ہی بیٹھا رہنے دیا اور میں باہر نکلا۔ اے ایس آئی اور دو ہیڈ کانسٹیبلوں کو بلا کر اس چوہدری کی بابت پوچھا کہ اس کا دوستانہ کون کون سے بدمعاش کے ساتھ ہے۔ کچھ تو میں بھی جانتا تھا لیکن تھانے کا چھوٹا سٹاف ایسے لوگوں کو زیادہ اچھی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

طرح جانتا تھا۔

انہوں نے تین نام بتائے جن میں ایک ڈکیتی کی واردات میں سزا یافتہ تھا۔ دوسرا جرائم پیشہ تو نہیں تھا لیکن بدمعاشوں میں شمار ہوتا تھا۔ خاندانی دشمنی میں اس نے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا اور اس کو عمر قید سزا ملی تھی لیکن ہائیکورٹ میں اپیل کی تو بری ہو گیا۔ تیسرا شخص بھی غنڈہ تھا اور پیشہ ور جوئے باز۔ اس کو جرائم پیشہ فہرست میں شامل کیا جا سکتا تھا۔

میں نے ایک ہیڈ کانسٹیبل کے ذمے یہ کام لگایا کہ وہ ان تینوں کو الگ الگ اس طرح تھانے لائے کہ چوہدری کو خبر نہ ہو۔ پھر ایک عقل مند سے کانسٹیبل کو اس کا می عورت کے گھر کا اتہ پتہ سمجھایا اور کہا کہ اس کو اپنے ساتھ لے آئے اور احتیاط یہ کرے کہ چوہدری کو پتہ نہ لگے۔ مجھ کو معلوم تھا کہ عورت کی بابت یہ احتیاط قائم نہیں رہے گی۔ وجہ یہ کہ عورت کو کانسٹیبل ساتھ لائے گا تو اس کا خاوند دوڑا دوڑا چوہدری کے پاس جائے گا کہ اس کی بیوی کو تھانے لے گئے ہیں۔ بہر حال احتیاط ہوتی یا نہ ہوتی، مجھ کو اس عورت کی ضرورت تھی، چوہدری میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ میں صرف یہ سوچتا تھا کہ اس کو پتہ لگ گیا تو وہ اپنے واسطے کوئی پیش بندی کر لے گا۔

ہیڈ کانسٹیبل اور کانسٹیبل کو بھیج کر میں اپنے دفتر میں گیا اور مقتول کی بیوی کو باہر بھیج کر مقتول کے بھائی کو بلایا۔ یہ مقتول کا بڑا بھائی تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ تو ہونے ہی تھے، اس کا چھوٹا بھائی مارا گیا تھا۔ میں نے اس کے ساتھ ہمدردی کے دو چار لفظ کہے اور پھر اس سے پوچھا کہ اس کا کسی پر شک ہو گا۔ ظاہر ہے قتل دشمن ہی کیا کرتے ہیں، مقتول کی بھی کسی کے ساتھ دشمنی ہو گی۔

''میرے اس بھائی نے دنیا میں صرف ایک ہی کام کیا ہے''۔۔۔ بڑے بھائی نے بیزاری کے لہجے میں کہا۔۔۔ ''کام یہ کیا ہے کہ اپنے دشمن پیدا کئے ہیں اور دوست کسی کو بھی نہیں بنایا۔ میں کہتا تھا کہ اس شخص کا انجام بہت بُرا ہو گا''۔

''پہلے اس کے دشمنوں کی بات کرو''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''ہر دشمن کی بابت سب کچھ بتاؤ''۔

''میں اس دشمنی کی بات نہیں کر رہا جو دشمنی آپ سمجھ رہے ہیں''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''میرا مطلب یہ ہے کہ میرا بھائی اعتبار کے قابل آدمی نہیں تھا۔ کسی کو دوست بناتا تو دل

میں اپنی غرض رکھتا تھا اور جہاں ضرورت پڑتی دوست کے ساتھ بھی بے وفائی کر گزرتا تھا..... میں اس کے کسی ایسے دشمن کو نہیں جانتا جس پر شبہ کیا جا سکے کہ یہ قاتل ہو سکتا ہے''۔

''دیکھ میرے بھائی!''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''جو بھی بات کہنی ہے وہ بالکل صاف صاف کہو۔ میں تفتیش کر رہا ہوں اور تمہارے بھائی کے قاتل کو پکڑ کر سزا دلوانی ہے''۔

وہ کم عقل آدمی نہیں لگتا تھا۔ معزز آدمی تھا۔ وہ دراصل بڑی شرافت اور دیانت داری سے مجھ کو بتانا چاہتا تھا کہ مقتول کا اخلاق کس قسم کا تھا۔ اس نے جو لمبی چوڑی باتیں سنائیں، میں وہ مختصر کر کے تحریر کر دیتا ہوں۔ اس نے بتایا کہ مقتول کسی نہ کسی عورت کے ساتھ در پردہ ناجائز دوستی لگا کر رکھتا تھا۔ اپنی بیوی کو تو اس نے صرف اس واسطے گھر میں رکھا ہوا تھا کہ وہ اس کی بیوی تھی۔ وہ شکل وصورت کی کچھ ایسی ویسی ہی تھی لیکن اس کا ایک جرم یہ بھی تھا کہ اس کی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ مقتول کو سب نے مشورے دیئے تھے کہ یہ بیوی اس کو ویسے ہی پسند نہیں تو اس بات پر اس کو طلاق دے دے اور اولاد کی خاطر دوسری شادی کر لے لیکن طلاق نہیں دیتا تھا۔

''طلاق نہ دینے کی وجہ میں سمجھتا تھا''۔۔۔ مقتول کے بھائی نے کہا۔۔۔ ''اس کی یہ بیوی بہت ہی صابر اور سادہ لوح عورت تھی۔ مقتول سے وہ کوئی گلہ شکوہ نہیں کرتی تھی۔ مقتول رات کو دیر سے گھر آتا یا پوری رات کہیں غائب رہتا تو بیوی اس سے باز پُرس نہیں کرتی تھی۔ مقتول اس بیوی کو گھر رکھنا چاہتا تھا جو اس کے راستے کی رکاوٹ نہیں بنتی تھی''۔

بھائی کے اس بیان سے مجھ کو شک ہوا کہ مقتول نے کسی عورت کے ساتھ مراسم پیدا کئے ہوں گے اور اس عورت کے خاوند یا بھائیوں وغیرہ کو پتہ چل گیا ہو گا اور اس کے باعث ان کو انہوں نے قتل کر دیا۔ یہ شک بھی پیدا ہوا کہ مقتول نے کسی عورت پر دست درازی کی ہو گی اور عورت کی شکایت پر مقتول اس عورت کے گھر کے آدمیوں کے ہاتھوں مارا گیا.....

میں نے اپنے یہ دونوں شک مقتول کے بھائی کو بتائے۔

''ایسی بات نہیں جناب!''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''یہ مجھ کو یقین ہے کہ میرے بھائی میں یہ عادت نہیں تھی کہ ایسی عورت کے ساتھ بھی چھیڑ چھاڑ کرتا جس کے چال چلن کی بابت اس کو معلوم نہ ہوتا۔ یہ نہ سمجھیں کہ وہ عورتوں شکاری تھا۔ اس کی دوستی ایسی عورت کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ساتھ لگتی تھی جو میرے بھائی کی طرح آوارہ اور بدچلن ہوتی تھی۔ آپ جانتے ہیں کہ ا عورتوں کے خاوند، بھائی اور باپ اور خاندان کے دوسرے مرد بے غیرت ہوتے ہیں۔ غیرت کے نام پر کسی پر ہاتھ نہیں اٹھاتے اور بے غیرتی میں ہی خوش رہتے ہیں''۔

میں نے اپنے شک کے بموجب اس پر جرح شروع کر دی اور وہ میرے ساتھ ٹھیک ٹھاک تعاون کرتا رہا بلکہ اس نے ایک بار یہ بھی کہا کہ میں اس سے اسی طرح کرید کرید باتیں پوچھوں تاکہ قاتل کا سراغ لگانے میں مجھ کو آسانی ہو جائے۔ اس وقت میر ضرورت یہ تھی کہ یہ شخص کسی ایسی عورت کی نشاندہی کرے جس کے گھر کے آدمی غیر پر مرمٹنے والے ہوں لیکن اس شخص نے مجھ کو مایوس کر دیا۔

عورت ٹھیک نہیں

بہت وقت صرف کر کے آخر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ مقتول ایسی عورت کے ساتھ دوستی لگاتا تھا جو ہوتی ہی بدنام تھی اور جو گھر بیٹھی ایک قسم کی عصمت فروشی کرتی تھی۔ اس کے بعد مقتول کے بھائی نے ایک اور بات سنا کر مجھ کو ذرا چونکا دیا۔ اس نے بتایا کہ مقتول کی یہ جو موجودہ یعنی دوسری بیوی ہے۔ یہ ٹھیک عورت نہیں ہے۔ اس نے جو تفصیلی بات سنائی وہ میں مختصراً تحریر کرتا ہوں۔

اس دوسری بیوی کے ساتھ مقتول نے دوستی لگائی تھی۔ یہ پہلی عورت تھی جو چال چلن کے معاملے میں بدنام نہیں تھی اور چال چلن کی خراب بھی نہیں تھی۔ اس کا پہلا خاوند نہایت ہی شریف اور معزز آدمی تھا۔ اس گھر میں خوشحالی تھی۔ پہلا خاوند سادگی سے زندگی بسر کرتا تھا لیکن بیوی شوقین مزاج تھی۔ نئے فیشن کے قیمتی کپڑے پہنتی اور بن ٹھن کر رہتی تھی۔ وہ ایسی نہیں تھی کہ بلاوجہ اور بلامقصد گلیوں میں پھرتی یا دوسرے گھروں میں جاتی اور اپنی نمائش کرتی پھرتی، اس کی عادت یہ تھی کہ اپنے آپ کو بنا سنوار کر رکھتی اور زندہ دلی کو پسند کرتی تھی۔ عورت چالاک ہوشیار تھی۔ اس نے پہلے خاوند کو دبا کر رکھا ہوا تھا۔

مقتول کی اس عورت کے ساتھ دوستی پہلے خاوند کی زندگی میں ہی چل نکلی تھی۔ مقتول نے اس عورت کے پہلے خاوند کے ساتھ دوستانہ تعلقات پیدا کر لئے تھے اور اس کے گھریلو مسائل میں اتنی دلچسپی لیتا تھا کہ اس کے گھر بے دھڑک چلا جاتا اور گھر کے فرد کی طرح

ایکٹنگ کرتا تھا۔

''ایک بات بتاؤ''۔۔۔ میں نے بھائی سے پوچھا۔۔۔ ''کیا ایسی بات تو نہیں تھی کہ اس عورت نے کسی اور کے ساتھ دوستی لگالی اور یہ دوستی مقتول کے قتل کا باعث بنی ہو؟''

''نہیں سرکار!''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''میں جو بات یقین کے ساتھ کرتا ہوں اس پر آپ بھی یقین کریں اور مجھ کو جس بات پر شک ہے وہ میں آپ کو بتا دیتا ہوں کہ یہ شک والی بات ہے۔ میں نے پورے یقین کے ساتھ بتایا ہے کہ یہ عورت دوستیاں لگانے والی نہیں تھی۔ معلوم نہیں اس کو مقتول کیوں پسند آ گیا اور ان کی دوستی ہو گئی''۔

مجھ کو اب یہ شبہ ہونے لگا کہ مقتول کی بیوی نے چوہدری کی بابت جو بیان دیا تھا وہ صحیح نہیں تھا۔ یہ عورت اگر شوقین مزاج تھی تو اس کے واسطے چوہدری کی دوستی فائدہ مند تھی۔ یہ اس واسطے فائدہ مند تھی کہ چوہدری اس کو رقمیں پیش کرتا تھا اور کہتا تھا کہ مزے میں رہو گی۔ میرا شبہ یہ تھا کہ اس عورت نے چوہدری کے ساتھ در پردہ یاری لگالی تھی اور خاوند کو یعنی مقتول کو دھوکہ دے رہی تھی..... یہ میں نے اپنے ذرائع سے معلوم کر ہی لینا تھا۔ ابھی میں آپ کو مقتول کے بھائی کا بیان سنا رہا ہوں۔

اس کے بعد یوں ہوا کہ مقتول کی بیوی کا پہلا خاوند آٹھ دس روز بیمار کر فوت ہو گیا۔ اس کے فوت ہونے کے تقریباً ایک مہینہ بعد مقتول نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور وجہ یہ بتائی کہ اس کی اولاد نہیں ہوتی۔ بیوی صبر کر کے اپنے گھر جا بیٹھی۔ بھائی نے بتایا کہ اس عورت نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دل لگا لیا اور دنیا سے لاتعلق ہو گئی۔

تین مہینے گزرنے کی دیر تھی کہ مقتول اور اس بیوہ عورت کی شادی ہو گئی۔

''میرا بھائی اپنی اس دوسری بیوی کو اپنے گھر نہ لایا''۔۔۔ مقتول کے بھائی نے کہا۔۔۔ ''بلکہ خود اس کے گھر چلا گیا اور وہیں کا ہو کر رہ گیا۔ اس کو ایسے ہی کرنا چاہئے تھا اس واسطے کہ اس عورت کی پہلے خاوند سے ایک جوان بیٹی ہے جس کی شادی نئی نئی ہوئی تھی پھر ایک جوان بیٹا ہے اور اس کے بعد ایک اور بہن ہے۔ ان سب کو وہ اپنے گھر تو نہیں لا سکتا تھا''۔

یہ بات میرے واسطے نئی تھی کہ مقتول کی بیوی کی یہ اولاد تھی۔ پہلے میں نے پوچھا ہی نہیں تھا کہ اس کے گھر میں اور کتنے افراد ہیں۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

''میں اللہ سے ڈرنے والا بندہ ہوں جناب!''۔۔۔ مقتول کے بھائی نے کہا۔۔۔ ''میرے بھائی نے پہلے اپنی بیوی کو طلاق دی پھر دوسری شادی کر لی، یہ صدمہ اس کی پہلی بیوی برداشت نہ کر سکی اور وہ گھل گھل کر مر گئی۔ میں کہتا ہوں کہ میرے بھائی کو پہلی بیوی کی آہ کھا گئی ہے۔ اللہ تو معاف نہیں کیا کرتا''۔

میں مقتول کی اس دوسری بیوی کو سچا اور مظلوم سمجھتا تھا لیکن مقتول کے بھائی نے میرے دماغ کو ایک اور ہی لائن پر ڈال دیا۔ اب یہ عورت میرے واسطے مشتبہ صورت اختیار کر گئی تھی۔ میرا دماغ بہت تیزی سے اور گہرائی میں جا کر سوچ رہا تھا۔ میں نے اس عورت اور مقتول کے بھائی کے بیانات کی تصدیق یا تردید اپنے ذرائع سے کرانی تھی لیکن اس موڑ پر آ کر چوہدری کی بابت میرا دماغ کچھ بدل گیا۔ میرے دماغ یعنی میری سوچوں کی اس تبدیلی کو آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں نے چوہدری کو شریف آدمی یا بے گناہ سمجھ لیا تھا۔ وہ تو ابھی تک میری نگاہ میں مشتبہ نمبر ایک تھا۔

مقتول کے بھائی پر میں نے بہت جرح کی اور وہ ہر جواب تفصیل سے دیتا رہا۔ یوں سمجھیں کہ اس شخص کو میں نے پوری طرح نچوڑ لیا تو اس کو چھٹی دی۔ اس دوران ہیڈ کانسٹیبل میرے کان میں کہہ گیا تھا کہ وہ کامی عورت آئی بیٹھی ہے جس کو چوہدری مقتول کی بیوی کو پھانسنے کے واسطے استعمال کرتا تھا۔ مقتول کے بھائی کو بھیج کر اس عورت کو اندر بلایا۔

اس دوران پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی مل گئی تھی۔ مقتول کی پیٹھ میں تین چاقو لگے تھے۔ ایک زخم اتنا گہرا تھا کہ چاقو نے دل کو بھی کاٹ دیا تھا۔ یہ میں نے پہلے ہی اندازہ کر لیا تھا۔ مقتول کی موت صبح ساڑھے چار اور پانچ بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔

اب میں اس عورت کی طرف متوجہ ہوا۔ آپ نے میرے محترم استاد ملک احمد یار خان کی تفتیشی کہانیوں میں اور میری کہانیوں میں ایسی عورت کا کردار پڑھا ہوگا۔ زیادہ بیان کی ضرورت نہیں۔ ایسی عورتوں کو ہمارے معاشرے میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ یہ ہر گھر کی خبر رکھتی ہیں اور اتنی چالاک اور ذہین ہوتی ہیں کہ عورتوں کے سینوں کے اندر چھپے ہوئے راز بھی نکال لیتی ہیں۔ یہ عورتیں عموماً چھوٹی ذاتوں کی ہوتی ہیں جو بڑے گھروں کے کام کرتی اور ان کی خدمت کرتی ہیں۔ ان عورتوں کے خاوندوں میں کچھ تو

اور نکھٹو ہوتے ہیں یا نشئی یا کسی نہ کسی معذوری میں مبتلا ہوتے ہیں۔ یہ عورتیں گھر کی تمام ضروریات خود پوری کرتی ہیں اور خاوندوں کی کمزوریوں سے پورا پورا فائدہ اٹھاتی ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ وہ خاوندوں کی آنکھوں میں دھول جھونکتی ہیں۔

ان میں اکثر خوبصورت ہوتی ہیں اور اپنے شکار پر خوبصورتی کا جادو طاری کرنے کے ڈھنگ سے واقف ہوتی ہیں۔ ہنسنے ہنسانے کے فن کی ماہر اور اگر رونے کی ضرورت پڑے تو ایسا روتی ہیں کہ پتھروں کے بھی آنسو نکال دیتی ہیں۔ یہ عورت جو میرے سامنے بیٹھی ہوئی تھی، خوبصورت عورتوں میں سے تھی۔ جسم لمبوترا اور رنگ صاف تھا۔ چہرے کے نقش تو بہت اچھے تھے۔ آنکھوں میں ایسی چمک جسے کوئی شخص نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ عیاری اور مکاری اس عورت کے چہرے پر صاف نظر آئی تھی، لیکن اس تاثر کو ہم تھانے دار ہی سمجھ سکتے تھے۔ عام ذہن کے لوگوں کو کچھ پتہ نہیں چل سکتا تھا کہ اس عورت کے دل میں کیا ہے۔

اس عورت کا نام ویسے بھی مجھے یاد نہیں رہا نہ ڈائری میں لکھا ہے، یاد ہوتا تو بھی کوئی فرضی نام لکھتا لیکن اب کہانی سنانے کے واسطے اس کو میں کامی لکھوں گا..... اس کامی کی عمر پینتیس سال سے کچھ کم ہی ہوگی زیادہ نہیں تھی۔ دھلے دھلائے اچھے کپڑوں میں ملبوس تھی اور کسی معزز گھرانے کی خاتون لگتی تھی لیکن میں اس کو پولیس کی نظروں سے دیکھ رہا تھا اس واسطے مجھ کو اس کا اصلی روپ نظر آ رہا تھا۔ اس نے اپنے چہرے پر گھبراہٹ اور خوف کا اور مرعوبیت کا تاثر طاری کر رکھا تھا۔ اس سے بیان لینے اور پوچھ گچھ کرنے کا ایک طریقہ تو یہ تھا کہ میں تھانے داری رعب سے بات کرتا لیکن میں نے دوستانہ رویہ اختیار کرنا مناسب سمجھا۔

''تم تو بالکل ہی نکمی نکلی''۔۔۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔۔۔ ''چار سالوں میں تم ایک گھریلو عورت کو پھانس نہ سکی اور چوہدری سے انعام وصول کرتی رہی۔ میں تو تمہیں بڑی استاد سمجھتا رہا''۔

''کون سی عورت؟''۔۔۔ اس نے حیران سی ہو کر پوچھا۔۔۔ ''کون سا چوہدری؟''

''تمہاری استادی اس عورت پر نہیں چل سکتی''۔۔۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔۔۔ ''کیا تم تھانے میں بیٹھ کر ایک تھانے دار پر اپنا جادو چلا لو گی؟ میں چاہتا ہوں کہ پیار محبت

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سے تم اصل بات پر آجاؤ لیکن تم مجھ کو بھی چوہدری جیسا بے وقوف آدمی سمجھ بیٹھی ہو۔ اب تمہاری خیریت صرف اس میں ہے کہ یہ نوسر بازی الگ رکھ دو اور صحیح صحیح بات زبان پر لے آؤ۔ میں نے تمہیں ویسے ہی شوقیہ نہیں بلا لیا، تمہاری ایک ایک بات اور ایک ایک حرکت معلوم کر کے بلایا ہے۔ یہ سوچ لو کہ یہاں سچ بولو گی تو فائدے میں اور اپنی عزت میں رہو گی۔ ہیرا پھیری کرو گی تو یہاں سے نکل نہیں سکو گی۔ نکلو گی تو سیدھی جیل میں جاؤ گی''۔

اس بے چاری میں اتنی تاب نہیں تھی کہ ایک تھانے دار کی یہ دھمکی برداشت کر لیتی۔ اس کے چہرے کا اچھا خاصا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

''آپ کچھ پوچھیں تو سہی!''۔۔۔ اس نے ذرا دبی دبی آواز میں کہا۔۔۔ ''پھر میں کوئی بات کروں تب آپ دیکھیں کہ میں سچ بول رہی ہوں یا جھوٹ..... صرف یہ منت کروں گی کہ چوہدری کو پتہ نہ لگے کہ میں نے آپ کو کیا باتیں بتائی ہیں''۔

کامی جیسی عورتوں، چوہدریوں اور جاگیرداروں کے نوکروں اور مزارعوں وغیرہ کے لیے یہ بڑی ہی تکلیف دہ اور خطرناک مصیبت موجود رہتی تھی کہ ان کے آقا ان سے جرم کرواتے تھے اور کبھی پکڑ دھکڑ ہوتی تو ان ہی غریبوں اور ناداروں کو آگے کر دیتے تھے۔ یہ ان وقتوں میں ہی نہیں ہوتا تھا بلکہ اب بھی یہی ہو رہا ہے۔ میں نے اپنی سروس میں کئی وارداتوں میں اس کلاس یعنی نوکروں اور مزارعوں کی کلاس کے لوگوں کو پکڑا تھا اور ہر ایک نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی کہ اس کے آقا کہ یہ نہ پتہ لگے کہ اس نے کیا بیان دیا ہے۔ میں ان کو جھوٹا یقین دلا دیا کرتا تھا کہ ان کو پردے میں ہی رکھا جائے گا لیکن کیس جب عدالت میں جاتا تھا تو ان کو گواہی کے واسطے طلب کر لیتے تھے۔

ایسا ہی وعدہ کامی کے ساتھ کیا کہ کسی کو پتہ لگنے ہی نہیں دیا جائے گا کہ اس کو تھانے طلب کیا گیا تھا..... اس کو اطمینان ہو گیا اور اس کے چہرے پر اصل رنگ آ گیا۔ تو میں نے مقتول کی بیوی کا بیان ذہن میں رکھ کر کامی سے پوچھ گچھ شروع کر دی۔

یہ دیکھ کر مجھ کو اطمینان ہو گیا کہ کامی زیادہ تر باتوں کی تائید اور تصدیق کرتی جا رہی تھی۔ اس نے یہ بھی بتا دیا کہ چوہدری اس کو کیا انعام دیتا تھا۔

میں اس کی بات سے بات نکال کر پوچھ گچھ اور جرح بھی کرتا جاتا تھا۔ میرے انداز میں شفقت تھی اور اپنائیت بھی تھی۔ اس کا بڑا اچھا اثر ہو رہا تھا۔ اسی اثر کے تحت میرے

ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کامی نے کہا کہ چوہدری نے اس کو باقاعدہ داشتہ بنا لیا تھا۔ اس کو بڑے اچھے کپڑے دیتا اور پیسے بھی خاصے دیتا رہتا تھا لیکن ساتھ یہ بھی کہتا تھا کہ اس نے مقتول کی بیوی کو پھانس کر اس کے حوالے نہ کیا تو پھر وہ کامی کے ساتھ تعلق ہمیشہ کے لئے توڑ لے گا۔

آخر بات یہاں تک آن پہنچی کہ کامی نے مقتول کی بیوی کے سارے بیان کی تصدیق کر دی اور دو تین نئی باتیں بتا دیں..... اب میں نے اس سے مقتول کی بیوی کے چال چلن کی بابت پوچھنا شروع کیا۔

''بہت ہوشیار اور چالاک عورت ہے''۔۔۔ کامی نے بتایا۔۔۔ ''لیکن ایسی نہیں کہ جو آدمی دل کو اچھا لگا یا جس نے زیادہ رقم دکھا دی اس کے ساتھ چل پڑے۔ کوئی شخص اس کے چال چلن پر انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں اور چند ایک عورتوں اور آدمیوں کو معلوم ہے کہ مقتول کے ساتھ اس عورت کی ناجائز دوستی پہلے خاوند کی زندگی میں ہی شروع ہو گئی تھی۔ پہلے خاوند کے مرنے کے بعد اس عورت نے تین مہینے پورے کئے اور مقتول کے ساتھ شادی کر لی۔ یہ شک بھی پیدا ہوا کہ اس نے اپنے پہلے خاوند کو کوئی ایسا زہر دیا تھا جو آہستہ آہستہ اثر کرتا رہا اور وہ سات آٹھ دن چارپائی پر پڑا بیمار رہا اور مر گیا''۔

''اس کا کوئی ثبوت تو ہے نہیں''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''میں تو یہ سننا چاہتا ہوں کہ اس عورت نے پہلے خاوند کو زہر دیا تھا اور دوسرے خاوند سے آزاد ہونے کے واسطے اس کو قتل کروا دیا۔ میں اس مقتول کے قاتل کی تلاش میں ہوں۔ تم میری مدد کر سکتی ہو''۔

''یہ تو آپ نے ٹھیک کہا ہے''۔۔۔ کامی نے کہا۔۔۔ ''میں صرف یہ ثبوت پیش کر سکتی ہوں کہ اس کا پہلا خاوند دن کے دس ساڑھے دس بجے فوت ہوا اور اس نے شام پانچ ساڑھے پانچ بجے اس کو دفنا دیا۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ اتنی جلدی نہ دفناؤ اس کے رشتہ داروں کو آ لینے دو لیکن اس عورت نے ایسی جلدی ڈالی کہ اپنی ضد کے مطابق خاوند کو جلدی دفنا دیا۔ میں نے میت کو دیکھا تھا۔ میت کے چہرے کا رنگ نیلا ہونا شروع ہو گیا تھا۔ یہ زہر کی نشانی ہے۔ آگے آپ خود سیانے ہیں''۔

کامی نے یہ بھی بتایا کہ مقتول کی بیوی نے اپنی اولاد کو بگڑنے نہیں دیا اور ان کی تربیت ویسی ہی جیسی شریف اور معزز گھرانوں میں ہوتی ہے۔ اس کی ایک چھوٹی بیٹی تھی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پھر سولہ سترہ سال عمر کا لڑکا تھا اور اس سے بڑی بیٹی تھی جس کی شادی ہو گئی تھی۔ ان تینوں میں کوئی عیب نہیں تھا۔ لڑکا غلط قسم کے لڑکوں کے قریب بھی نہیں جاتا تھا۔ شادی شدہ لڑکی کی فطرت میں کوئی ہیرا پھیری اور جھوٹ اور فریب نہیں تھا لیکن خود اس ماں کی حالت یہ تھی کہ بنی ٹھنی رہتی تھی۔ مختصر یہ کہ کامی مقتول کے بڑے بھائی کے بیان کی تصدیق کر رہی تھی۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ مقتول اخلاق کا ٹھیک آدمی نہیں تھا لیکن بیوی نے اس کو ایسی نکیل ڈال لی تھی کہ اس کو ادھر اُدھر نہیں ہونے دیتی تھی۔

''اب میں ایک بڑی نازک بات پوچھوں گا''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''تم یہ بات چھپانے کی کوشش کرو گی اور جھوٹ بولو گی..... تم جانتی ہو کہ مقتول کو تمہارے چوہدری نے قتل کروایا ہے..... بولو، یہ صحیح ہے یا غلط!''

''نہ میں اس کو صحیح کہتی ہوں نہ غلط''۔۔۔ کامی نے کہا۔۔۔ ''شک مجھ کو بھی ہے لیکن میرے سامنے ایسی کوئی بات نہیں ہوئی اور میرے پاس کوئی ثبوت بھی نہیں''۔

''اور یہ جو چوہدری نے غنڈے اور بدمعاش پال رکھے ہیں!''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''کیا ان کی بابت تم کچھ نہیں جانتیں؟..... جس طرح تم چوہدری کو خوش رکھنے کے واسطے ہر اچھا برا کام کرتی ہو اسی طرح یہ بدمعاش بھی چوہدری کو کچھ نہ کچھ کر کے دکھاتے اور عیش موج کرتے ہوں گے!''

''میں آپ کی بات سمجھ گئی ہوں''۔۔۔ کامی نے کہا۔۔۔ ''اب مجھ سے سنیں لیکن اپنا وہ وعدہ یاد رکھیں کہ میرے اوپر پردہ ڈال کر رکھنا ہے..... چوہدری نے ان غنڈوں کو اس طرح رکھا ہوا ہے جیسے گھر میں پالتو کتے یا رکھوالی والے کتے رکھے جاتے ہیں۔ ایک بات یاد آ گئی ہے۔ مجھ کو مقتول نے اپنے گھر تھپڑ مارے تھے۔ میں نے چوہدری کو بتایا تو اس نے کہا کہ اس شخص کو زندہ رہنا اچھا نہیں لگتا۔ تم فکر نہ کرو، میں پورا پورا انتقام لوں گا۔ اس سے اگلے روز کی بات ہے کہ میں چوہدری کے گھر گئی اور اس کے کمرے میں جھاڑ پونچھ کرنے لگی۔ دو غنڈے اس کے پاس بیٹھے ہوئے شراب پی رہے تھے.....

''وہ مقتول کی ہی باتیں کر رہے تھے۔ معلوم نہیں وہ کیا کچھ پہلے کہہ سن چکے تھے، میں اپنے کام میں لگ گئی لیکن دھیان ان کی طرف رکھا۔ چوہدری نے کہا کہ اسے اب پار ہی کرنا پڑے گا۔ ایک غنڈہ بولا، کر دیں گے چوہدری جی، آپ کے حکم کا انتظار ہے۔

چوہدری نے کہا، صرف ایک یا دو دن انتظار کر لو..... آج صبح میں نے سنا کہ مقتول مارا گیا ہے تو میں دوڑی دوڑی چوہدرنی کے گھر گئی اور اس کو بتایا۔ چوہدری نے کہا، الحمدللہ، میں پہلے ہی کہتا تھا کہ یہ عورت آخر میری بیوی بنے گی''۔

میں نے کامی سے اتنی زیادہ باتیں پوچھیں کہ اس کے ہونٹ جواب دے دے کر خشک ہو گئے۔ اب تو کوئی شک وشبہ ہی رہا کہ قتل کی یہ واردات چوہدری نے کروائی ہے۔ کامی کو میں ابھی چھٹی نہیں دے سکتا تھا۔ اس کی مجھ کو قدم قدم پر ضرورت تھی۔ اس کو کہا کہ مجھ کو اس کی ضرورت ہے اس واسطے وہ کچھ دیر اور تھانے میں ہی موجود رہے۔ میں نے حکم کے لہجے میں یہ بات نہیں کہی تھی بلکہ دوستانہ طریقے سے بات کی اور اس کو اتنی زیادہ پھونک دی کہ وہ اپنے آپ کو چھوٹا تھانیدار سمجھنے لگی۔

مجھ کو اطلاع مل گئی تھی کہ چوہدری کے تینوں جرائم پیشہ بالکے آئے بیٹھے ہیں۔ سارا دن گزر گیا تھا اور سورج غروب ہونے ہی والا تھا۔ میں اپنے سٹاف کو یہ کہہ کر گھر چلا گیا کہ ان تینوں کو بٹھائے رکھنا لیکن الگ الگ، آپس میں بات نہ کر سکیں اور کامی ان کے قریب بھی نہ جائے۔ یہ بھی کہا کہ میں رات دس بجے کے لگ بھگ یا کچھ دیر بعد آؤں گا۔

نمبردار ابھی تک تھانے میں بیٹھا ہوا تھا۔ یہ اس کی ڈیوٹی بھی تھی اور مجھ کو ویسے بھی اس کی ضرورت تھی۔ اس سے مقتول کے گھر کی رپورٹ لینی تھی۔ مقتول کے بھائی اور بیوی کو میں نے پہلے ہی گھر بھیج دیا تھا۔ پوسٹمارٹم کے بعد لاش گھر چلی گئی تھی۔ میں نے نمبردار کو ساتھ لے لیا تھا اور اس کو اپنے گھر لے گیا۔ وہ دیہات کا اَن پڑھ نمبردار نہیں تھا بلکہ شہر کا رہنے والا تھا، تھوڑا بہت پڑھا لکھا بھی تھا اور اس میں شہر والی شائستگی بھی تھی۔

سوتیلی بیٹی پر دست درازی

گھر آ کر بیوی سے کہا کہ وہ کھانا دے دے۔ نمبردار کو بھی کھانے پر بٹھا لیا اور اس کو کہا کہ وہ مقتول کے گھر کی باتیں بتائے۔ نمبردار کو معلوم تھا کہ مجھ کو کن باتوں کی ضرورت ہے۔ اتفاق سے نمبردار مقتول کے محلے کا ہی رہنے والا تھا اور اس کا گھر مقتول کے گھر کے بالکل قریب تھا۔ مجھ کو آج تک یاد ہے کہ نمبردار نے بات اس طرح شروع کی تھی کہ نہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مقتول بھلا آدمی تھا نہ اس کی بیوی بھلی عورت ہے اور نہ ہی چوہدری شریف آدمی ہے۔ پھر اس نے یہ کہا کہ یہ تینوں کوئی ایسے بدکار اور بدمعاش بھی نہیں کہ اسی وجہ سے مشہور ہوئے۔

''پہلے مجھ کو ایک بات بتاؤ راجے!''۔۔۔ میں نے پوچھا۔۔۔ ''تم نے چوہدری کا نام کیوں لیا ہے؟ میں نے تو تمہیں اس کا کوئی اشارہ بھی نہیں دیا تھا''۔

''یہ نہ سمجھیں کہ مخبر صرف آپ نے ہی رکھے ہوئے ہیں''۔۔۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔۔۔ ''میرے بھی مخبر ہیں اور میں خود بھی دیکھتا رہتا ہوں۔ میری نظر پردوں کے پیچھے بھی چلی جاتی ہے۔ مجھے ٹھیک معلوم ہے کہ چوہدری مقتول کی بیوی کے ساتھ شادی کرنا چاہتا تھا جو نہ ہو سکی تو اس کے ساتھ ناجائز دوستی لگانے کی کوشش شروع کر دی''۔

''تمہیں کس نے یہ بتایا ہے؟''۔۔۔ میں نے پوچھا۔

''جس سے آپ پورا بیان لے چکے ہیں''۔۔۔ نمبردار نے جواب دیا۔۔۔ ''کامی مجھ کو روز بروز رپورٹیں دیتی رہتی تھی۔ کامی چوہدری کی نہیں، میری عورت ہے۔ چوہدری سے تو اس کو پیسے اور کپڑے ملتے ہیں اس واسطے اس کے کام کرتی ہے لیکن میری سرکاری حیثیت سے وہ اتنی مرعوب ہے کہ میں کچھ پوچھوں یا نہ پوچھوں وہ مجھ کو ہر بات بتا دیتی ہے۔ مجھ کو یہ بھی معلوم ہے کہ مقتول نے کامی کو مارا پیٹا بھی تھا۔ میرا پکا شک چوہدری پر ہے''۔

''لیکن تم یہ بھی کہتے ہو کہ چوہدری کوئی اتنا زیادہ بدمعاش بھی نہیں''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ چوہدری یہ واردات کروا سکتا ہے؟''

''نہیں جناب عالی!''۔۔۔ نمبردار نے جواب دیا۔۔۔ ''چوہدری کو جتنا بھی سمجھتا ہوں اتنا اس کے اپنے سگے بھی نہیں سمجھتے۔ چوہدری قتل نہیں کروا سکتا لیکن اس کے ساتھ جو تین آدمی لگے ہوئے ہیں وہ سب کچھ کر سکتے ہیں اور انہوں نے چوہدری کو اس بات پر بھڑکا لیا ہوگا کہ مقتول کو صاف ہی کر دیا جائے۔ تینوں پکے اور عادی مجرم ہیں۔ ایک عادی مجرم تو نہیں لیکن مجرموں سے بڑھ کر مجرم ہے۔ انہوں نے اپنی جھولیاں بھرنی ہیں۔ کوئی نہیں سمجھ سکتا کہ یہ اور کامی چوہدری کو جونکوں کی طرح چوس رہے ہیں''۔

''لیکن مقتول کی بیوی پھر بھی چوہدری کے ہاتھ نہیں آئی''۔۔۔ میں نے کہا۔

''مقتول کی بیوی کسی کے ہاتھ آنے والی عورت ہی نہیں''۔۔۔ نمبردار نے کہا۔۔۔ ''اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ شریف عورت ہے لیکن ایسی بدبھی نہیں کہ جہاں لالچ ملے وہ وہاں کی ہو جائے۔ مقتول کے ساتھ اس کی ایسی محبت ہو گئی تھی کہ اس عورت نے اپنے پہلے خاوند کو زہر دے کر مار ڈالا اور مقتول کے ساتھ شادی کر لی''۔

''تو کیا یہ بات ہر طرف مشہور ہے؟''۔۔۔ میں نے پوچھا۔۔۔ ''کہ اس عورت نے اپنے خاوند کو زہر دیا تھا؟''

''نہیں!''۔۔۔ نمبردار نے جواب دیا۔۔۔ ''یہ صرف میں جانتا ہوں، کامی کو معلوم ہے یا کوئی اور آدمی ہوگا جس نے کبھی شک شبہے میں یہ بات کہی سنی ہوگی۔ زیادہ تر لوگ اس بات کو مانتے ہی نہیں تھے۔ کہتے تھے کہ یہ عورت ایسی بد ہے ہی نہیں۔ اب تو چار سال گزر گئے ہیں اور لوگ اس کے پہلے خاوند کو بھول چکے ہیں۔ میرا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات مشہور ہوئی ہی نہیں کہ اس نے پہلے خاوند کو زہر دیا تھا اور لوگوں نے اس بات کو سچ مانا ہی نہیں۔ کہتے تھے کہ اس کے دشمنوں نے اس کو بدنام کرنے کی اوچھی کوشش کی ہے''۔

نمبردار کے ساتھ بہت باتیں ہوئی اور بہت ساری باتیں میں نے پوچھیں، ان سے میں نے یہ رائے نکالی کہ عورتیں تو اس شہر میں اور مقتول کے محلے میں اور بھی ہیں لیکن لوگوں کی نظریں زیادہ تر مقتول کی بیوی پر پڑتی تھیں اس واسطے کہ وہ خوبصورت عورت تھی اور بنی ٹھنی رہتی تھی، کپڑے نہایت اچھے پہنتی تھی اور پھر اس میں زندہ دلی بھی تھی اور ہنسی مذاق کرتی بھی تھی اور اس کو پسند بھی تھا کہ بات اچھے اور خوشگوار لہجے میں کی جائے۔ یہ عورت لوگوں کی نظریں اور توجہ اپنی طرف کھینچتی تھی۔ یہ اس کی قدرتی کشش تھی اور باقی اس کی عادتیں تھیں جن سے اس کشش میں اضافہ ہو گیا تھا۔

اس عورت کی بابت میں نے یہ بات کہانی پڑھنے والوں کی دلچسپی کے لیے سنائی ہے، جہاں تک میری دلچسپی کا تعلق تھا، وہ بات میرے سامنے ابھی تک نہیں آئی تھی۔ میں تو قاتل کا سراغ ڈھونڈ رہا تھا اور یہ سمجھ گیا تھا کہ قتل کا جو بھی باعث ہے، اس کے ساتھ اس عورت کا تعلق ضرور ہے اور گہرا ہے۔

آلۂ قتل یعنی خوبصورت دستے والا چاقو میرے دماغ میں اترا ہوا تھا۔ نمبردار نے بھی یہ چاقو دیکھا تھا بلکہ اچھی طرح دیکھا تھا۔ میں نے اس کو کہا کہ یہ کس طرح معلوم کیا جائے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کہ یہ چاقو کس کا ہے۔ نمبردار نے کہا کہ یہ چاقو کسی بدمعاش کا اور پیشہ ور غنڈے کا نہیں ہو سکتا۔ یہ تو کسی شوقین مزاج بندے نے اس کی خوبصورتی کے واسطے رکھا ہوا ہوگا۔ غنڈے بدمعاش تو لمبے اور کمانی دار چاقو رکھتے ہیں۔ بہرحال چاقو پر انگلیوں اور ہاتھ کے جو نشانات تھے وہ بڑے صاف خاص کاغذ پر اتر آئے تھے۔

مقتول کے اخلاق اور چال چلن کی بابت نمبردار نے وہی باتیں بتائیں جو مقتول کا بڑا بھائی بتا چکا تھا۔ نمبردار نے کہا کہ مقتول دوستی میں وفا کرنے والا آدمی نہیں تھا لیکن زبان اتنی پیاری کہ ہر کوئی اس کو اچھا سمجھتا تھا۔ نمبردار نے یہ خیال ظاہر کیا کہ مقتول کی بیوی مقتول کی باتوں میں آ گئی اور اس کو محبت سمجھ کر اس کے ساتھ شادی کر لی۔

''اب میں ایک اور بات آپ کے گوش گزار کرتا ہوں''۔۔۔ نمبردار نے کہا۔۔۔ ''لیکن یہ میں پورے یقین کے ساتھ نہیں کہوں گا۔ یہ محلے کی تین چار عورتوں کی رپورٹ ہے۔ وہ یہ ہے کہ چار چھ مہینوں سے مقتول نے بڑی سوتیلی بیٹی پر نظر رکھ لی تھی۔ ایک عورت نے یہ بھی بتایا کہ وہ وہ مقتول کے گھر گئی تو اس کی بیوی گھر نہیں تھی۔ اس کا بیٹا اور چھوٹی بیٹی بھی گھر نہیں تھی۔ عورت نے دیکھا کہ سامنے والے کمرے میں مقتول پلنگ پر بیٹھا تھا اور سوتیلی بیٹی کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ رہا تھا لیکن لڑکی پلنگ پر اس کے پاس نہیں بیٹھ رہی تھی۔ مقتول نے اس عورت کو دیکھ لیا اور لڑکی کا بازو چھوڑ دیا۔ لڑکی باہر نکل آئی اور اس عورت کو بٹھا کر باتیں کرنے لگی۔ پھر عورتوں عورتوں میں یہ بات چل نکلی اور کچھ مشہور ہو گئی''۔

''تمہیں اس بات پر یقین کیوں نہیں آیا؟''۔۔۔ میں نے پوچھا۔

''میں کچھ کہہ نہیں سکتا''۔۔۔ نمبردار نے جواب دیا۔۔۔ ''جب سوچتا ہوں کہ مقتول کچھ ایسے ہی اخلاق کا آدمی تھا تو مان لیتا ہوں کہ اس نے یہ گھٹیا حرکت کی ہوگی لیکن یہ سوچتا ہوں کہ اس کی بیوی نے اس کو اپنے قابو میں اتنی سختی سے رکھا ہوا تھا کہ اس کو ایسی جرأت نہیں ہو سکتی تھی''۔

نمبردار نے یہ بات کچھ یقین اور زیادہ تر شک میں کہی تھی لیکن اس کو میں نے ذہن میں رکھ لیا۔ نمبردار نے مقتول کی جس سوتیلی بیٹی کی یہ بات سنائی تھی وہ مقتول کی بیوی کے پہلے خاوند سے تھی اور اس کی شادی ہو چکی تھی اور چونکہ وہ ساتھ والے محلے میں ہی بیاہی گئی

تھی اس واسطے ماں کے پاس آئی رہتی تھی۔

مجھ کو شک یہ ہوا کہ مقتول اس لڑکی کے ساتھ اس طرح دست درازی کرتا ہوگا اور لڑکی نے اپنے خاوند کو بتا دیا ہوگا اور خاوند نے مقتول کو قتل کر دیا۔ کچھ ایسا شک بھی دماغ میں آیا کہ لڑکی نے اپنی ماں کو بتا دیا ہوگا اور اس نے مقتول سے باز پرس کی ہوگی اور بات بڑھ گئی ہوگی پھر بیوی نے مقتول سے اس طرح گلوخلاصی کرائی کہ اس کو قتل کروا دیا۔

میں نے نمبردار سے اس لڑکی کے خاوند کی بابت پوچھا تو نمبردار نے پورے اعتماد کے ساتھ کہا کہ اس شخص میں اتنی جرأت اور ہمت نہیں۔ ویسے بھی وہ ابھی نوجوانی کی عمر میں تھا۔ سیدھا سادہ اور کچھ زیادہ ہی شریف لڑکا تھا۔ نمبردار نے یہ بھی بتایا کہ مقتول کی بیوی نے اپنی اولاد کو بڑے سخت ڈسپلن میں رکھا ہوا تھا۔ اپنی اولاد سے نماز روزے کی پابندی کرواتی تھی۔ نمبردار نے پورے یقین کے ساتھ کہا کہ یہ لڑکی چال چلن کی خراب ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

میں نے مقتول کے سوتیلے بیٹے اور اس شادی شدہ بیٹی کو گھر کی کچھ باتیں معلوم کرنے کے واسطے بلانا ہی تھا لیکن اب ان کو شاملِ تفتیش کرنا اور ہی ضروری ہو گیا..... نمبردار کے ساتھ باتیں کرتے دو گھنٹے گزر گئے۔ میں نے اس کو گھر جانے کی اجازت دے دی اور تفتیش کی بابت کچھ کام اس کے ذمے لگائے جو سراغرسانی اور مخبری سے تعلق رکھتے تھے۔

اس کے جانے کے بعد میں نے کوئی ڈیڑھ گھنٹہ آرام کر لیا۔ مجھ کو وہ رات تھانے میں ہی گزارنی تھی۔ میں ساڑھے دس کے لگ بھگ تھانے پہنچا اور چوہدری کے تین غنڈوں میں سے ایک کو اپنے دفتر بلایا۔

تین پتھر جو ٹوٹتے نہیں تھے

یہ وہ جرائم پیشہ تھا جس کو ڈکیتی کی واردات میں سزا ہوئی تھی۔ اس کو دیکھتے ہی میں نے پہچان لیا۔ یہ تو اس تھانے کا مستقل مشتبہ تھا۔

وہ عام قسم کے شہری ہوتے تھے جن سے ہم بڑی شرافت سے پوچھ گچھ کیا کرتے تھے۔ بعض کے دلوں سے بھید نکالنے کے واسطے ان کے ساتھ اتنے بے تکلف ہو جایا کرتے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تھے کہ وہ مجھ کو دوست سمجھ کر بھید اُگل دیتے تھے۔ میں محترم ملک احمد یار خان کی طرح ایذا رسانی یعنی تھرڈ ڈگری انتہائی مجبوری کے عالم میں استعمال کیا کرتا تھا۔ مجھ کو اپنی عقل اور زبان پر اتنا بھروسہ تھا کہ ملزم کو بغیر تشدد اور ایذا رسانی کے اقبال جرم پر لے آیا کرتا تھا لیکن جو مشتبہ میرے سامنے بیٹھا ہوا تھا، اس قماش اور کلاس کے لوگوں سے پوچھ گچھ ہم کسی اور طرح کیا کرتے تھے۔

اس وقت کے عادی مجرم پتھر ہوا کرتے تھے۔ شرافت اور پیار سے بات کرو تو ہمیں نالائق اور کمزور سمجھنے لگتے تھے۔ ان سے ہم تفتیش بالکل اس طرح کیا کرتے تھے جیسے ہتھوڑے سے پتھر توڑے جاتے ہیں۔ میں نے اس عادی ڈکیت سے انتہائی مختصر بات کی۔

''میں نہ کوئی لمبی بات کروں گا نہ کوئی لمبی بات سنوں گا''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''صرف یہ بتا دو کہ قتل کی یہ واردات تم نے اکیلے کی ہے یا تمہارے یہ دو ساتھی بھی ساتھ تھے؟''

''نہیں جناب!''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ ''نہ میں نے یہ واردات کی ہے نہ ہی یہ واردات کرنے والے کے ساتھ تھا''۔

''دوسری بات یہ سن لو''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''اقبالی ہو جاؤ اور میں تمہیں وعدہ معاف گواہ بنا لوں گا''۔

اس نے اچھل اچھل کر اور قسمیں کھا کھا کر اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنا شروع کر دیا۔ وہ قسمیں کھاتا تھا اور ہاتھ جوڑ کر منتیں بھی کرتا تھا کہ میں اس پر جھوٹا الزام عائد نہ کروں۔

''کیا تمہارا چوہدری مقتول کا دشمن نہیں تھا؟''۔۔۔ میں نے پوچھا۔

''ہاں جناب!''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ ''دشمنی بڑی پکی تھی''۔

''کیا چوہدری نے تمہیں یہ نہیں کہا تھا کہ اس شخص کو صاف ہی کرنا پڑے گا؟''۔۔۔ میں نے پوچھا۔

''ہاں جناب!''۔۔۔ اس نے دو تین سیکنڈ سوچ کر جواب دیا۔۔۔ ''چوہدری نے یہ بات کہی تھی''۔

''اور تم نے کہا تھا کہ یہ کام تم کر دو گے''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''اور چوہدری نے کہا تھا کہ ایک دو دن انتظار کرو''۔

اس نے یہ بات بھی تسلیم کر لی۔ اس وقت تک مجھ کو چوہدری، مقتول کی بیوی کی بابت جتنی باتیں معلوم ہوئی تھیں وہ اس مشتبہ سے پوچھیں۔ اس نے ہر بات کی تصدیق کر دی۔ کسی ایک بات کو بھی نہ جھٹلایا اور نہ یہ کہا کہ اس کو معلوم نہیں لیکن بات جب قتل پر آتی تھی تو وہ اس جرم سے انکار کر دیتا تھا۔ اس نے یہاں تک مان لیا کہ چوہدری مقتول کے قتل کی باتیں کرتا رہتا تھا۔

''ایک اور بات بتاؤ''۔۔۔ میں نے پوچھا۔۔۔ ''ایسا تو نہیں ہوا کہ مقتول کی بیوی نے خفیہ طریقے سے چوہدری کے ساتھ دوستی لگا لی ہو؟''

''نہیں صاحب!''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ ''اس عورت نے چوہدری کی بے عزتی کر ڈالی تھی۔ چوہدری تو یہ بھی کہتا تھا کہ غائب کروں گا تو اکیلے اس عورت کے خاوند کو نہیں بلکہ اس عورت کو بھی لاپتہ کر دوں گا''۔

میں نے بہت کوشش کی کہ یہ شخص میری باتوں میں آ جائے اور مان لے لیکن یہ شخص وہی بھوت نکلا جو باتوں کی بجائے لاتوں کی زبان سمجھتے ہیں۔

میں نے ایک ہیڈ کانسٹیبل کو بلا کر اس شخص کو اس کے حوالے کر دیا اور کہا کہ اس کے دوسرے ساتھی کو اندر بھیج دو۔ دوسرا ساتھی میرے سامنے آیا تو میں اس نے اس کو بٹھا لیا اور بالکل یہی باتیں اس کے ساتھ کیں، یہی سوال پوچھے اور اس کو بھی کہا کہ وہ اقبالی ہو جائے اور میں اس کو وعدہ معاف گواہ بنا لوں گا۔ یہ بھی قسمیں کھاتا اور اپنی بے گناہی ثابت کرتا تھا۔ اس کے ساتھ بھی میں نے کوئی بحث مباحثہ نہ کیا۔ اپنے ڈکیت ساتھی کی طرح اس نے بھی ہر اس بات کی تصدیق کی جو مجھ کو پہلے معلوم ہو چکی تھی بلکہ اس نے اپنے پکے شک کا اظہار کیا کہ چوہدری مقتول کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا اور اس نے اس کو قتل کروایا ہے لیکن قاتل کوئی اور تھا جس کا اس کو علم نہیں تھا۔ اس نے یقین کے ساتھ کہا کہ اس کے دونوں ساتھی قتل کی واردات میں شامل نہیں تھے۔

یہ دونوں پکے جرائم پیشہ تھے اس واسطے مجھ کو خوش کرنے کی پوری پوری کوشش کر رہے تھے لیکن قتل کی واردات کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اس شخص نے بھی مجھ پر یہ ظاہر کیا کہ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وہ اس وقت چوہدری کا نہیں بلکہ میرا دوست ہے۔ میں کوئی اناڑی نہیں تھا۔ مجھ کو معلوم تھا کہ پکا جرائم پیشہ آدمی اور پیشہ ور قاتل بھی قتل کی واردات کو اتنی آسانی سے تسلیم نہیں کیا کرتا۔

اس کو بھی میں نے ہیڈ کانسٹیبل کے حوالے کر کے کہا کہ تیسرے آدمی کو بھیج دے..... یہ وہ آدمی تھا جس نے خاندانی دشمنی کی بنا پر ایک آدمی کو قتل کیا اور اپیل میں بری ہو گیا تھا۔ قاتل یہی تھا۔

''اوئے دیکھ اوئے جانگلی!''۔۔۔ میں نے اس کو کہا۔۔۔ ''اپنے آپ کو ان دونوں ساتھیوں جیسا عادی مجرم اور بدمعاش نہ سمجھ۔ یہ دونوں جتنی مار برداشت کر سکتے ہیں اس کا دسواں حصہ بھی تم برداشت نہیں کر سکو گے۔ اگر ایک قتل میں بری ہو گئے تو یہ نہ سمجھو کہ اس واردات کی سزا سے بھی بچ جاؤ گے۔ اپنی جوانی برباد نہ کرو اور اقبالی ہو جاؤ۔ میں تمہیں وعدہ معاف گواہ بنالوں گا''۔

اس کا ردِعمل بالکل اپنے دونوں ساتھیوں جیسا تھا۔ وہ دونوں ساتھی تو بڑے پکے پتھر تھے، اس تیسرے نے اتنی زیادہ منت سماجت کی کہ اس کے آنسو بہہ نکلے۔ میں نے اس پر دباؤ ڈالا اور پورا زور لگایا کہ یہ اقبالی بیان دے دے اور میں اس کو وعدہ معاف گواہ بنالوں لیکن میں اس کو اس طرف لاتا تھا تو وہ واویلا برپا کر دیتا تھا۔

میں نے محرر ہیڈ کانسٹیبل کو بلا کر کہا کہ وہ ان تینوں کے دونوں ہاتھوں کے نشانات الگ الگ کاغذوں پر اتار لے۔

ہیڈ کانسٹیبل کو معلوم تھا کہ یہ کام کس طرح کیا جاتا ہے۔ اس کے پاس مہریں لگانے والا پیڈ تھا۔ تینوں کے پورے پورے ہاتھوں کے نشان کاغذ پر اتار لئے گئے۔ ان نشانات کو جو چاقو سے اتارے گئے تھے پھلور بھیجنا تھا۔ فنگر پرنٹ بیورو پھلور میں تھا۔

میں نے پھر ایک اور کانسٹیبل کو بلا کر کہا کہ ان تینوں کو الگ الگ لے جا کر ان کے دماغ درست کرے۔ کانسٹیبل سمجھتا تھا کہ میرا مطلب کیا ہے۔ ان کو ٹارچر کی چکی میں پیسنا تھا۔ میں نے پہلے کہا ہے کہ اس وقت کے جرائم پیشہ افراد بڑے پکے پتھر ہوا کرتے تھے۔ ہمارے پاس ایسے طریقے موجود تھے۔ جو پتھروں سے دودھ نکال لیا کرتے تھے۔

میرے دماغ پر چوہدری سوار تھا۔ اس کو میں صبح بلوا سکتا تھا لیکن پریشان کرنے کی

نیت سے میں نے اسی وقت ایک کانسٹیبل کو بھیجا کہ وہ چوہدری کو جگا کر ساتھ لے آئے۔

میں نے اپنی پچھلی کہانیوں میں کئی بار تحریر کیا ہے کہ اس زمانے میں تھانوں میں مک مکا کا تصور ہی نہیں تھا نہ چھوٹے بڑے کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ آج کل تو تھانیدار کسی بڑے چوہدری کو تھانے بلانے سے پہلے سوچتے ہیں کہ یہ شخص کسی اسمبلی ممبر یا وزیر کا رشتہ دار تو نہیں!..... بعض تھانیدار صرف اس واسطے کسی بڑے چوہدری کو تھانے بلا لیتے ہیں کہ آدمی روپے پیسے والا تھا، مک مکا کر لیں گے۔ میں نے جب اس چوہدری کو بلوایا تو یہ خیال تک نہ آیا کہ یہ شہر کا بڑا چوہدری ہے۔

چوہدری کا گھر دور نہیں تھا۔ آدھے گھنٹے کے اندر اندر وہ آ گیا اور سیدھا میرے دفتر میں آیا۔ اس کے چہرے پر نیند کا اثر تھا اور کچھ گھبراہٹ سی بھی تھی لیکن چوہدریوں والا رعب مجھ کو نظر نہ آیا۔ میں نے اٹھ کر اس سے ہاتھ ملایا اور کرسی پر بٹھایا۔ اس نے بڑی سنجیدگی اور حیرانگی سے پوچھا کہ میں نے اس کو رات کے اس وقت کیوں بلوایا ہے۔

''چوہدری صاحب!''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''میں بھی تو جاگ رہا ہوں اور پورا تھانہ بیدار اور چوکس ہے۔ ایک آدمی قتل ہو گیا ہے میں تفتیش کر رہا ہوں اور قاتل تک بہت جلدی پہنچنے کی کوشش میں ہوں''۔

''میں آپ کا خادم ہوں، جو خدمت کہیں وہ کروں گا''۔۔۔ چوہدری نے کہا۔۔۔ ''لیکن یہ تو بتائیں کہ اس قتل یا قاتل کا ساتھ میرا کیا تعلق ہے!''

''میں بات لمبی نہیں کروں گا چوہدری صاحب!''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''اس قتل کے ساتھ آپ کا اور صرف آپ کا تعلق ہے۔ میں دل سے آپ کا احترام کرتا ہوں۔ ابھی یہ معاملہ میرے ہاتھ میں ہے۔ میری مانیں اور آرام سے بتا دیں کہ یہ واردات آپ نے خود کی ہے یا کروائی ہے!''

''جناب خان صاحب!''۔۔۔ چوہدری نے ہاتھ میرے منہ کی طرف بڑھا کر کہا۔۔۔ ''کیا آپ مجھ کو ان لوگوں جیسا سمجھتے ہیں جن کو آپ نے تھانے بلوایا ہے..... یہ تو عادی مجرموں کی دنیا کے لوگ ہیں''۔

''یہ ٹھیک کہا آپ نے!''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''پھر یوں کہیں کہ یہ واردات آپ نے اپنے ان آدمیوں سے کروائی ہے۔ اب یہ بتا دیں کہ یہ واردات ان تینوں نے کی ہے یا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ایک یا دو نے!''

''خان صاحب!''۔۔۔ چوہدری نے احتجاج کے لہجے میں کہا۔۔۔ ''میری حیثیت دیکھیں، مجھ کو ان چوراچکوں کی صف میں نہ کھڑا کریں۔ ان کے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں''۔

''چوہدری صاحب!''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''ابھی آپ یہ بھی کہیں گے کہ مقتول کے ساتھ بھی آپ کا کوئی اچھا یا برا تعلق نہیں تھا اور یہ کہ مقتول کی بیوی کے ساتھ بھی آپ کا کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی آپ کا کوئی تعلق کامی سے ہے..... چوہدری صاحب! آپ نے بات لمبی کر دی ہے، میرے پاس اتنا وقت نہیں۔ صرف یہ بتا دیں کہ اس مقتول کو آپ نے قتل کروایا ہے یا نہیں..... مجھ کو ہاں اور نہ کا جواب چاہئے۔ یہ سوچ کر جواب دیں کہ میرے پاس آپ کے خلاف پوری شہادت آ گئی ہے اور آپ کے ان تین آدمیوں میں سے ایک نے اقبالی بیان دے دیا ہے۔ اب بولیں آپ کیا فرماتے ہیں!''

''نہیں خان صاحب!''۔۔۔ چوہدری نے کہا۔۔۔ ''آپ مجھ پر زیادتی کر رہے ہیں۔ کوئی دشمن آپ کو میرے خلاف بھڑکا رہا ہے''۔

میں اٹھا اور دروازے میں جا کر ہیڈ کانسٹیبل کو آواز دی، وہ آیا تو اس کو کہا کہ چوہدری صاحب کو حوالات میں بٹھا دے، یہ صبح تک سوچ کر جواب دیں گے۔ ہیڈ کانسٹیبل نے چوہدری کو بازو سے پکڑا لیکن چوہدری اٹھ ہی نہیں رہا تھا۔ کچھ نہ کچھ بولے جا رہا تھا۔ میں چپ چاپ دیکھتا رہا اور جب دیکھا کہ یہ اٹھتا ہی نہیں تو میں نے دو کانسٹیبلوں کو بلایا اور کہا کہ اسے اٹھاؤ اور حوالات میں پھینک دو۔ تب چوہدری اٹھا اور اس کو حوالات میں بند کر دیا۔

رات کا آخری پہر شروع ہو چکا تھا۔ میں نے تھانے میں یہ کہا کہ کل صبح سب مخبر یہاں موجود ہوں، اور میں گھر چلا گیا۔ مجھ کو چوہدری اور اس کے جرائم پیشہ آدمیوں کا کوئی غم فکر نہیں تھا۔ چوہدری کو ابھی تو حوالات میں بند کیا تھا، اسے بھی ایذا رسانی کے عمل میں ڈالنا تھا لیکن ایک دن کا انتظار ضروری تھا۔

ماں سے زیادہ خوبصورت

میں اگلی صبح اپنے معمول کے وقت سے ذرا لیٹ تھانے گیا۔ چار پانچ مخبر آئے بیٹھے

تھے۔ ان میں دو چھوٹی چھوٹی وارداتیں کرنے والے پیشہ ور تھے اور باقی معمولی درجے کے آدمی تھے اور جرائم سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ میں نے ان سے الگ الگ رپورٹیں لیں۔ ہر ایک کو چاقو دکھایا اور کہا کہ میں اس شخص کو انعام دوں گا جو یہ سراغ لگا لے گا کہ یہ چاقو کس کا ہے۔

ان سب نے جو رپورٹیں دیں ان میں میرے واسطے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ تقریباً ان ہی باتوں کی تصدیق تھی جو مجھ کو پہلے ہی معلوم ہو چکی تھیں۔ صرف ایک نے بتایا کہ مقتول کے گھر میں کوئی نہ کوئی کھینچا تانی ضرور موجود تھی۔ میں نے اس کو بتایا کہ مقتول کی بیوی کی پہلے خاوند سے جو بڑی بیٹی ہے، اس کے ساتھ مقتول کا رویہ کیا تھا۔

''یہی بات شک والی ہے''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ ''لڑکی تو شریف اور نیک ہے لیکن مقتول نہ تو شریف آدمی تھا نہ اس میں نیکی کی کوئی خصلت موجود تھی۔ میں صرف شک پر بات کر رہا ہوں۔ بیوی کو مقتول کے خلاف کوئی نہ کوئی بات معلوم ہوئی تھی جس پر ان کے درمیان کوئی نہ کوئی کھینچا تانی ضرور موجود تھی''۔

میں اس شک کی تصدیق یا تردید مقتول کی بیوی سے کروا سکتا تھا لیکن تفتیش کی جو شکل بنتی جا رہی تھی اس کو دیکھتے ہوئے میں نے یہ بہتر سمجھا کہ ابھی اس عورت کو نہ چھیڑا جائے۔ پہلے تھوڑی بہت ٹھوس شہادت کا حاصل کرنا ضروری تھا۔ ان مخبروں کو میں نے یہ کہہ کر چھٹی دے دی کہ وہ اس کام میں لگے رہیں اور بچے بچے سے معلوم کرتے رہیں اور کوئی نہ کوئی سراغ نکالیں۔

اس محلے کے دو معززین آئے بیٹھے تھے۔ میں نے دونوں کو اکٹھے ہی اپنے پاس بٹھا لیا۔ انہوں نے بھی ان باتوں کی تصدیق کی جو پہلے سن چکا تھا۔ ان کو بہت کریدا لیکن انکشاف والی کوئی نئی بات نہ نکلی۔ یہ شک ضرور سامنے آیا کہ مقتول اور اس کی بیوی میں اگر ناچاقی نہیں تھی تو کوئی نہ کوئی ایسی وجہ ضرور موجود تھی کہ ان میں پہلے والا پیار اور خلوص نہیں رہا تھا۔ مقتول کی بیوی کی بابت انہوں نے بتایا کہ اس کو خراب چال چلن والی عورت نہیں کہا جا سکتا لیکن اس قدر مکار عورت ہے کہ پتہ ہی نہیں چلنے دیتی کہ اس کی زبان پر جو بات ہے، یہی اس کے دل میں ہے یا معاملہ الٹ ہے۔ ان میں سے ایک نے مقتول کی بیوی کی بابت کہا کہ یہ بڑی گہری اور بڑی مہنگی عورت ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ان سے میں نے چوہدری کی بابت پوچھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کی تائید کر ہوئے یہ رائے دی کہ چوہدری کے تعلقات غلط قسم کے لوگوں کے ساتھ ہیں۔ انہوں نے ان غنڈوں کے نام لیے جو چوہدری کے اردگرد گھومتے اور اس کے گھر میں بھی آتے جاتے تھے۔ انہوں نے وجہ یہ بتائی کہ چوہدری اپنا رعب بنانے کی کوششوں میں لگا رہتا ہے۔

ان دونوں معززین نے یہ بھی بتایا کہ مجھ سے پہلے جو تھانیدار اس تھانے میں رہ چکے تھے، چوہدری ان کو کھلاتا پلاتا اور ان کا غلام بنا رہتا تھا۔ پھر وہ ہر جگہ اپنا رعب جماتا کہ نامی گرامی غنڈے بھی اس کی مٹھی میں ہیں۔ ویسے چوہدری میں اتنی جرأت نہیں ہونی چاہئے کہ کسی کو قتل کروا دے۔ مختصراً عرض کرتا ہوں کہ ان دونوں کی رائے کے مطابق چوہدری پھوکا اور کھوکھلا آدمی تھا۔

وہ کھوکھلا تھا یا جیسا کیسا بھی تھا، میرا شک اس پر ابھی تک قائم تھا اور میں اس کو اور اس کے آدمیوں کو ابھی چھوڑنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

ان کے جانے کے بعد میں نے مقتول کی بیوی سے پہلے خاوند کے بیٹے اور بڑی بیٹی کو تھانے بلوایا۔ دونوں آئے تو ان کی ماں بھی ساتھ تھی اور بڑی بیٹی کا خاوند بھی ساتھ تھا۔ میں نے ماں اور خاوند کو اطمینان دلایا کہ وہ پریشان نہ ہوں، ان سے کچھ باتیں پوچھ کر گھر بھیج دوں گا اور اگر وہ دونوں ان کے انتظار میں رکنا چاہتے ہیں تو باہر بیٹھیں۔ یہ کہہ کر میں نے لڑکی کو اپنے پاس بٹھائے رکھا اور باقی سب کو باہر بھیج دیا۔

لڑکی تو بہت ہی گھبرائی بلکہ ڈری ہوئی تھی۔ میں نے ایک بات دیکھی کہ یہ لڑکی اپنی ماں سے زیادہ حسین اور ایک خاص کشش والی تھی۔ اس کی گھبراہٹ اور اس کا ڈر بالکل بجا تھا۔ میرے واسطے ضروری تھا کہ اس کو گھبراہٹ اور ڈر سے آزاد کراؤں۔ میں نے شفقت کے لہجے میں اس کے ساتھ ہمدردی شروع کر دی اور پوچھا کہ اس کا باپ تو اس کو یاد آتا ہوگا۔ وہ مجھ کو چپ چاپ دیکھے جا رہے تھی۔ باپ کا ذکر آیا تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

میں نے اس کے مطابق اپنا انداز ذرا بدل دیا اور پہلے سے زیادہ شفقت شروع کر دی۔ یہ میں پوری طرح نہیں سنا سکتا کہ اسے کس طرح نارمل حالت میں لانے میں کامیاب ہو گیا۔ اب میں اس کی جو باتیں سناؤں گا وہ نارمل حالت والی ہوں گی..... اس

نے جب بولنا شروع کیا تو میں نے صاف طور پر دیکھا کہ اس کے دل میں باپ کی محبت تھی اور اس کی موت کا بہت ہی غم تھا۔ مقتول یعنی سوتیلے باپ کا تو وہ جیسے نام ہی نہیں سننا گوارہ کرتی تھی۔ میں ان باتوں کے درمیان میں کچھ ایسی باتیں بھی شروع کر دیتا تھا جن کا تعلق قتل کی اس واردات کے ساتھ نہیں تھا۔ یہ میں دانستہ کر رہا تھا اور مجھ کو اس کا صحیح نتیجہ ملا۔ وہ یہ کہ وہ میرے ساتھ کھل کر باتیں کرنے لگی۔

میں نے اپنے لہجے میں نفرت بھر کر کہا کہ اس کے سوتیلے باپ کی بابت لوگ اچھی رائے نہیں رکھتے، کہتے ہیں کہ اخلاقی لحاظ سے ٹھیک آدمی نہیں تھا اور کسی نے اس کو غیرت کے پیچھے قتل کر ڈالا ہے۔

لڑکی تو جیسے میرے منہ سے یہی بات سننا چاہتی تھی۔ میں نے لڑکی کے چہرے کا تاثر ذرا بدلتا دیکھا تو مقتول کے خلاف ایک دو اور باتیں کہہ دیں۔

''اگر آپ میری یہ بات پردے میں رکھیں تو میں آپ کو بتاتی ہوں کہ یہ شخص کس قدر بدکار تھا''۔۔۔ لڑکی نے کہا۔۔۔ ''میں اس کی بیٹی تھی لیکن اس نے مجھ کو بھی نہیں بخشا۔ میری ماں کے ساتھ شادی کر لی تو تین سال بعد اس نے وہی حرکتیں میرے ساتھ شروع کر دیں''۔

لڑکی نے مقتول کے جو کرتوت مجھ کو سنائے وہ میں ذرا مختصر کر کے تحریر کر رہا ہوں۔

پہلے اڑھائی تین سال تو مقتول نے اس لڑکی کے ساتھ ایسا سلوک روا رکھا جیسے وہ لڑکی کو بیٹی سمجھ کر پیار کرتا ہے لیکن قتل سے سات آٹھ مہینے پہلے مقتول نے لڑکی کے ساتھ صاف الفاظ میں محبت کا اظہار اور دست درازی شروع کر دی۔ لڑکی کی ماں کے پاس آتی رہتی تھی۔ ماں کی موجودگی میں مقتول لڑکی کے ساتھ اسی طرح باتیں کرتا تھا کہ جس طرح باپ اپنی کسی پیاری بیٹی کے ساتھ کرتا ہے لیکن ماں گھر نہ ہوتی تو مقتول اس لڑکی کو اپنے ساتھ پلنگ پر بٹھاتا اور اس کے گلے میں بازو ڈال دیتا اور اس طرح پیار اور محبت کا عملاً اظہار کرتا تھا جس طرح جوان جوڑے آپس میں کیا کرتے ہیں۔

میں نے لڑکی کو یاد دلایا کہ ایک بار مقتول اس کو پلنگ پر بٹھانے کے واسطے گھسیٹ رہا تھا تو اچانک محلے کی ایک عورت گھر میں داخل ہوئی اور اس نے دیکھ لیا تھا..... لڑکی کو یاد آ گیا اور اس نے کہا کہ ایسا ہوا تھا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ وہ ڈرتی رہی کہ وہ عورت یہ بات

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سب کو سنائے گی۔

''تم شاید سن کر حیران ہو گی''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''مجھ کو مقتول کا یہ گھنیا رو یہ دوسروں کی زبانی پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے۔ تم نے اچھا کیا ہے کہ ان باتوں کی تصدیق کر دی ہے..... یہ بتاؤ کہ تم نے یہ بات اپنی ماں یا خاوند کو یا اپنے بھائی کو نہیں بتائی تھی؟''

''نہیں!''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''چھوٹے بھائی کو بتائی تھی''..... یہ کہہ کر وہ چونک پڑی اور میں نے اس کے چہرے پر تاثر کی صاف تبدیلی دیکھی جیسے وہ کچھ ڈر گئی ہو۔ اس نے بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔۔۔ ''نہیں..... نہیں..... نہیں..... بھائی کو نہیں بتائی تھی۔ یہ جو کہا ہے کہ بھائی کو یہ بات بتائی تھی، اس سے میرا مطلب کچھ اور ہے۔ خاوند کو یہ سوچ کر نہیں بتایا کہ وہ ماں کے پاس میرا آنا جانا بند کرا دے گا اور ماں کو اس واسطے نہیں بتایا کہ ان میاں بیوی میں لڑائی مار کٹائی تک نوبت پہنچ جائے گی۔ میں ان کی زندگی میں زہر نہیں گھولنا چاہتی تھی۔ یہی بہتر سمجھا کہ ماں کے پاس آنا ذرا کم کر دوں اور اس شخص سے اپنے آپ کو بچائے رکھوں۔ اس معاملے میں اللہ نے میری مدد کی اور یہ شخص اپنی بدنیتی اور بدی میں کامیاب نہ ہو سکا''۔

لڑکی سے یہ باتیں پوچھنے سے میرا مقصد یہ تھا کہ قتل کا باعث مقتول کا لڑکی کے ساتھ یہی سلوک نہ ہو!..... اگر میرا یہ شک صحیح نکلتا تو قاتل اس لڑکی کا خاوند ہو سکتا تھا یا اس کا چھوٹا بھائی۔ چھوٹا بھائی کوئی بہت چھوٹا نہیں تھا، اس کی عمر سترہ سال ہو گئی تھی لیکن مجھ کو مایوسی ہوئی کہ لڑکی نے کسی کو بتایا نہیں تھا البتہ ایک بات پر مجھ کو کچھ وہم سا ہو گیا۔

بات یہ تھی کہ میں نے لڑکی سے پوچھا تھا کہ اس نے مقتول کا یہ سلوک کسی کو بتایا تھا؟ لڑکی نے سب سے پہلے یہ کہا کہ اپنے بھائی کو بتایا تھا لیکن یہ کہہ کر چونک پڑی اور اس کے چہرے کا تاثر بدل گیا اور پھر بولی کہ بھائی کو نہیں بتایا تھا۔ یہ بات کہتے ہوئے اس کی زبان کچھ رک رک کر بولی تھی۔

اس وہم کو دماغ میں رکھ کر میں نے لڑکی سے ایسی باتیں شروع کر دیں جن سے میری مراد یہ تھی کہ معلوم ہو جائے کہ اس نے بھائی کو یہ بات بتائی تھی یا نہیں۔ یہ ایک خاص انداز ہوتا ہے۔ بات کچھ اور کی جاتی ہے اور ذرا سا شوشا اپنے مطلب کا چھوڑا جاتا ہے۔ مجھ کو لڑکی نے مایوس کر دیا۔

مجھ کو جب تسلی ہو گئی کہ اس لڑکی کو میں نے ہر پہلو سے کرید لیا ہے اور اب میرے پاس کوئی سوال نہیں رہ گیا تو اس کو یہ کہہ کر باہر جانے کو کہا کہ اپنے بھائی کو بھیج دے۔ وہ اٹھی اور کہنے لگی کہ مقتول کی بابت اس نے جو جو باتیں بتائی ہیں وہ کسی کو نہ بتاؤں یا یہ نہ بتاؤں کہ میں نے اس سلسلے میں کوئی بات کی ہے۔ میں نے اس کو تسلی دی کہ وہ گھبرائے نہیں۔ وہ جب اٹھنے لگی تو مجھ کو ایک ضروری بات یاد آ گئی۔

''ایک اور بات!''۔۔۔ میں نے پوچھا۔۔۔ ''کیا تمہاری امی اور سوتیلے باپ کے درمیان کوئی ناراضگی یا کھچاؤ رہتا تھا؟''

''ناراضگی تو نہیں کہا جا سکتا''۔۔۔ لڑکی نے جواب دیا۔۔۔ ''کچھ مہینوں سے میں کھچاؤ سا دیکھ رہی تھی۔ یہ کھچاؤ میرے خیال میں اس واسطے تھا کہ میرے سوتیلے باپ کا دل میری ماں سے بھر گیا تھا اور وہ امی سے کچھ کچھ اکتانے لگا تھا..... وہ آدمی ہی ایسا تھا..... بے وفا اور خود غرض!''

وہ کمرے سے نکلی تو اس کا بھائی میرے دفتر میں داخل ہوا۔ خوبصورت نوجوان بلکہ لڑکا تھا اور جسم کے لحاظ سے صحت مند اور تنومند لگتا تھا لیکن وہ اس قدر ڈرا اور گھبرایا ہوا تھا کہ اس کے کندھے آگے کو جھک آئے تھے اور سر بھی ذرا نیچے کو آ گیا تھا۔ وہ اس طرح خوفزدہ نظروں سے مجھ کو دیکھتا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا آ رہا تھا جیسے میں ابھی اٹھ کر اس پر حملہ کر دوں گا اور اس کو چیر پھاڑ دوں گا۔

''آ میرے بھائی!''۔۔۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔۔۔ ''تم جیسے شیر اس طرح ڈر ڈر کر تو نہیں چلا کرتے!''

وہ میرے قریب پہنچ چکا تھا۔ میری بات سن کر اس نے وہیں بریکیں لگا لیں اور اس کے چہرے پر خوف کا تاثر اور زیادہ نمایاں ہو گیا۔ وہ آنکھیں پھاڑے مجھ کو دیکھ رہا تھا۔ میں نے کہا، بیٹھ جاؤ یار، ڈر کس سے رہے ہو؟ مجھ کو تھانیدار نہیں اپنا بھائی سمجھو، بیٹھ جاؤ..... وہ بیٹھ تو گیا لیکن سخت خوفزدگی کے عالم میں رہا۔ اس کے ساتھ بھی میں نے ویسا ہی مشفقانہ انداز اور رویہ اختیار کیا جیسا اس کی بہن کے ساتھ کیا تھا۔ اس کے ساتھ بھی اظہارِ ہمدردی کیا اور اس کے مرحوم باپ کا ذکر کیا۔ وہ لڑکی تھی لیکن اس نے میرے رویے اور باتوں سے حوصلہ لے لیا تھا اور اس میں بات کرنے کی جرأت پیدا ہو گئی تھی لیکن یہ مرد ہوتے ہوئے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بھی خوفزدہ ہی رہا۔ میں کوئی بات پوچھتا تو وہ فوراً جواب دینے کی بجائے دو چار سیکنڈ احمقوں کی طرح میرے منہ پر نظریں جمائے رکھتا پھر انتہائی مختصر الفاظ میں جواب دیتا تھا۔ مثلاً میں نے اس سے پوچھا کہ اس کی ماں اور سوتیلے باپ کا آپس میں سلوک برتاؤ کیسا ہے تو اس لڑکے نے کچھ دیر بعد جواب دیا، ٹھیک ہے۔ دو تین موقعوں پر تو مجھ کو اس پر غصہ آ گیا لیکن میں نے غصہ پی لیا۔

مجھ کو یہ خیال آ گیا کہ یہ ماں کا اکلوتا بیٹا ہے اور ماں نے اس لاڈ پیار سے بگاڑ دیا ہے اور اس کی شخصیت میں مردانگی پیدا ہونے ہی نہیں دی۔

میں نے اس کے ساتھ اس کے سوتیلے باپ کے اس بدنیتی والے سلوک کا ذکر کیا جو وہ اس کی بہن سے کرتا تھا پھر اس سے پوچھا کہ اس کو معلوم ہے کہ یہ بات سچ ہے یا نہیں۔ اس لڑکے نے اپنے خوفزدہ انداز کو برقرار رکھتے ہوئے چار پانچ سیکنڈ بعد جواب دیا ــــ ''پتہ نہیں'' ــــ مجھ کو تو یہ توقع تھی کہ میری بات سن کر وہ جھٹکا محسوس کرے گا اور غیرت مندی اس کو بیدار کر دے گی لیکن اس کے انداز میں ذرا سی بھی تبدیلی نہ آئی۔

میں نے اس کو ذرا بے تکلف کرنے کے واسطے ایک دو باتیں مذاق کے لہجے میں کہیں لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔

پھر میں نے اسے پوچھا کہ اس کو اپنا باپ تو یاد آتا ہوگا۔ اس نے گردن کو خم دے کر سر ہلایا جس کا مطلب غالباً یہ تھا کہ ہاں، یاد آتا ہے۔ پھر پوچھا کہ سوتیلا باپ اس کو اپنا بیٹا سمجھتا تھا یا نہیں۔ اس نے حسب معمول کچھ سیکنڈ گزار کر کہا ــــ ''ٹھیک ہے''۔

میں سمجھ گیا کہ یہ کس ٹائپ کا لڑکا ہے۔ یہ ماں باپ کے بے جا اور ضرورت سے زیادہ لاڈ پیار کا بگڑا ہوا بیٹا تھا۔ باپ کے مرنے کے بعد ماں نے اس کو اور زیادہ اپنے پروں کے نیچے دبا لیا ہوگا۔ ایک تو جھلے ہوتے ہیں جو دراصل پاگل ہوتے ہیں۔ اس قسم کے آدمی کو یملا کہا جاتا ہے۔ میں جس علاقے کی واردات سنا رہا ہوں، اس علاقے میں اس قسم کے آدمی کو لولا کہا جاتا ہے جس کا مطلب ہے یملا۔ یہ کم عقلی کا سب سے زیادہ نیچے والا درجہ ہوتا ہے جہاں آدمی عقل سے عاری ہو جاتا ہے لیکن اس کو پاگل نہیں کہا جا سکتا۔ اس لڑکے کو میں نے یملا سمجھ کر اپنے واسطے بیکار قرار دے دیا اور کہا کہ جاؤ اپنی ماں کے پاس!..... یکلخت اس میں کرنٹ آ گئی۔ بڑی ہی تیزی سے اٹھا اور اس سے زیادہ تیزی

سے چلتا میرے دفتر سے نکل گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے میں باہر نکلا اور ان سب کو کہا کہ چلے جائیں۔

میں حوالات کے دروازے پر جا کھڑا ہوا۔ سلاخوں میں سے اندر دیکھا، چوہدری تین جرائم پیشہ حوالاتیوں سے ذرا ہٹ کر دیوار کے ساتھ فرش پر بیٹھا ہوا تھا اور اس نے سر گھٹنوں پر رکھا ہوا تھا۔ مجھ کو دیکھ کر حوالاتیوں نے بلند آواز سے سلام کیا تو چوہدری نے سر اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا، اٹھ کر دروازے کے ساتھ آن لگا اور اس نے بڑی تیزی سے بولنا شروع کر دیا۔ وہ اپنے آپ کو بے گناہ اور مجھ کو بے انصاف ثابت کر رہا تھا۔ اس کے واسطے یہی ٹارچر کافی تھا کہ اتنا بڑا چوہدری حوالات میں ننگے فرش پر بیٹھا ہوا تھا اور جرائم پیشہ آدمی اس کے ساتھ بند تھے۔

''چوہدری صاحب!'' ــــ میں نے کہا ــــ ''میں یہ نہیں کہتا کہ قتل آپ نے خود کیا ہے، آپ نے قتل کروایا ہے۔ ان کے نام بتا دیں پھر میں آپ کے بچنے کی صورت پیدا کر لوں گا۔ کسی کے پاس ایسا ثبوت نہیں کہ آپ نے قاتلوں سے کہا تھا کہ فلاں شخص کو قتل کر دو۔ آپ عدالت میں کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے کسی کو کسی کے قتل پر آمادہ نہیں کیا تھا۔ قاتل پکڑوا دیں اور میں نہایت عزت اور احترام سے آپ کو یہاں سے رخصت کروں گا''۔

وہ نہیں مانتا تھا۔ کبھی غصے میں بولنے لگتا اور کبھی منت سماجت پر اتر آتا۔ میں وہاں سے چلا آیا اور یہ دیکھنے چلا گیا کہ ان تین مشتبہ افراد کی کیا حالت ہے جن کو ساری رات ایذا رسانی کے عمل میں رکھا گیا ہے۔

وہ الگ الگ تین مختلف جگہوں پر تھے۔ میں ہر ایک کے پاس گیا اور پوچھا کہ ان کا کیا ارادہ ہے۔ ان کی حالت خاصی بُری ہو چکی تھی لیکن کسی ایک نے بھی اقبالی ہونے کی بات نہیں کی۔ وہ روتے، ہاتھ جوڑتے اور منتیں کرتے تھے کہ ان کو بے گناہ رگڑا جا رہا ہے..... اس طرح جب ایک سے زیادہ مشتبہوں کو ایذا رسانی کی چکی میں ڈالا جاتا تھا تو ہم لوگ ایک اور طریقہ بھی اختیار کیا کرتے تھے۔ وہ اس طرح تھا کہ خاصا ٹارچر کر کے ایک کو جا کر کہتے تھے کہ تم رگڑا کھاتے رہو، تمہارے ساتھی نے اقبالی بیان دے دیا ہے۔ پوری کوشش کی جاتی تھی کہ یہ دھوکہ کامیاب رہے اور اکثر کامیاب رہتا بھی تھا لیکن پکے مجرم ہمارا یہ طریقہ ناکام بھی کر دیا کرتے تھے۔ یہاں ایسے ہی ہوا۔ تینوں کو کہا کہ تمہارے ساتھی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اقبالی ہوگئے ہیں اور چوہدری نے بھی پردہ اٹھا دیا ہے لیکن ان میں سے ہر ایک نے کہا کہ اس کو میرے سامنے لاؤ۔

میں اپنے آدمیوں کو یہ کہہ کر وہاں سے چلا آیا کہ انہیں تھوڑا سا آرام دے کر پھر عمل شروع کر دیں۔

جھلّے کی غیرت مندی جاگ اٹھی

اس دن کا واقعہ ہے، شام کے غالباً پانچ بجنے والے تھے جب ایک مخبر تھانے آیا۔ اس کے ساتھ سولہ سترہ سال عمر کا ایک لڑکا تھا۔ اس لڑکے کو وہ میرے پاس لے آیا اور بتایا کہ یہ لڑکا مقتول کی بیوی کے بیٹے کا دوست ہے۔ یہ مخبر نو عمر لڑکوں اور نوجوانوں سے پوچھتا رہا تھا کہ ایسا چاقو کس کے پاس ہو سکتا ہے جس کا دستہ ہاتھی دانت کا ہے اور اوپر پھول بنے ہوئے ہیں۔

اس مخبر نے یہ سراغ رسانی اس خیال کے تحت کی تھی کہ چاقو جس کسی کا بھی تھا اس نے شوقیہ اپنے پاس رکھا ہوگا۔ یہ شوق لڑکوں میں ہی ہو سکتا تھا۔ آخر اس لڑکے نے بتایا کہ اس نے ایسا ایک چاقو دیکھا ہے لیکن چاقو دیکھ کر بتائے گا کہ یہ وہی ہے یا نہیں۔ مخبر اس لڑکے کو میرے پاس لے آیا۔

میں نے چاقو نکال کر اس کے آگے رکھ دیا۔ لڑکے نے چاقو دیکھتے ہی کہہ دیا کہ یہ چاقو مقتول کی بیوی کے بیٹے کا ہے...... میں اس بیٹے کا نام نہیں لکھوں گا، اس کہانی میں اس کا فرضی نام ارشد تحریر کروں گا۔ مخبر نے مجھ کو منت کر کے کہا کہ میں یہ ظاہر نہ ہونے دوں کہ چاقو کی شناخت اس لڑکے نے کی ہے۔ لڑکے نے بھی یہی درخواست کی اور کہا کہ ان کا دوستانہ بھی ہے اور کچھ دور کی رشتہ داری بھی۔ وہ ڈرتا تھا کہ پتہ چل جانے کی صورت میں دشمنی پیدا ہو جائے گی۔ میں نے ان دونوں کو زیادہ نہیں بٹھایا۔ فوراً فارغ کر دیا۔ ان کے جانے کے بعد میں نے ایک کانسٹیبل سے کہا کہ وہ ارشد کو ساتھ لے آئے۔ میں کچھ تذبذب میں پڑا ہوا تھا، مجھ کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ ارشد جیسا جھلا لڑکا کسی کو قتل کرنے کی جرأت کر سکتا ہے۔ یہ خیال بھی آیا کہ اس قسم کے کم عقلوں کا کچھ بھروسہ نہیں ہوتا۔ نہ جانے کس وقت کیا کر بیٹھیں۔

آدھے گھنٹے کے بعد ارشد میرے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا انداز بالکل ویسا ہی تھا جیسا میں نے اس روز پہلی ملاقات میں دیکھا تھا۔ اب اس کے چہرے پر خوفزدگی کا تاثر پہلے سے زیادہ نمایاں تھا۔ میں نے اس کے ساتھ کوئی بات نہ کی۔ دراز میں سے چاقو نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا اور نظریں اس کے چہرے پر جما دیں۔ اس نے چاقو دیکھا اور پھر میری طرف دیکھا، میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور کہا کچھ بھی نہیں۔ اس کے چہرے کا رنگ لاش جیسا ہو گیا۔ فوراً ہی بعد اس کی آنکھوں کے ڈھیلے کچھ سفید سے ہو گئے اور آنکھیں تھوڑی تھوڑی بند ہو گئیں۔ مجھ کو ایسا لگا جیسے یہ بے ہوش ہونے والا ہے۔

''مت گھبراؤ ارشد!'' ــــ میں نے پیار سے کہا ــــ ''تم نے جو کیا ہے اچھا کیا ہے۔ مجھ کو ساری بات بتاؤ تاکہ میں تمہیں بچانے کا کچھ بندوبست کر سکوں''۔

اس نے کوئی جواب تو نہ دیا لیکن اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ میں چپ رہا۔ وہ سسکیاں لے کر رونے لگا۔ وہ آخر نو عمر تھا، میں اٹھ کر اس کے قریب جا کھڑا ہوا اور اس کا سر اپنے ساتھ لگا لیا۔ پیار کیا اور تسلی دلاسہ دیا۔ اس وقت اس کی ضرورت یہی تھی۔ میں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس طرح اس کو کچھ حوصلہ ملا۔ اب ذرا جتنا بھی شک نہیں رہ گیا تھا کہ قاتل یہی ہے۔ میں اس قسم کے ملزم سے اقبالی بیان لینے کی مہارت اور بہت تجربہ رکھتا تھا۔ ضروری نہیں کہ میں اس سارے عمل کو بیان کروں۔

میں نے باہر جا کر ایک کانسٹیبل کو کہا کہ تینوں مشتبہ افراد کا ٹارچر رکوا دے اور ان پر جو ہیڈ کانسٹیبل مقرر کیا تھا اس کو کہے کہ وہ تینوں کو برآمدے میں لے آئے۔ پھر محرر ہیڈ کانسٹیبل کو بلا کر کہا کہ وہ ارشد کے دونوں ہاتھوں کے نشانات اتار لے۔

چوہدری کو حوالات سے نکلوایا اور میں نے اس کے ساتھ اس طرح بات کی جیسے میں نے اس پر بہت بڑا احسان کیا ہو۔ اس کو کہا کہ وہ خاموشی سے گھر چلا جائے اور میں اس کے ساتھ ایک ملاقات اور کروں گا۔

ارشد کے ہاتھوں کے نشان کاغذ پر لے لئے گئے۔ تو میں نے اس کو بتایا کہ چاقو کے دستے پر اس کی انگلیوں کے نشان پائے گئے ہیں جو کاغذ پر اتار لئے گئے تھے اور یہ اس کی انگلیوں کے نشانات سے سو فیصد ملتے ہیں۔ یہ میں نے جھوٹ بولا تھا۔ یہ تصدیق پھلور سے کروانی تھی۔ میں نے اسی وقت اے ایس آئی سے کہا کہ چاقو والے انگلیوں کے نشانات

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اور یہ نشانات جواب لئے گئے ہیں کسی کانسٹیبل کے ہاتھ پھلور بھیج دیئے جائیں۔

یہ تو تھانے کی کارروائیاں تھیں جو خاصی لمبی چوڑی ہوتی ہیں۔ میں آپ کو ارشد کا اقبالی جرم سناتا ہوں۔ سب سے پہلے تو یہ بات مجھ کو دلچسپ لگی کہ وہی ارشد جس کو میں یملا سمجھتا رہا، جب اقبال بیان دینے پر آیا تو اس نے سر اونچا کر کے زور زور سے سر کو دائیں بائیں جھٹکے دیئے اور اس کے چہرے پر قدرتی رونق آ گئی۔ اب وہ اس ارشد سے بالکل الٹ تھا جس کو میں نے اسی روز چند گھنٹے پہلے دیکھا تھا۔

اس کے بیان کا اختصار اس طرح ہے کہ اس کا باپ فوت ہوا تو اس کی عمر ابھی پوری تیرہ سال نہیں ہوئی تھی۔ باپ اس کے ساتھ اور بیٹیوں کے ساتھ بہت پیار کرتا تھا۔ وہ بہت ہی نیک اور شریف آدمی اور صوم وصلوٰۃ کا سختی سے پابند تھا۔ اس کی موت نے ارشد کو تو جیسے پاگل ہی کر دیا ہو۔ ماں نے چوتھے مہینے شادی کر لی تو پہلے دن سے ہی ارشد کے دل میں سوتیلے باپ کی نفرت بیٹھ گئی۔ ارشد جب اس شخص کو اپنی ماں کے ساتھ دیکھتا تھا تو جلتا اور کڑھتا تھا۔ اس جذباتی حالت میں وہ بعض اوقات اپنی بڑی بہن کے گھر چلا جایا کرتا تھا۔ بہن کی شادی نئی نئی ہوئی تھی۔ بہن ارشد کو پیار اور محبت سے بہلا لیتی تھی۔

تقریباً تین یا ساڑھے تین سال اسی طرح گزر گئے۔ ارشد کو بالکل ہی پتہ نہیں تھا کہ کچھ لوگوں کو شک ہے کہ اس کے باپ کو اس کی ماں نے مقتول کی محبت کی خاطر ایسا زہر دیا تھا جو آہستہ آہستہ اثر کرتا رہا تھا۔ یہ بات ارشد کے کانوں میں قتل کی اس واردات کے چار پانچ مہینے پہلے پڑی تھی۔

ارشد نے اپنی بڑی بہن کے ساتھ بات کی۔ بہن نے ارشد کو بتایا کہ یہ اس نے بھی سنا ہے لیکن اب رونے اور چیخنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ بہن کے دل میں بھی سوتیلے باپ یعنی مقتول کی نفرت بھری ہوئی تھی۔

ایک روز بہن نے جذبات سے مغلوب ہو کر اور اپنے باپ کی یاد میں بے حال ہو کر ارشد کو بتا دیا کہ سوتیلا باپ اس پر بری نظر رکھتا ہے اور ماں گھر نہ ہو تو دست درازی بھی کرتا ہے۔ یہ بات سن کر ارشد جل اٹھا۔ اس نے ماں کو نہ بتایا۔ بہن نے اس کو کہا تھا کہ امی کو نہ بتانا۔

ارشد کے اپنے بیان میں کہا کہ اس کے عزیز دوستوں نے اس کو نہ جانے یہ کیوں کہنا

شروع کر دیا کہ اس کی ماں نے اور اس کے سوتیلے باپ نے اس کے باپ کو زہر دے کر مارا تھا۔ ارشد نے دوست ارشد پر طنز نہیں کرتے تھے بلکہ سوتیلے باپ کے خلاف بات کرتے تھے اور نفرت کا اظہار بھی کرتے تھے۔ وہ ارشد کو یہ تاثر دیتے تھے کہ اس کا سوتیلا باپ دل کا سخت ناپاک اور شیطان آدمی ہے۔

ادھر بہن نے ارشد کو یہ بتا دیا کہ سوتیلا باپ اس پر دست درازی کرتا ہے تو ارشد نے اس کے سوا کچھ سوچا ہی نہیں کہ اس شخص کو زندہ رہنے کے حق سے محروم کر دے گا۔

اس نے کہا کہ یہ چاقو اس نے ایک میلے میں خریدا تھا اور بیچنے والے کے پاس ایسا یہی ایک چاقو تھا۔ یہ اس نے ان باتوں سے بہت پہلے خرید کر رکھا ہوا تھا اس واسطے کہ یہ اس کو بہت اچھا لگتا تھا۔ وہ یہ چاقو اپنے دوستوں کو بھی دکھایا کرتا تھا۔

ایک صبح ارشد کا سوتیلا باپ حسب معمول منہ اندھیرے اٹھا اور کھیتوں کو چلا گیا۔ ارشد ذرا دیر سے جاگا کرتا تھا لیکن اس صبح اس کی آنکھ ویسے ہی جلدی کھل گئی۔ ارشد نے مقتول کو باہر جاتے دیکھا تو اٹھ کھڑا ہوا، چاقو جیب میں ڈالا اور دوسری طرف سے یعنی کسی اور راستے سے کھیتوں کے اندر اندر بہت تیز چلتا چلا گیا۔ اس کو مقتول ایک فصل کے اندر جاتا نظر آ گیا۔

ارشد اس فصل میں داخل ہوا اور سوتیلے باپ کو رفع حاجت کی حالت میں بیٹھے دیکھا۔ ارشد قریب پہنچا تو فصل کی سرسراہٹ کی وجہ سے مقتول نے پیچھے دیکھا۔ ارشد نے اس کو اٹھنے کی مہلت نہ دی۔ ارشد نے پہلے ہی چاقو کھول کر ہاتھ میں رکھ لیا تھا۔ تین چار قدم دور سے ہی ارشد مقتول پر اس طرح جھپٹا جس طرح شیر اپنے شکار پر حملہ کرتا ہے۔ اس نے مقتول کی پیٹھ میں تین بار چاقو مارے اور مقتول اٹھتے اٹھتے ایک پہلو پر گر پڑا۔

تیسری بار چاقو مارا تو چاقو وہیں چھوڑ دیا اور فصل سے بڑی تیزی سے نکل آیا۔ اس کو کسی نے نہ دیکھا۔ وہاں سے وہ اپنی بہن کے گھر چلا گیا اور بہن کو بتایا کہ وہ سوتیلے باپ کو اس طرح چاقو مار کر آیا ہے۔ معلوم نہیں وہ زندہ ہے یا مر جائے گا۔ اس نے بہن کو یہ ارادہ بھی بتایا کہ وہ ماں کو بھی قتل کرنا چاہتا ہے۔ بہن نے بڑی سختی سے اس کو روک دیا اور کہا کہ اس مردود کو چاقو مارتے اس کو کسی نے نہیں دیکھا، اس واسطے اس پر کوئی شک نہیں کرے گا مگر گھر جا کر اس نے ماں کو قتل کیا تو لوگوں کو پتہ لگ جائے گا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بہن نے ارشد کے کپڑے دیکھے۔ خون کا کوئی نشان نہیں تھا۔ صرف آستین پر اس جگہ ذرا سا خون لگا ہوا تھا جہاں بٹن اور کاج تھا۔ ارشد کے دائیں ہاتھ پر بھی خون تھا۔ بہن نے آستین سے خون دھو ڈالا اور ارشد نے ہاتھ دھو لئے۔ اس کا بہنوئی ابھی گہری نیند سویا ہوا تھا۔

اب مجھ کو یاد آیا کہ ارشد کی بہن نے میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا تھا کہ اس نے بھائی کو بتایا تھا کہ مقتول اس کے ساتھ بری نیت سے چھیڑ خانی کرتا ہے لیکن بہن فوراً چونک پڑی اور اپنے ہی بیان کی تردید کر دی۔ اب مجھ کو خیال آیا کہ بہن یہ ظاہر کرنا ہی نہیں چاہتی تھی کہ اس نے بھائی کو یہ بات بتائی ہے۔ اس سے ارشد پر شبہ ہو سکتا تھا۔

ارشد جوں جوں بیان دیتا جا رہا تھا اس کا رنگ روپ ایک غیرت مند مرد جیسا ہوتا جا رہا تھا۔ وہ بے خوف ہو کر پورے اعتماد سے بیان دیتا رہا۔ وہ خوبصورت لڑکا تھا لیکن اب وہ مجھ کو کچھ زیادہ ہی خوبصورت نظر آنے لگا۔ مجھ کو افسوس یہ ہو رہا تھا کہ میں اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔

میرے کہنے پر اس نے مجسٹریٹ کی عدالت میں دفعہ 164 کے تحت اقبالی بیان قلمبند کروا دیا اور آخر تک اس بیان پر قائم رہا۔ پھلور سے فنگر پرنٹ بیورو کی رپورٹ آ گئی تھی۔ چاقو کے دستے پر ارشد کی ہی انگلیوں کے نشان تھے۔

اس کی ماں کے پاس روپیہ پیسہ تھا۔ اس نے خاصا مہنگا اور بڑا قابل وکیل کیا تھا۔ اس وکیل نے عدالت میں یہ ثابت کر دکھایا کہ ملزم ارشد نے فوری اشتعال کے تحت غیرت کی خاطر یہ واردات کی ہے۔ سیشن کورٹ نے تو ارشد کو عمر قید دے دی تھی لیکن اپیل میں ہائیکورٹ نے اس کی سزا میں تخفیف کر کے چھ سال رہنے دی۔ یہ ارشد پر اللہ کا کرم ہوا اور پھر اس کے وکیل کی قابلیت اور تجربہ تھا۔

❁ ❁ ❁

بھید جو دفن ہو چکا تھا

میں اپنے آپ کو ہیرو بنا کر سب کے سامنے پیش نہیں کروں گا۔ اگر کسی کو ہیرو کہنا ہے تو انگریزوں کو میں ہیرو کہوں گا لیکن ایک آدمی اور ایک عورت کے قتل کی اس واردات کی تفتیش میں انگریز ڈی ایس پی نے جو دلچسپی لی تھی، اس کو انگریز کارنامہ نہیں کہتے تھے بلکہ اس طرح کے کام وہ اپنی ڈیوٹی اور اپنا فرض جان کر اور اپنی جان کو عذاب میں ڈال کر کیا کرتے تھے۔

آج دن کی روشنی میں پورا پورا خاندان قتل ہو جاتا ہے۔ وزیراعظم اور وزیراعلیٰ موقعہ پر پہنچ جاتے ہیں اور ان کے حکم اخباروں میں آتے ہیں کہ ملزموں کو فوراً گرفتار کیا جائے لیکن ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے ملزم اور پولیس والے یہ حکم سن کر ہنس رہے ہوں۔ اگر کسی قتل کے ملزم پکڑے بھی جاتے ہیں تو پولیس کی جانب سے مقدمے اتنے کمزور بنتے ہیں کہ قاتل سیشن یا ہائی کورٹ سے بری ہو جاتے ہیں۔

پولیس کا فرض تو کچھ اور تھا۔ قانون اور عوام پولیس سے کچھ اور توقع رکھتے تھے لیکن مجھ کو یہ بات کہتے ہوئے دلی افسوس ہوتا ہے کہ قانون کا وہ احترام ختم ہو گیا ہے جو اس کا حق تھا۔ اگر قانون کے آگے کمزور مقدمے پیش کئے جائیں جن میں شک ہی شک ہو تو قانون اپنا یہ حق استعمال کرنے پر مجبور ہے کہ ملزم کو شک کا فائدہ دے کر بری کر دے۔

میں آپ کو انگریزوں کے وقتوں کی ایک واردات سناتا ہوں۔ یہ ایک شہر کی واردات ہے جو اس وقت قصبہ ہوا کرتا تھا۔ یہ شہر اب پاکستان میں ہے اس واسطے میں اس کا اور اس کیس سے تعلق رکھنے والے کسی بھی مرد یا عورت کا اصل نام ظاہر نہیں کروں گا۔ اگر کوئی نام لکھنے کی ضرورت پڑی تو کوئی فرضی نام لکھ دوں گا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں اس قصبے کے تھانے کا ایس ایچ او تھا۔ یہ میرا دوسرا تھانہ تھا جس میں مجھ کو ڈیڑھ سال گذر گیا۔ ابھی میں یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ میں تفتیش اور سراغرسانی کا استاد بن گیا ہوں۔ اس زمانے میں جرائم اتنے نہیں ہوتے تھے جتنے آج ہیں۔ یہ پولیس کا کمال تھا کہ جرائم کم ہوتے تھے۔ اگر اس وقت کی پولیس بھی آج کی طرح ہو جاتی تو جرائم بھی آج ہی جتنے ہوتے۔ انسان کی فطرت جرم کی طرف جلدی مائل ہوتی ہے۔ اگر پولیس کا ڈر پیدا ہو جائے تو ہر انسان اپنی فطرت کو قابو میں رکھتا ہے۔

ایک روز صبح نو دس بجے کے درمیان ایک ہندو لالہ تھانے میں آیا اور بات یہ سنائی کہ اس نے ایک مسلمان سے ایک مکان خریدا تھا جو خستہ حالت میں ہے۔ اس کو وہ مرمت وغیرہ کرا رہا تھا کہ رہائش کے قابل ہو جائے۔ اس مکان کو وہ اپنے ایک شادی شدہ بیٹے کے واسطے تیار کروا رہا تھا۔ اس وقت قصبوں میں پانی کا کوئی سرکاری انتظام نہیں ہوتا تھا۔ گھروں میں مشکی پانی ڈالا کرتے تھے یا لوگوں نے گھروں میں کنوئیں کھدوائے ہوئے ہوتے تھے۔ اس ہندو نے بھی اس مکان میں کنواں کھدوانا شروع کیا۔ مزدوروں نے اسی صبح کھدائی شروع کی تھی۔

''مزدوروں نے کوئی تین فٹ کھدائی کی تو وہ رک گئے''۔۔۔ ہندو نے کہا۔۔۔ ''میں وہاں موجود تھا۔ مزدوں نے مجھ کو بلایا۔ میں نے قریب ہو کر دیکھا۔ دو مزدور ہاتھوں سے مٹی ہٹا رہے تھے اور انسانی ہڈیوں کے دو سالم پنجر ظاہر ہوتے آ رہے تھے۔ کھوپڑیوں پر ذرا سا بھی گوشت یا کھال نہیں۔ کھوپڑیاں خشک ہیں۔ دونوں کے کپڑے صحیح ہیں اور کپڑوں کے اندر خشک ہڈیاں ہیں۔ دونوں کی جوتیاں بھی ہیں۔ بال بھی بکھرے ہوئے ہیں''۔

''لمبے بال بھی ہیں؟''۔۔۔ میں نے پوچھا۔۔۔ ''عورتوں جیسے؟''

''مہاراج جی!''۔۔۔ ہندو نے جواب دیا۔۔۔ ''میں نے مزید کھدائی رکوا کر پنجروں پر چادر ڈلوا دی۔ آپ چل کر دیکھیں''۔

اس ہندو کی عمر پچاس سال سے زیادہ تھی۔ وہ عقل اور تعلیم والا لگتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اس نے کیا سوچ کر تھانے اطلاع دی ہے۔ مجھ کو امید تھی کہ اس کے تجربے اور عقل کی بات سے کوئی بات معلوم ہو جائے گی۔

''یہ قبرستان تو نہیں ہے جناب!''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''یہ گھر ہے۔ عرصے سے غیر

آباد پڑا ہے۔ اگر یہ کسی وقت قبرستان ہی تھا تو مسلمان قبروں میں دو لاشیں اکٹھی تو دفن نہیں کرتے نہ پہنے ہوئے کپڑوں میں دفن کرتے ہیں۔ کفن پہناتے ہیں۔ ان دونوں کی تو جوتیاں بھی ساتھ ہیں..... مجھ کو یہ معاملہ کچھ اور ہی دکھائی دیتا ہے سرکار!''

''کیا آپ نے مکان کے پہلے مالک کے ساتھ ان لاشوں کی بات کی تھی؟''۔۔۔ میں نے پوچھا۔

''یہ بات فوراً ہی باہر نکل گئی مہاراج جی!''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ ''محلے کے تین چار آدمی اندر آ گئے۔ کچھ منٹ گذر گئے تو مکان کا پہلا مالک دوڑتا ہوا اندر آیا اور کہنے لگا کہ مجھ کو اب پتہ لگا ہے کہ ہڈیاں نکلی ہیں۔ اس نے کہا کہ یہ ہڈیاں نکالو میں کورا اٹھا لاتا ہوں۔ الگ الگ باندھ کر قبرستان میں دفن کر دیں گے.....

''میں نے کہا کہ تھانے اطلاع ضرور دوں گا، نہیں تو کل کلاں میں ہی پھنس جاؤں گا۔ مکان کے مالک نے کہا کہ یہ تو صاف پتہ لگتا ہے کہ صدیوں سے یہاں دفن ہیں۔ یہ مکان میرے دادا نے بنایا تھا..... میں نے اس کی نہ مانی اور آپ کے پاس آ گیا ہوں''۔

میرے واسطے سیدھا اور آسان طریقہ یہ تھا کہ موقعہ پر چلا جاتا اور ہڈیوں کے پنجر اٹھوا کر قبرستان میں دفن کرا دیتا لیکن جس طرح اس ہندو نے شک میں کہا تھا کہ معاملہ کچھ اور ہی دکھائی دیتا ہے اس طرح مجھ کو بھی خیال آیا کہ یہ معاملہ کچھ اور بھی ہو سکتا ہے اور وہاں جا کر دیکھنا میرے واسطے لازمی ہے۔ میں ایک ہیڈ کانسٹیبل اور ایک کانسٹیبل کو ساتھ لے کر اس ہندو لالے کے ساتھ برائے ملاحظہ موقع چلا گیا۔

مرد عورت پکڑے گئے تھے

یہ مکان ایسے محلے میں تھا جس کے ایک سرے پر تین چار گھر ہندوؤں کے اور باقی سب مسلمانوں کے تھے۔ وہ مکان ہندوؤں کے گھروں کی سائیڈ پر تھا۔ اس کا منہ چوڑی گلی کی طرف تھا اور اس کے پہلو سے بھی ایک گلی گذرتی تھی۔ یہ چھوٹی گلی ہندوؤں کے گھروں کو مسلمانوں کے گھروں سے الگ کرتی تھی۔ اس گلی کی طرف بھی اس مکان کا ایک دروازہ تھا۔

مکان کچھ پکا اور کچھ کچا تھا۔ یعنی اینٹوں کا بھی اور مٹی کی دیواروں کا بھی۔ باہر سے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مکان کی حالت خستہ دکھائی دے رہی تھی۔ کواڑوں کو دیمک لگی ہوئی تھی۔ اندر جا کر دیکھا تو مکان اجڑا ہوا تھا۔ یہ چودہ مرلے کا مکان تھا۔ صحن بہت کھلا تھا۔ ایک برآمدے میں لمبی کھرلی بنی ہوئی تھی۔ پتہ لگا کہ کبھی یہاں پہلے مالک کے مویشی باندھے جاتے تھے۔ مالک کے بارے میں معلوم ہوا کہ زمیندار ہے اور زمین بہت ہے۔ اس کے مزارعے بھی تھے۔

صحن میں بڑی گلی والے دروازے کے قریب گول گڑھا کھودا ہوا تھا۔ گہرائی تین فٹ سے ذرا زیادہ تھی۔ یہ کھدائی کنوئیں کے لیے شروع کی گئی تھی۔ اس کے درمیان میں دو انسانی ہڈیوں کے سالم ڈھانچے پڑے ہوئے تھے۔ آنکھوں اور ناک کی جگہ سوراخ تھے۔ دانت سلامت تھے۔ ان ڈھانچوں کو مٹی سے ابھی پورا نہیں نکالا گیا تھا۔ ان کے اوپر کے حصے ننگے تھے۔

میں نے نمبردار سے جو وہاں موجود تھا، کہا کہ دو ذرا سیانے آدمی لگائے کہ آرام آرام سے ہاتھوں سے مٹی ہٹائیں اور ڈھانچوں کی کوئی ہڈی الگ نہ ہونے دیں۔ نمبردار نے دو آدمیوں کو گڑھے میں اتارا اور وہ مٹی ہٹانے لگے۔ میں دیکھتا رہا۔

ڈھانچے ننگے ہوتے گئے۔ ایک ڈھانچہ عورت کا تھا۔ اس کے لمبے بال کھوپڑی کے دائیں بائیں اور نیچے پڑے ہوئے تھے۔ بعد میں نیچے دیکھا۔ بال باقاعدہ چٹیا بنے ہوئے تھے اور مینڈھیاں بھی بنی ہوئی تھی۔ یہ ذہن میں رکھیں کہ انسان کا گوشت پہلے گل سڑ کر خشک ہوتا پھر غائب ہو جاتا ہے اور بال بڑی لمبی مدت صحیح حالت میں رہتے ہیں۔ عورت کی کھوپڑی کے دائیں بائیں سے مٹی ہٹائی جا رہی تھی تو مٹی ہٹانے والے آدمی نے مٹی میں سے سونے کا ایک بُندا نکال کر مجھ کو دیا۔ میں نے اس کو کہا کہ ایسا ایک بُندا کھوپڑی کے دوسری طرف بھی ہوگا۔ اس آدمی نے ادھر بھی مٹی میں ٹٹول کر ایک بُندا مجھ کو دے دیا۔ یہ اس عورت کے بُندے تھے۔

عورت کے دانت ٹھیک حالت میں تھے۔ بائیں طرف ایک دانت پر سونے کا خول چڑھا ہوا تھا۔ یہ اس زمانے کا فیشن تھا۔ شوقین عورت آدمی بھی ایک دانت پر سونے کا خول چڑھوا لیتے تھے۔

عورت کے جسم پر پھولدار کپڑے کی قمیض اور اسی کپڑے کی شلوار تھی۔ کپڑا کمزور ہو گیا تھا۔ میں نے مٹی ہٹانے والے آدمیوں کو کہا کہ کپڑا پھٹنے نہ دیں۔ ہاتھوں کی انگلیوں کی

صرف ہڈیاں تھیں۔ ایک انگلی کی ہڈی میں سونے کی انگوٹھی تھی۔ میں نے وہ اٹھالی۔ پاؤں کی ہڈیاں الگ ہو گئی تھیں۔ پاؤں کی جگہ زری جوتی پڑی ہوئی تھی۔

دوسرا ڈھانچہ آدمی کا تھا۔ اس کی کھوپڑی پر زری کلاہ تھا جس پر مشہدی لنگی لپٹی ہوئی تھی۔ اس کی قمیض بوسکی کی لگتی تھی اور شلوار لٹھے کی تھی۔ اس کی انگلی میں بھی سونے کی انگوٹھی تھی۔ پاؤں کی جگہ بغیر تسمون کے شوز تھے جن کو گرگابی کہا کرتے تھے۔

مٹی ہٹ گئی۔ کپڑوں کے اندر ہڈیاں تھیں۔ میں آدمی کی قمیض کی اوپر والی اور سائیڈ والی جیب کی تلاشی لی۔ سائیڈ کی جیب سے پچاسی روپے اور کچھ آنے نکلے۔ یہ اس زمانے کی خاصی رقم تھی۔ آج کے حساب سے ہم اس رقم کو تین ہزار بلکہ اس سے بھی زیادہ کہہ سکتے ہیں۔ اتنی رقم کسی امیر کبیر آدمی کی جیب میں ہی ہو سکتی تھی۔

میں نے پہلے کہا ہے کہ میں یہ کارروائی آسانی سے کر سکتا تھا کہ ان ڈھانچوں کو اٹھوا کر قبرستان میں دفن کرا دیتا لیکن ان کے کپڑے شک میں ڈالتے تھے کہ ان کو یہاں دفن ہوئے زیادہ مدت نہیں گذری۔ یہ تو ہر کوئی سمجھ سکتا تھا کہ ان کو قتل کر کے لاشیں یہاں دبائی گئی تھیں۔ یہ بات بھی سمجھ میں آنے والی تھی کہ یہ دونوں اسی مکان میں اکٹھے پکڑے گئے ہوں گے اور یہیں قتل ہو گئے۔ میرا فرض یہ تھا کہ تفتیش کروں لیکن میں نے اپنے ڈی ایس پی کو اطلاع دے کر پوچھ لینا ضروری سمجھا کہ مجھ کو کیا کرنا چاہیے۔ مجھ کو یہ سوچ آئی تھی کہ ڈی ایس پی یہ نہ کہہ دے کہ تم نے گڑھے مردے اکھاڑے ہی کیوں تھے؟ ان کو کہیں اور دفن کر دو۔

ڈی ایس پی پچیس میل دور تھا اور اس کے ساتھ ٹیلیفون کا رابطہ تھا۔ میں نے ہیڈ کانسٹیبل کو کہا کہ وہ کانسٹیبل کو ساتھ رکھے اور سب لوگوں کو باہر نکال دے اور کسی کو اندر آنے کی اجازت نہ دے۔ میں تھانے چلا گیا اور ٹیلیفون پر ڈی ایس پی کو تفصیلی اطلاع دی۔ ڈی ایس پی انگریز تھا۔ اس نے میری بات پوری توجہ سے سنی اور آخر میں اس نے کہا کہ تم تھانے میں حاضر رہنا، میں آ رہا ہوں۔

مجھے اس کا تقریباً دو گھنٹے انتظار کرنا پڑا۔ اس زمانے میں کاریں اور جیپیں نہیں ہوا کرتی تھیں۔ ڈی ایس پی ریل گاڑی سے آیا۔ تھانے میں آتے ہی مجھ کو کہا کہ موقع پر چلو۔

یہاں میں آپ کو ایک اور بات سنانا چاہتا ہوں جس سے آپ کو پتہ لگے کہ پولیس

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کے انگریز افسروں کو اپنی ڈیوٹی کا کتنا زیادہ احساس ہوتا تھا۔ وہ قانون کا کتنا زیادہ خیال کرتے تھے۔ ایسے واقعات میری سروس میں بھی ہوئے ہیں لیکن میں آپ کو ریٹائرڈ انسپکٹر دبیر حسین رضوی مرحوم کا ایک واقعہ سناؤں گا جو آپ نے ''حکایت'' میں بھی شاید پڑھا ہوگا۔ مرحوم نے بیان کیا ہے کہ ایک روز وہ اپنے تھانے جھنڈیالہ گورو میں موجود تھے۔ اچانک ان کا ڈی ایس پی آ گیا اور رضوی مرحوم کو کہا کہ میرے ساتھ اپنے علاقے کے دورے پر چلو۔ رضوی مرحوم نے فوراً دو گھوڑے منگوائے۔ ایک پر رضوی مرحوم اور دوسرے پر ڈی ایس پی سوار ہو گیا اور وہ دیہاتی علاقے میں چلے گئے۔

دبیر حسین رضوی مرحوم نے بیان کیا ہے کہ ان کی یہ کوشش تھی کہ ان کا گھوڑا ڈی ایس پی کے گھوڑے سے ذرا پیچھے ہی رہے۔ کوئی ہندوستانی کسی انگریز کی برابری کرنے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ وہ دونوں ایک گاؤں کی گلی میں سے گذر رہے تھے۔ ایک طرف کے مکانوں کے پچھواڑے گلی کی طرف تھے۔ انگریز ڈی ایس پی نے گھوڑا روک لیا۔ وہ ایک مکان کی دیوار کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''تم نے کچھ دیکھا؟''۔۔۔ ڈی ایس پی نے رضوی مرحوم سے پوچھا۔

''نہیں صاحب بہادر!''۔۔۔ رضوی مرحوم نے جواب دیا۔

''تم لوگوں میں ایک خرابی ہے''۔۔۔ ڈی ایس پی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔۔۔ ''میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری کوشش یہ ہے کہ تمہارا گھوڑا میرے گھوڑے کی برابری میں نہ آئے اور تھوڑا پیچھے رہے''۔۔۔ ڈی ایس پی نے غصے میں کہا۔۔۔ ''ایسا مت کرو۔ جب اپنے علاقے کی گشت پر نکلتے ہو تو آنکھوں اور دماغ کو کھلا رکھو اور دیکھو۔ تم کو کوئی نہ کوئی چیز نظر آ جائے گی..... اس دیوار کو دیکھو''۔

ڈی ایس پی گھوڑے سے اترا۔ رضوی مرحوم بھی اترے۔ ڈی ایس پی دیوار کے قریب چلا گیا۔ یہ مکان کے پچھواڑے کی کچی دیوار تھی جس پر لپائی کی ہوئی تھی۔ ڈی ایس پی نے زمین کے قریب دیوار پر ایک جگہ اپنی چھڑی کا سرا لگایا اور رضوی مرحوم کو کہا کہ یہ دیکھو۔ رضوی مرحوم بیان کرتے ہیں۔ کہ ان کو پھر بھی کوئی خاص بات نظر نہ آئی۔

''تم اندھے ہو''۔۔۔ ڈی ایس پی نے کہا اور دیوار پر چھڑی کا سرا ایک دائرے میں گھمایا اور کہنے لگا۔۔۔ ''یہ لپائی دیوار کی پوری لپائی سے مختلف ہے''۔

رضوی مرحوم کا بیان ہے کہ اس وقت انہوں نے غور سے دیکھا کہ تقریباً تین فٹ قطر کے دائرے کی لپائی دوسری لپائی سے ذرا مختلف تھی۔ ڈی ایس پی نے کہا کہ اس گھر کے آدمی کو بلاؤ۔ اس آدمی کو بلایا گیا۔ وہ سکھ تھا۔ اس نے ڈی ایس پی نے پوچھا کہ تمہارے گھر کی اس دیوار میں کبھی نقب لگی ہے؟ سکھ نے جواب دیا کہ دو سال پہلے یہاں نقب لگی تھی اور اس کے گھر کا قیمتی مال، زیورات اور کچھ رقم نکل گئی تھی۔

آج کل نقب زنی کا طریقہ استعمال نہیں ہوتا۔ آج کل تو ملی بھگت کی بدولت دن کے وقت ریوالور یا کلاشنکوف لے کر کسی بھی گھر میں مجرم داخل ہو جاتے ہیں اور لوٹ مار کر کے بڑے آرام سے چلے جاتے ہیں۔ انگریزوں کے وقتوں میں کسی مجرم کو کوئی سہولت اور کسی کی بھی پشت پناہی حاصل نہیں ہوتی تھی، اس واسطے مجرموں کو اپنے طریقے اختیار کرنے پڑتے تھے جس میں ایک طریقہ نقب زنی کا تھا۔ نقب پچھواڑے کی دیوار میں لگائی جاتی تھی اس کام کے ماہر ایسے طریقے سے دیوار میں اپنے گذرنے کے واسطے جگہ کاٹ لیتے تھے کہ گھر والوں کو پتہ ہی نہیں لگتا تھا اور ان کا قیمتی مال متاع نکل جاتا تھا۔

اس سکھ کے گھر میں نقب زنی کی واردات ہوئی تھی جس کو دو سال گذر گئے تھے۔ اس نے دیوار کا یہ سوراخ بند کر کے لپائی کر دی تھی۔ یہ وجہ تھی کہ اس دیوار کے اس چھوٹے سے ٹکڑے کی لپائی باقی لپائی سے ذرا مختلف تھی۔

انگریز ڈی ایس پی نے اس بات کو یہیں پر ختم نہیں کیا۔ اس نے پوچھا کہ ملزم پکڑے گئے تھے یا نہیں۔ سکھ نے بتایا کہ ملزم نہیں پکڑے گئے تھے۔ سکھ نے یہ بھی بیان کیا کہ اس کو معلوم ہے کہ یہ واردات نمبردار نے دشمنی کی بنا پر کرائی تھی اور نمبردار نے تھانیدار کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا، اس واسطے یہ واردات تھانے کے کاغذات میں گم ہو گئی۔ اس وقت دبیر حسین رضوی مرحوم اس تھانے میں نہیں تھے۔ ایک سکھ تھانے دار یہاں کا ایس ایچ او تھا۔

ڈی ایس پی نے اسی وقت نمبردار کو گرفتار کر لیا اور اس کو تھانے لے گئے۔ تھانے میں اس کو ڈی ایس پی نے بہت پٹوایا اور اس پر اتنا تشدد کیا جس کو یہ بوڑھا نہ برداشت کر سکا اور وہ اقبالی ہو گیا۔ اس نے ان دو آدمیوں کی نشاندہی بھی کر دی جنہوں نے نقب زنی کی یہ واردات کی تھی۔ ان دونوں کو بھی گرفتار کیا گیا تھا۔ پھر ڈی ایس پی نے معلوم کیا کہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سکھ تھانیدار اب کہاں ہے۔ وہ کسی اور تھانے کا ایس ایچ او تھا۔ اس کی گرفتاری کا حکم جاری کرایا۔

تمام ملزموں کو گرفتار کر کے ڈی ایس پی نے اپنی نگرانی میں مقدمہ تیار کرایا جو اتنا مضبوط تھا کہ تمام ملزموں کو چار چار پانچ پانچ سال سزائے قید دی گئی۔

یہ واقعہ ان لوگوں کے واسطے عجیب نہیں جنہوں نے انگریزوں کا وقت دیکھا ہے۔ میں اپنے تجربے کے بہت سارے ایسے ہی واقعات سنا سکتا ہوں لیکن یہ ایک ہی کافی ہے جس سے آپ اندازہ کر لیں گے کہ آج بھی جرائم کا خاتمہ ہو سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ ہماری پولیس کے اعلیٰ افسروں کا رویہ اور نیت انگریز افسروں جیسی ہو۔

دس نمبر یئے بدمعاش اس کے مرید تھے

اب میں اس واردات کی طرف آتا ہوں جو میں آپ کو سنا رہا تھا۔ میرا ڈی ایس پی اسی روز میرے تھانے میں آ گیا اور میں اس کو موقعہ پر لے گیا۔ اس نے انسانی ڈھانچوں کو دیکھا اور فوراً ہی مجھ سے پوچھا کہ تم کیا سمجھے ہو۔

''قتل!''۔۔۔ میں نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''یہ ہڈیاں ہم خود اٹھوائیں گے۔ تم خراب کر دو گے۔ یہ لاہور جائیں گی''۔

میں یہ تفصیل سنا کر آپ سب کو بور نہیں کرنا چاہتا کہ اس نے یہ ڈھانچے کس طرح اٹھوائے اور ان کو کس طرح لے جایا گیا۔ میں نے وہ اشیاء جو ڈھانچوں سے برآمد ہوئی تھیں، ڈی ایس پی کو دکھائی تھیں۔ اس نے کہا تھا کہ ان چیزوں کو برآمدگی کے کھاتے میں لکھو، اپنے پاس رکھو اور تفتیش شروع کر دو۔

''دیکھو محبوب!''۔۔۔ ڈی ایس پی نے میرے تھانے سے رخصت ہوتے وقت اپنی چھڑی میرے کندھے سے لگا کر کہا تھا۔۔۔ ''کوئی شک نہیں کہ یہ قتل کی واردات ہے۔ اگر تم اس کے ملزموں کو پکڑ لو تو ہم تم کو بہت انعام دیں گے''۔

''صاحب بہادر!''۔۔۔ میں نے اس کو کہا تھا۔۔۔ ''انعام کی ضرورت نہیں، یہ میرا فرض ہے جو میں پورا کروں گا۔ مجھ کو یہ کپڑے اور ان کے جوتے واپس ملنے چاہئیں''۔

''تم کو سب چیز واپس ملے گی''۔

''کیا آپ بتا سکتے ہیں صاحب بہادر!''۔۔۔ میں نے اس سے پوچھا۔۔۔ ''یہ ڈھانچے کتنے پرانے ہیں؟ ان کو قتل ہوئے کتنا عرصہ گذر گیا ہے؟

''ہم ٹھیک سے نہیں بتا سکتے''۔۔۔ ڈی ایس پی نے جواب دیا۔۔۔ ''ٹھیک ٹائم لاہور کے سپیشلسٹ ڈاکٹر بتائیں گے ہم اپنا اندازہ یہ بتا سکتے ہیں کہ تین سال سے زیادہ ٹائم نہیں گذرا۔ ہمارا تجربہ کہتا ہے کہ دو سال تو ضرور ہو گئے ہیں''۔

میں نے ڈی ایس پی کے جانے کے فوراً بعد تفتیش شروع کر دی۔ سب سے پہلے اس مکان کے اس مالک کو بلایا جس نے یہ مکان اس ہندو لالے کے ہاتھ بیچا تھا۔ نمبردار، ذیلدار اور اس محلے کے دو ایسے معزز افراد کو میں نے اپنے ساتھ ہی رکھا ہوا تھا جو خفیہ طور پر پولیس کے مخبر تھے اور وہ ہر گھر کے حالات جانتے تھے۔

مجھ کو اس تھانے میں آئے ہوئے ابھی ڈیڑھ سال گذرا تھا۔ مجھ کو کوئی ایسا کیس یاد نہیں آ رہا تھا جس میں ایک مرد اور ایک عورت کی گمشدگی کی رپورٹ ہو۔ میں نے محرر ہیڈ کانسٹیبل کو اس کام پر لگا دیا کہ وہ میرے تمام عرصے کی فائلیں دیکھے اگر ان میں کوئی ایسا کیس نہیں ملتا تو تین سال پیچھے تک کی تمام فائلیں دیکھے۔ مجھ کو امید تھی کہ ایسا کیس ضرور مل جائے گا جو ایک مرد اور ایک عورت کی گمشدگی کا ہو گا اور اس کیس پر عدم پتہ لکھا ہو گا۔

محرر ہیڈ کانسٹیبل نے ایک کانسٹیبل کو ساتھ لگا کر یہ کام شروع کر دیا اور میں نے مکان کے مالک سے پوچھ گچھ شروع کر دی۔ یہ شخص تقریباً پینسٹھ برس کا معزز متمول آدمی تھا۔ میں نے پہلے بتایا ہے کہ اس کی اراضی خاصی زیادہ تھی اور وہ اتھارٹی رکھنے والا آدمی تھا۔ میں اس شخص کو چوہدری احمد دین لکھوں گا۔ میں نے اس سے پہلی بات یہ پوچھی کہ یہ آدمی اور یہ عورت کون تھے جن کو یہاں دفن کیا گیا تھا۔ اس نے لاعلمی کا جواب دیا۔

میں یہ بتا دوں کہ اس کی اپنی حویلی جس میں وہ اپنے خاندان کے ساتھ آباد تھا، اس مکان سے ایک گھر چھوڑ کر تھی۔ درمیان میں ایک مسلمان سکول ماسٹر رہتا تھا۔

''میری ایک بات کان کھول کر سن لیں چوہدری صاحب!''۔۔۔ میں نے اس کو خبردار کیا۔۔۔ ''میں جو سوال پوچھوں، اس کا جواب سولہ آنے ٹھیک دینا۔ میں یہی سوال معلوم نہیں کتنے اور لوگوں سے پوچھوں گا۔ اگر آپ کا ایک بھی جواب بعد میں غلط نکلا تو

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

آپ پھانسی کے تختے تک پہنچ جائیں گے''۔

''جناب!''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''جس چیز کا مجھ کو علم ہی نہ ہو اس کا جواب کس طرح صحیح دوں گا''۔

''بڑے آسان سوال پوچھوں گا''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''یہ مکان کب سے غیر آباد پڑا ہے؟''

''پانچ سال سے!''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ ''دو تین مہینے اوپر نیچے ہو سکتے ہیں''۔

''پہلے یہاں کون رہتا تھا؟''۔۔۔ میں نے پوچھا۔۔۔ ''پھر پانچ سال یہ مکان خالی کیوں پڑا رہا؟''

''میں خود اپنے بال بچوں کے ساتھ اس مکان میں آباد رہا''۔۔۔ اس نے بتایا۔۔۔ ''بڑی حویلی میں میرا بڑا بھائی رہتا تھا۔ وہ فوت ہو گیا ہے۔ اس کی اولاد صرف دو بیٹیاں ہیں جو اپنے اپنے گھروں میں آباد ہیں۔ حویلی میری اور بھائی کی سانجھی ہے۔ بہت کشادہ ہے۔ دو کمرے اوپر ہیں۔ بھائی نے کہا کہ حویلی میں آ کر رہو۔ میں بال بچوں کو لے کر حویلی میں چلا گیا۔ اس مکان میں نوکر چاکر رہتے رہے۔ محلے میں کسی کی بارات آتی تو اس کو اسی مکان میں ٹھہرایا جاتا تھا، پھر اس مکان کی حالت خراب ہونے لگی۔ ہم نے اس میں مویشی باندھنے شروع کر دیئے۔ پھر یہ مکان کسی انسان کی رہائش کے قابل نہ رہا اور پانچ سال سے اسی حالت میں پڑا ہے''۔

ڈی ایس پی نے کہا تھا کہ ہڈیوں کے یہ ڈھانچے کم از کم دو سال اور زیادہ سے زیادہ تین سال پرانے ہیں۔ صحیح رپورٹ تو ڈاکٹر نے دینی تھی۔

''چوہدری صاحب!''۔۔۔ میں نے پوچھا۔۔۔ ''آپ کی برادری میں سے یا نوکروں مزارعوں میں سے کوئی مرد عورت کبھی لاپتہ ہوئے تھے؟''

''کبھی نہیں''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ ''آپ یہ ذہن میں رکھیں کہ میں اپنی برادری کا سب سے بڑا پنچ ہوں۔ کسی کی کوئی حرکت مجھ سے چھپی نہیں رہ سکتی''۔

چوہدری احمد دین کے دو بیٹے تھے۔ میں نے اس کو باہر بٹھایا اور نمبردار کو بلایا۔ اس سے پوچھ گچھ کی۔ پھر ذیلدار اور پھر معززین سے پوچھ گچھ ان سب نے احمد دین کی ان

باتوں کی تصدیق کی جو اس نے مکان کے بارے میں بتائی تھیں۔ احمد دین کے کردار کے بارے میں ان سب نے اپنا اپنا جو نقشہ پیش کیا، ان سب کو میں نے ایک جگہ کر کے جائزہ لیا تو یہ نقشہ سامنے آیا کہ چوہدری معزز آدمی تو ہے لیکن شریف آدمی نہیں۔ اب بڑھاپے میں شریف بن گیا ہے۔ کچھ سال پہلے تک اس نے عیش و عشرت کی زندگی گذاری لیکن گھٹیا حرکتیں نہیں کیں۔ شہر کے دس نمبر یئے بدمعاش اس کے مرید تھے اور اب بھی ہیں۔ یہ بھی مجھ کو بتایا گیا کہ چوہدری کا حکم اور رعب چلتا ہے۔

میں نے اس چوہدری کے پاؤں اکھاڑنے کی بہت کوشش کی۔ اس پر بہت سوال پھینکے لیکن اس نے کوئی ایک بھی بات ایسی منہ سے نہ نکالی جس سے مجھ کو اس پر شک ہوتا۔ مجھ کو یہ خیال بھی آیا کہ میں صرف اس پر شک نہ کرتا رہوں۔ اس کے بیٹے ہیں۔ اس کے رشتے برادری کے آدمی بھی ہیں۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کسی اور نے اس آدمی اور عورت کو قتل کیا اور رات کو اس غیر آباد مکان میں دفن کر گیا لیکن یہ سوچ بھی آئی کہ تین فٹ گہرا چھ فٹ لمبا اور چار فٹ چوڑا گڑھا کھودنے کے واسطے بہت وقت درکار ہوتا ہے اور اس کام کو پوشیدہ رکھنا ممکن نہیں ہوتا۔ پھر مٹی کو بھی چھپانا پڑتا ہے۔ یہ سوچ سوچ کر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اس گھر کا مالک یا اس کے ایک دو آدمی اس واردات میں شامل تھے۔

رات ہو گئی تھی۔ میں نے ڈاکٹروں کی اس رپورٹ کا انتظار کرنا تھا کہ یہ ڈھانچے کتنے پرانے ہیں۔ میں نے نمبردار، ذیلدار وغیرہ کو کہا کہ وہ خفیہ طور پر سراغرسانی کریں اور مجھ کو اطلاع دیتے رہیں۔ ان سب کو اور چوہدری احمد دین کو بھی جانے کی اجازت دے دی۔ اس چوہدری کو تو میں نے بہت ڈرایا۔

''یہ مکان میرے دادا نے بنایا تھا''۔۔۔ چوہدری احمد دین نے کہا۔۔۔ ''اگر اس وقت کسی نے دو مردے یہاں دفن کر دیئے تھے تو میں آپ کو کیا بتا سکتا ہوں''۔

''چوہدری صاحب!''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''کوشش کریں کہ آپ مجھ کو کچھ نہ کچھ بتا دیں۔ اب آپ جائیں اور اپنا نفع نقصان سوچ لیں''۔

بیٹی باز نہیں آتی تھی

میں ان سب کو رخصت کر چکا تو محرر ہیڈ کانسٹیبل نے میرے آگے ایک فائل رکھی۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں اپنے گھر چلا تھا لیکن فائل دیکھنے بیٹھ گیا۔ یہ اڑھائی سال پرانا ایک کیس تھا۔ ایک جوان لڑکی لاپتہ ہوگئی تھی۔ فائل سے معلوم ہوا کہ وہ شادی شدہ تھی۔ عمر اکیس بائیس سال تھی۔ شادی کے چھ سات ماہ بعد خاوند نے اس کو طلاق دے دی۔ طلاق کے ایک ماہ بعد لاپتہ ہوگئی۔

اس وقت اس تھانے میں جو تھانیدار تھا۔ اس نے فائل میں اپنی تمام کارگذاری درج کی ہوئی تھی۔ لڑکی کا جو حلیہ تحریر تھا وہ میرے لیے بیکار تھا۔ اب اس کا چہرہ تو تھا ہی نہیں۔ خشک کھوپڑی تھی۔ البتہ حلیے میں یہ بھی تحریر تھا کہ لڑکی کا ایک دانت سونے کا تھا اور اس نے پھولدار چھینٹ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ کانوں میں بندے اور انگلی میں انگوٹھی بھی لکھی ہوئی تھی۔ یہ لڑکی ایک گاؤں کی رہنے والی تھی جو میرے تھانے کے علاقے میں تھا۔

تھانیدار نے چار مہینے تفتیش کی اور کیس کو ''عدم پتہ'' لکھ کر فائل داخل دفتر کر دی تھی۔ مجھ کو اس فائل سے ایسے اشارے مل گئے جن سے میں کام لے سکتا تھا۔ میں نے اے ایس آئی کو کہا کہ کل اس لڑکی کے وارثوں کو تھانے میں طلب کر لے اور لڑکی کی ماں اگر زندہ ہے تو وہ ضرور آئے۔

پہلے تھانیدار نے اس کیس کو عدم پتہ اس وجہ سے لکھا تھا کہ لڑکی بالغ تھی، بیوہ تھی اور اس کو اغوا نہیں کیا گیا تھا۔ وہ اپنی مرضی سے کسی کے ساتھ خود گئی تھی لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کس کے ساتھ گئی ہے۔

میں اس لڑکی کی گمشدگی یا فرار کو زیادہ بیان نہیں کرنا چاہتا کہ پہلے تھانیدار کا فیصلہ ٹھیک تھا یا غلط، میں اپنی کہانی کو آگے چلاتا ہوں۔ اس کیس کی فائل نے مجھ کو شک میں ڈال دیا۔ میں گھر چلا گیا۔ دوسری صبح تھانے میں آیا تو مجھ کو بتایا گیا کہ لڑکی کے وارثوں کو تھانے لانے کے واسطے ایک کانسٹیبل چلا گیا ہے۔ کچھ دیر بعد ایک آدمی آ گیا۔ یہ ان آدمیوں میں سے تھا جن کو معزز مخبر کہا کرتے تھے۔ آج کل ایسے معزز مخبروں کی تعداد زیادہ ہوگئی ہے۔

''جناب!'' ــــ اس نے کہا ــــ ''میں نے بہت تفتیش کی ہے۔ چوہدری احمد دین کے نوکروں اور مزارعوں میں سے بھی کبھی کوئی مرد یا عورت لاپتہ نہیں ہوئے۔ اس مکان کے بالکل ساتھ سکول ماسٹر رہتا ہے۔ اس نے کچھ باتیں بتائی ہیں۔ اس کو طلب کریں۔

آپ اس کے اندر بیٹھے بہت باتیں نکلوا سکتے ہیں''۔

اس نے ماسٹر کی باتیں سنانی شروع کر دیں اور میں نے ایک کانسٹیبل کو سکول بھیجا کہ اس ماسٹر کو ساتھ لے آئے۔ سکول قریب ہی تھا۔ ماسٹر جلدی آ گیا اور میں نے اس کو بتایا کہ اس کو کیوں طلب کیا گیا ہے۔

''میں ایک عرض کروں گا'' ــــ اس نے کہا ــــ ''میں نے اڑھائی سال پہلے جو دیکھا تھا وہ بیان کر دوں گا لیکن میرے اوپر پردہ ڈالنا آپ کا کام ہے۔ میں غریب اور بے آسرا آدمی ہوں اور یہ چوہدری بادشاہ ہیں۔ میرا جینا حرام کر دیں گے''۔

میں نے اس کو تسلی دی اور وعدہ کیا کہ اس کا بیان راز میں رکھا جائے گا۔ پولیس کے یہ وعدے سچے نہیں ہوا کرتے۔ اگر کسی کی گواہی کی ضرورت پڑ جائے تو اس کو عدالت میں لے جا کر گواہی دلوا دیتے ہیں۔

''دو سال اور چھ سات مہینے گذر گئے ہیں'' ــــ ماسٹر نے بیان دیا ــــ ''سردیوں کا موسم تھا۔ میں آدھی رات کے وقت پیشاب کے واسطے کمرے سے نکل کر صحن میں گیا۔ چوہدری کے ویران مکان کی اور میرے مکان کی دیوار سانجھی ہے۔ ہمارا بیت الخلاء اس دیوار کے ساتھ ہے۔ میں بیت الخلا میں گیا تو ساتھ والے مکان میں اس طرح دھمک سنائی دی جیسے زمین پر کدال ماری جا رہی ہو۔ اس سانجھی دیوار کے ساتھ اس مکان کا ایک کمرہ ہے۔ باتیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ مکان غیر آباد ہے پھر یہ کون بول رہا ہے اور ادھر کیا ہو رہا ہے۔ آدھی رات کو چوہدری کیا کام کروا رہا ہے۔ مجھ کو یہ خیال بھی آیا کہ یہ کوئی چور ڈاکو یا غلط قسم کے لوگ نہ ہوں۔ دیکھ لینا چاہئے.....

''چاندنی رات تھی لیکن چاند کے آگے ہلکے ہلکے بادل آئے ہوئے تھے پھر بھی روشنی کافی تھی۔ میں اوپر چھت پر چلا گیا پھر اس مکان کی چھت پر گیا۔ آگے فصیل ہے۔ میں نے اس کے اوپر سے نہ دیکھا تاکہ کوئی مجھ کو دیکھ نہ لے۔ فصیل کے سوراخوں میں سے دیکھا۔ پانچ آدمی اس جگہ موجود تھے جہاں سے یہ دو پنجر نکلے ہیں۔ پانچ میں سے دو آدمی کدالوں سے زمین کھود رہے تھے اور تین آدمی پاس کھڑے تھے''۔

''کسی کو آپ نے پہچانا تھا؟''

''نہیں!'' ــــ ماسٹر نے جواب دیا ــــ ''اتنی مدھم روشنی میں اتنی دور سے چہرے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نہیں پہچانے جاتے تھے۔ انہوں نے اوپر کمبل اور کھیس لیے ہوئے تھے۔ کھدائی کرنے والوں کے چہرے میری طرف نہیں تھے۔ ادھر ان کی پیٹھیں تھیں''۔

''ان کے قریب دو لاشیں پڑی ہوئی ہوں گی''۔

''نہیں جناب!''___ ماسٹر نے کہا___ ''میں نے لاشیں نہیں دیکھیں..... یہ دیکھا کہ ایک آدمی مکان کے کمروں کی طرف گیا۔ میں اب اس کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ دو تین منٹ بعد وہ واپس آیا ایک نے اس سے پوچھا___ ''تم کیا دیکھتے پھر رہے ہو؟''___ اس نے جواب دیا___ 'زندہ ہی نہ ہوں'___ دوسرے آدمی نے کہا___ 'مت ڈرو یار!___ وہ تو ٹھنڈے ہو گئے ہیں'___ ایک آدمی نے آہستہ سے کچھ کہا تو اس آدمی نے ذرا اونچی آواز میں کہا۔ نہ نہ..... کوئی چیز نہ اتارنا۔ سب کچھ ساتھ جانے دو، ایک نے اور کہا___ 'تم کو زیور اور پیسوں کی کیا بھوک ہے؟'___ مجھ کو یقین ہو گیا کہ یہ لوگ اپنا ہی کوئی کام کر رہے ہیں تو میں وہاں سے ہٹ کر نیچے آ گیا اور سو گیا''۔

''دوسرے دن یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی کہ رات کو ان لوگوں نے صحن میں کیا کیا تھا؟''___ میں نے پوچھا۔

''میں نے ایسی ضرورت ہی نہیں سمجھی''___ ماسٹر نے جواب دیا___ ''یہ تو میں نے شک کیا ہی نہیں تھا کہ یہ لوگ دو لاشوں کو دفن کر رہے ہیں۔ اب یہاں سے دو پنجر نکلے ہیں تو مجھ کو وہ رات یاد آئی، تو میں نے آپ تک یہ بات پہنچا دی ہے۔ آگے اللہ بہتر جانتا ہے کہ اصل معاملہ کیا ہے''۔

اصل معاملہ تو ابھی مجھ کو بھی معلوم نہیں تھا۔ میں صرف یہ سننے کے انتظار میں تھا کہ ان لاشوں کو دفن ہوئے دو یا تین سال گذر گئے ہیں۔ بہر حال اس سکول ماسٹر نے میرا یہ شک پکا کر دیا تھا کہ اڑھائی سال پہلے ایک رات یہاں لاشیں دفن کی گئی تھیں۔ ماسٹر نے یہ الفاظ سنے تھے___ ''زندہ ہی نہ ہوں..... ٹھنڈے ہو گئے ہیں..... کوئی چیز نہ اتارنا۔ سب کچھ ساتھ جانے دو''___ اگر ماسٹر صرف ایک آدمی کی بھی شناخت کر لیتا تو میرا کام بن جاتا۔

میں تھانے کے دوسرے کاموں کے ساتھ ساتھ مخبروں کی رپورٹیں بھی سنتا رہا۔ تھانیداروں کے خوشامدی ''معززین'' کو بڑا اچھا موقع مل گیا تھا۔ وہ کوئی نہ کوئی بات لے کر میرے پاس آ جاتے، کچھ اپنے پاس سے ملا لیتے اور اس بہانے میری چاپلوسی کرتے۔

بات دراصل کچھ بھی نہیں ہوتی تھی۔

شام کے شاید چار بجے تھے جب اس لڑکی کے وارث آ گئے جس کی گمشدگی کی فائل مجھ کو محرر ہیڈ کانسٹیبل نے نکال کر دی تھی۔ اس کے آنے والے وارثوں میں اس کا باپ تھا، بڑا بھائی تھا اور ماں تھی۔ ان سب سے الگ الگ پوچھ گچھ کی۔ مری ہوئی عورت کے ڈھانچے سے مجھ کو بُندے اور انگوٹھی ملی تھی۔ یہ دونوں چیزیں لاپتہ لڑکی کی ماں کو دکھائیں۔ یہ الگ تھلگ اور خاص ڈیزائن کی نہیں تھیں کہ ماں پہچان لیتی۔ دیہات کی لڑکیاں ایک ہی قسم کا زیور پہنا کرتی تھیں۔

میں نے اس سے پوچھا کہ اس کے کون سے دانت پر سونے کا خول چڑھا ہوا تھا۔ اس نے اپنے ایک دانت پر انگلی رکھ کر بتایا۔ یہ وہی دانت تھا۔ کھوپڑی کے اسی دانت پر سونے کا خول چڑھا ہوا تھا۔

''میری بیٹی کہاں ہے؟''___ ماں نے بے صبری سے پوچھا___ ''کیا وہ زندہ مل گئی ہے؟''

''مل جائے گی''___ میں نے اس کو جواب دیا اور پوچھا___ ''یاد کر کے بتاؤ کہ اس کے پاؤں میں جوتی کیسی تھی؟''

''یوں تو مجھ کو اچھی طرح یاد ہے''___ ماں نے بتایا___ ''وہ باہر نکلتی تھی تو سچے تلے والی جوتی پہن کر نکلتی تھی''۔

جوتی ڈھانچے کے ساتھ لاہور چلی گئی تھی ورنہ اس سے شناخت کرواتا۔ اس عورت نے مجھ کو زیادہ باتیں بتائی تھیں۔ اس نے بیان کیا کہ اس کی بیٹی کی شادی ایسے آدمی کے ساتھ کرنی پڑی جو اس کو پسند نہیں تھا۔ لڑکی شوقین مزاج تھی اور آدمی کا لاابالی سا تھا۔ دلی طور پر بھی وہ مردہ سا تھا۔ لڑکی نے خاوند کو اتنا تنگ کیا کہ اس نے لڑکی کو سات آٹھ ماہ بعد طلاق دے دی۔ ایک ہی مہینے بعد لڑکی لاپتہ ہو گئی۔

''کیا تم کو پتہ ہی نہیں تھا کہ کس کو پسند کرتی ہے؟''___ میں نے پوچھا۔

''صرف مجھ کو پتہ تھا''___ اس نے جواب دیا___ ''وہ ایک اور گاؤں کا آدمی تھا لیکن وہ شادی شدہ تھا اور اس کے دو بچے بھی تھے۔ میری بیٹی نے اس کے ساتھ تعلق جوڑا ہوا تھا۔ طلاق لے کر بیٹی کہتی تھی کہ وہ اس آدمی کے ساتھ شادی کر لے گی اور یہ آدمی نہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بیوی کو طلاق دے دے گا۔ میں نے اس کو منع کر دیا تھا لیکن بیٹی باز نہیں آتی تھی۔ میں نے اس کے باپ اور بھائی کو نہیں بتایا تھا۔ مجھ کو پتہ لگا تھا کہ یہ آدمی بہت بدمعاش ہے''۔

''کیا تمہاری بیٹی اسی آدمی کے ساتھ گئی ہے؟''

''میرا دل تو یہی کہتا ہے''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ ''وہ بھی دو تین سالوں سے کہیں نظر نہیں آیا''۔

''کیا تمہارا اس شہر میں کوئی قریبی رشتہ دار ہے؟''

''نہیں!''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ ''اس شہر میں ہمارا کوئی نہیں''۔

''اور جس آدمی کا تم ذکر کر رہی ہو، اس کا اس شہر میں کوئی عزیز رشتہ دار ہوگا''۔

''مجھ کو معلوم نہیں''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔

ان لوگوں کو میں نے گھر بھیج دیا۔

دونوں کو زمین نگل گئی

چوتھے یا پانچویں دن ہڈیوں کی رپورٹ آ گئی۔ ہڈیاں دو سال سے چند مہینے زیادہ اور تین سال سے کم پرانی تھیں۔ یہ پتہ نہیں لگایا جا سکتا تھا کہ دونوں کی موت کا باعث کیا تھا۔ یہ تو صاف ظاہر تھا کہ ان کو قتل کیا گیا تھا۔ اب میرا کام شروع ہو گیا۔ مرنے والوں کی جوتیاں بھی آ گئی تھیں اور کپڑے بھی۔ میں نے ان کو دھلوایا لیکن زیادہ ملنے سے کپڑے پھٹنے لگے تھے۔ یہ دو تین سال زمین میں دبے رہے تھے۔ ان کو صابن والے پانی میں ڈال کر رکھا اور آہستہ آہستہ صاف کرایا۔ ان کی اصل حالت بحال ہو گئی۔

میں نے اس لڑکی کے والدین کو پھر بلایا جو اڑھائی سال پہلے گاؤں سے لاپتہ ہوئی تھی۔ وہ آئے تو میں نے لڑکی کی ماں کو اپنے دفتر میں لا کر زنانہ کپڑے، زیور اور زری جوتی دکھائی۔ ماں کی جو حالت ہوئی وہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ یہ کپڑے، جوتی اور زیور اسی کی بیٹی کا تھا۔ کپڑے کی زمین کا رنگ اور اس پر پھول اس کو یاد تھے۔ اس کا رنگ پیلا پڑ گیا۔

''کہاں ہے میری بیٹی؟''۔۔۔ اس نے ایسے لہجے میں پوچھا جس طرح سسکیاں لی جاتی ہیں۔

تھانیداروں کو پتھر دل ہونا پڑتا ہے۔ میں نے اس کو بتا دیا کہ اس کی بیٹی کی ہڈیاں ملی

ہیں جو ابھی اس کے حوالے کر دی جائیں گی تاکہ وہ ان کو اپنے گاؤں کے قبرستان میں دفن کر دے۔ میں نے بڑی مشکل سے اس کو اپنے سوالوں کے جواب دینے کے قابل بنایا۔ ابھی میں نے اس کو اس کی بیٹی کی ہڈیاں نہیں دکھائی تھیں۔ میں نے یہ معلوم کرنا تھا کہ یہ لڑکی زندہ یا مردہ چوہدری احمد دین کے غیر آباد مکان میں کس طرح پہنچی اور کس نے پہنچائی، اور پھر یہ معلوم کرنا تھا کہ اس لڑکی کے ساتھ یہ جو آدمی تھا یہ کون تھا۔

لڑکی کی ماں نے بتایا تھا کہ جس آدمی کو اس کی لڑکی پسند کرتی تھی، وہ ایک اور گاؤں کا رہنے والا تھا اور وہ بھی عرصہ دو سال سے یا اس سے زیادہ عرصے سے کہیں دکھائی نہیں دیا۔ یہ گاؤں دوسرے تھانے میں بلکہ دوسری تحصیل میں تھا۔ لڑکی کے گاؤں اور اس آدمی کے گاؤں میں دو میل سے کم فاصلہ تھا۔ یہ تو اس عورت نے اس شخص کی نشاندہی کی تھی۔ اس کی تصدیق ضروری تھی۔ میں نے بہتر یہ سمجھا کہ دوسرے تھانے میں چلا جاؤں اور وہیں بیٹھ کر مختلف لوگوں سے ملوں۔ میں وہاں اپنے جونیئر سب انسپکٹر کو یا اے ایس آئی کو بھیج سکتا تھا لیکن میں نے خود اس خیال سے جانا بہتر سمجھا کہ کوئی کسر نہ رہ جائے اور تھوڑی سی بھی کوتاہی نہ ہو جائے، مجھ کو انگریز ڈی ایس پی نے چیلنج دیا تھا کہ اس واردات کے ملزموں کو پکڑ لو تو تم کو انعام دیں گے۔ اس کا مطلب دراصل یہ تھا کہ تم ہندوستانی ہو اور تم میں اتنی عقل ہے ہی نہیں۔ میں نے اس انگریز افسر کو یہ دکھانا تھا کہ ہندوستانی تھانیداروں میں، خاص طور پر مسلمان تھانیداروں میں، سکاٹ لینڈ یارڈ والوں جتنی عقل موجود ہے۔

دونوں ڈھانچے الگ الگ کپڑوں میں باندھے ہوئے تھے۔ اب تو یہ ہڈیوں کے ڈھیر تھے جو گٹھڑیوں کی شکل میں بندھے ہوئے تھے۔ میں نے وہ گٹھڑی جس پر ''زنانہ'' کا لیبل لگا ہوا تھا۔ گمشدہ لڑکی کے باپ کے حوالے کر کے اس کا انگوٹھا رسید پر لگوایا۔ اس سے میں نے پوچھ گچھ بھی کی تھی۔ اس نے بتایا تھا کہ اڑھائی سال گذرے، ایک رات اس کی بیٹی لاپتہ ہو گئی۔ میرے ایک سوال کا جواب اس نے یہ دیا کہ لڑکی کی چارپائی کے پاس اس کی وہ جوتی پڑی ہوئی تھی جو وہ گھر میں پہنا کرتی تھی اور زری جوتی گھر میں نہیں تھی جو وہ کہیں باہر جاتے وقت یا کسی کے بیاہ شادی پر پہنا کرتی تھی۔

ایک سوال کا جواب اس نے یہ دیا کہ لڑکی نے رات کو جو کپڑے پہنے ہوئے تھے وہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اندر کمرے میں پڑے ہوئے تھے اور وہ دھلے ہوئے کپڑے پہن کر گئی تھی۔ وہ کوئی رقم لے کر نہیں گئی اور اپنا زیور بھی گھر چھوڑ گئی تھی۔

لڑکی کی ماں نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ اس نے اپنے خاوند کو نہیں بتایا تھا کہ اس کی بیٹی کس آدمی کو چاہتی تھی لیکن میں نے باپ سے پوچھا تو اس نے کہا کہ اس کو معلوم تھا اور اس نے اپنی بیوی کو نہیں بتایا تھا۔

''کیا تم اتنے بزدل اور بے غیرت تھے کہ اس آدمی کو روک نہ سکے؟''

''میں ڈرنے والی نسل میں سے نہیں ہوں جناب!''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''بات یہ تھی کہ یہ آدمی بہت بدمعاش تھا اور اس کے ہاتھ بڑے لمبے تھے۔ پولیس بھی اس کے ہاتھ میں تھی۔ چور اور ڈاکو بھی اس کے یار تھے''۔۔۔ اس نے کئی اور باتیں بتا کر ثابت کرنے کی کوشش کی کہ وہ بزدل اور بے غیرت نہیں تھا۔

میں نے اس کے بیٹے کو بھی بلایا اور اس کے ساتھ بھی باتیں ہوئیں۔ اس آدمی کے بارے میں مجھ کو ان سے یہ معلومات حاصل ہوئیں کہ وہ بڑے امیر زمیندار کا اکلوتا بیٹا تھا اور نواب بن گیا تھا۔ اس کی شادی ہوئی تو ایک سال بعد باپ مر گیا۔ دو سال گذرے تو ماں مر گئی۔ اس کے دو بچے تھے۔ عیش و عشرت اور بدمعاشی میں وہ لڑکپن میں ہی پڑ گیا تھا۔ ماں باپ کے مرنے کے بعد جو کسر رہ گئی تھی وہ بھی پوری ہو گئی۔

لڑکی کا باپ اور بھائی اور زیادہ معلومات نہ دے سکے۔ میں نے یہ معلومات دوسرے تھانے سے حاصل کرنی تھیں۔ میں ان کو رخصت کر کے دوسرے تھانے کو روانہ ہو گیا۔ ایک ہیڈ کانسٹیبل اور ایک کانسٹیبل میرے ساتھ تھے۔ اس لڑکی کا گاؤں راستے میں آتا تھا۔ میں نمبردار کے گھر رک گیا۔ اس سے اس لڑکی کے بارے میں پوچھا۔

''معلوم نہیں کہاں ہے سرکار!''۔۔۔ نمبردار نے جواب دیا۔۔۔ ''نہ اس خوبصورت جوان کا کچھ اتا پتہ ملا جس کے ساتھ گئی تھی''۔

میرے پوچھنے پر کہ وہ کون آدمی تھا، نمبردار نے اسی آدمی کا نام لیا جو میں پہلے سن چکا تھا۔ وہ دوسرے تھانے کے گاؤں کا آدمی تھا۔ میں اس کے اصلی نام کی بجائے ولایت حسین نام استعمال کروں گا۔

''تم کس طرح یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہو کہ یہ لڑکی اسی کے ساتھ گئی تھی؟''۔۔۔ میں

نے پوچھا اور کہا۔۔۔ ''جو کچھ تم جانتے ہو اور جو تم نے کبھی دیکھا تھا وہ بیان کرو''۔

''ہاں سرکار!''۔۔۔ نمبردار نے کہا۔۔۔ ''میں یقین کے ساتھ بات اس بنا پر کر رہا ہوں کہ اس لڑکی اور ولایت کی محبت چھپی ہوئی نہیں تھی۔ یہ بات ضرور ہے کہ عام لوگوں کو معلوم نہیں تھا۔ ولایت میرے پاس آتا رہتا تھا۔ اس کی عمر تیس سال کے قریب ہو گی۔ بہت خوبصورت جوان تھا اور بڑا زبردست اور جابر آدمی تھا۔ اس لڑکی کے ساتھ اس کا میل ملاپ زیادہ نہیں ہوتا تھا۔ کبھی کبھار ملتے تھے''۔

''اس لڑکی کی سناؤ''۔۔۔ میں نے کہا۔

''یہ بھی خوبصورت تھی''۔۔۔ نمبردار نے بتایا۔۔۔ ''اور بڑی چلبلی اور شوخ۔ اسی وجہ سے گاؤں میں اس کی شہرت تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے اس کا چال چلن بہت ہی خراب ہو گا لیکن ایسا نہیں تھا۔ البتہ لڑکی شوقین تھی۔ اچھے کپڑے پہنتی تھی اور بنی سنوری رہتی تھی، پھر اس کی شادی ہو گئی اور فوراً ہی میاں بیوی میں لڑائیاں اور جھگڑے شروع ہو گئے''۔

''ولایت کے ساتھ لڑکی کی دوستی شادی سے پہلے شروع ہوئی تھی؟''۔۔۔ میں نے پوچھا۔

''بعد میں!''۔۔۔ نمبردار نے جواب دیا۔۔۔ ''اس کا خاوند نہ لڑکی جیسا خوبصورت تھا نہ ولایت جیسا۔ ویسے وہ دل گردے والا دلیر آدمی ہے۔ ہنستا ہنساتا بھی ہے جس کو زندہ دل کہتے ہیں۔ سب کا خیال تھا کہ وہ لڑکی کو لگام ڈال لے گا لیکن اس نے اس کو طلاق دے دی''۔

''ایک بات بتاؤ''۔۔۔ میں نے نمبردار سے پوچھا۔۔۔ ''کیا یہ پتہ ہی نہ لگا کہ ولایت اور فضیلت (لڑکی کا فرضی نام) کہاں ہیں؟''

''کچھ پتہ نہیں لگا''۔۔۔ نمبردار نے جواب دیا۔۔۔ ''ایسے لگتا ہے جیسے ان کو زمین نے نگل لیا ہے''۔

''ہاں چوہدری!''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''ان دونوں کو زمین نے نگل لیا تھا۔ میں نے دونوں کو نکال لیا ہے''۔

''پکڑ لیا ہے آپ نے؟''

میں نے اس کو ان دونوں کی ہڈیوں کے ڈھانچے کی برآمدگی بتا دی اور کہا کہ وہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اڑھائی سال پہلے کی باتیں یاد کر لے اور جب میں اس سے پوچھوں تو مجھ کو بتا تیں سنائے۔

اتنے میں گاؤں میں عورتوں کے رونے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

''فضیلت کی ہڈیاں آ گئی ہیں''۔۔۔ میں نے نمبردار کو کہا۔۔۔ ''ان لوگوں کے لیے وہ آج مری ہے..... تم یوں کرو، فضیلت کے اس خاوند کو میرے پاس بھیج دو جس نے اس کو طلاق دی تھی''۔

نمبردار اس کے خاوند کو لے آیا اور میرے پاس بٹھا کر باہر چلا گیا۔ یہ بدصورت آدمی نہیں تھا۔ البتہ اس کا رنگ گہرا سانولا تھا۔ چہرے کے نقش اچھے تھے اور جسم تو اور زیادہ اچھا تھا۔ قد کاٹھ میں کشش تھی۔ اس نے جب باتیں شروع کیں تو پتہ لگا کہ اس شخص میں عقل میں موجود اور اس کی زبان دوسروں پر اپنا اثر جما سکتی ہے جس کو خود اعتمادی کہتے ہیں۔

''فضیلت کو طلاق کیوں دی تھی؟''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''سنا ہے وہ بہت ہی خوبصورت تھی''۔

''صرف خوبصورتی پر تو نہیں مرنا ہوتا حضور والا!''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''غیرت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ غیرت والے غیرت پر مرا کرتے ہیں''۔

یہ واردات پنجاب کے جس علاقے کی ہے اس کے لوگ بدکار عورت کو معاف نہیں کیا کرتے تھے۔ اب بھی یہ جذبہ موجود ہے۔ میرے وقتوں میں یہ جذبہ بہت زیادہ تھا۔ میرے سامنے جب فضیلت کا خاوند بیٹھا ہوا تھا تو میں یہی سوچ رہا تھا کہ اس شخص نے فضیلت کو قتل نہیں کیا اور طلاق دے دی۔ ایسی عورت کو خاوند اگر قتل نہیں کرتا تو اس کو اس کے گھر بھیج دیتا اور طلاق نہیں دیتا تھا پھر اس مسئلے پر مقدمے بازی اور لڑائیاں ہوتی تھیں۔

''میں نے طلاق کی وجہ پوچھی ہے''۔۔۔ میں نے فضیلت کے خاوند کو کہا۔

''اس کو اپنی خوبصورتی کا بہت مان تھا''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''میں نے اس کو بہت سمجھایا کہ ہم دونوں کے خاندان کسی کے مزارعے نہیں اور ہم تو معمولی سے کسان بھی نہیں۔ ہم اعلیٰ ذات کے زمیندار ہیں۔ لوگ ہمیں جھک کر سلام کرتے ہیں۔ اپنے اور میرے خاندان کی عزت کا خیال کرو، لیکن حضور والا! اس نے میری بات کو سمجھنے کی بجائے ساتھ والے گاؤں کے ایک آدمی کے ساتھ یاری لگا لی''۔

''وہ کون تھا؟''

''اس کا نام ولایت حسین تھا''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔

''تھا کا کیا مطلب ہے؟''۔۔۔ میں نے پوچھا۔۔۔ ''کیا وہ اب دنیا میں نہیں ہے؟''

''دنیا میں ہوتا تو اس کا کچھ تو اتا پتہ ملتا''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''دو تین سالوں سے وہ اور میری پہلی بیوی لاپتہ ہیں''۔۔۔ اس نے ذرا چپ رہ کر کہا۔۔۔ ''ابھی ابھی پتہ لگا ہے کہ میری پہلی بیوی کی لاش آئی ہے۔ یہ بھی سنا ہے کہ اس کی ہڈیاں کہیں سے نکالی گئی ہیں''۔

''ہاں، ہڈیاں ہیں''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''تم مجھ کو ولایت حسین اور فضیلت کے بارے میں بتاؤ''۔

اس نے بہت باتیں سنائیں جن کا اختصار یہ ہے کہ اس کو کسی نے بتایا کہ فضیلت کو ولایت حسین کے ساتھ دیکھا گیا ہے۔ خاوند نے فضیلت سے پوچھا تو فضیلت نے کہا کہ یہ کسی دشمن نے افواہ پھیلائی ہے۔ کچھ دنوں بعد پھر خاوند کو ایسی ہی اطلاع ملی۔ اس نے فضیلت سے سختی سے پوچھا۔ فضیلت نے پھر پہلے والا جواب دیا۔ اس کے بعد بات کھل گئی۔ گاؤں سے ذرا دور سبزیوں کا ایک باغ تھا جس کے اردگرد گھنی باڑھ تھی اور اس میں دو کچے کمرے بھی بنے ہوئے تھے۔ اس باغ کے مالک کا ایک جوان بیٹا ولایت حسین کا دوست تھا۔ ولایت اور فضیلت کی ملاقاتیں اس باغ میں ہوا کرتی تھیں۔

فضیلت کے خاوند نے جس کا فرضی نام میں اشرف لکھوں گا، ایک روز دن کے وقت اس باغ میں سے نکلتے دیکھا اور اس نے ولایت حسین کو بھی دیکھا۔ وہ دوسری طرف سے اپنے گاؤں کو جا رہا تھا۔ ان دنوں فضیلت اپنے میکے میں تھی۔ اشرف وہاں گیا اور اس کے ماں باپ اور بھائی کو بتایا کہ ان کی لڑکی اس کے ساتھ کیا سلوک کرتی رہی ہے اور آج اس نے اس کو فلاں باغ میں سے نکلتے دیکھا ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ اس کو اطلاعیں ملتی رہی ہیں کہ فضیلت ولایت حسین سے ملتی رہی ہے۔

فضیلت کے ماں باپ نے اشرف کو جھٹلانے کی کوشش کی۔

''اگر میرے ساتھ تین پانچ کرو گے تو میں تم لوگوں کو تارے دکھا دوں گا''۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اشرف نے کہا۔۔۔ ''میں تم پر مہربانی کر رہا ہوں کہ اس کو طلاق دے رہا ہوں۔ میرے ساتھ بک کرو گے تو اس کو میں اپنے گھر نہیں لے جاؤں گا اور طلاق بھی نہیں دوں گا..... اور دوسری بات بھی سن لو۔ اگر یہ میرے گھر میں آئی تو میں اپنے اوپر قابو نہیں رکھ سکوں گا۔ ایسا نہ ہو کہ میں اس کا گلا گھونٹ دوں''۔

اشرف نے مجھ کو بتایا کہ اس وقت فضیلت اندر کمرے میں تھی۔ اس نے ایسی دلیری دکھائی کہ باہر نکل آئی اور اپنے خاوند کو چیلنج دینے لگی۔

''اوئے جا یہاں سے!''۔۔۔ فضیلت نے اپنے خاوند کو کہا۔۔۔ ''تو میرا گلا گھونٹ دے گا۔ بڑا آیا شاہ بہرام..... میں تیرے گھر پر تھوکتی ہوں''۔

فضیلت کے بھائی نے فضیلت کے منہ پر بڑا زوردار تھپڑ مارا اور باپ نے جوتی اتار کر اپنی بیٹی کی خوب مرمت کی۔ اشرف زبانی ''تین طلاق'' دے کر اپنے گھر آ گیا۔ اس کے اور فضیلت کے خاندانوں میں ناچاقی پیدا ہو گئی۔ اشرف کو ایک بار پھر معلوم ہوا کہ فضیلت سبزیوں والے باغ میں گئی تھی۔ اشرف کو اب غصہ نہیں آنا چاہئے تھا۔ فضیلت اب اس کی بیوی نہیں تھی لیکن اس کے دل پر اس وجہ سے چوٹ پڑی کہ لوگ فضیلت کے ساتھ اشرف کا نام بھی لیتے تھے اور بعض لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ اشرف بیوی کو سنبھال نہیں سکا۔ یہ بھی کہا جاتا تھا کہ فضیلت نے اشرف کو دھتکار کر اپنی پسند کی لڑکے کے ساتھ یاری لگا لی ہے۔

یہ سب باتیں اشرف کی بے عزتی کا باعث بن گئی تھیں اور وہ برداشت کر رہا تھا۔ میں حیران ہو رہا تھا کہ وہ کس طرح برداشت کرتا رہا تھا۔ میں نے دیکھ لیا تھا کہ وہ کمزور دل نہیں تھا اور غیرت والا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اس نے فضیلت اور ولایت کو معاف کس طرح کر دیا تھا۔

''اپنے ماں باپ کو میں دکھ نہیں دینا چاہتا تھا''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ ''دل سے یہ ارادہ اٹھتا تھا کہ دونوں کو ختم کر دوں لیکن اس خیال سے ارادہ تبدیل ہو جاتا کہ مجھ کو پھانسی کی سزا ہو گئی تو میری ماں صدمے سے مر جائے گی اور میرے باپ کی کمر ٹوٹ جائے گی''۔

اس نے مزید یہ کہا کہ اس کو ان دونوں پر اور فضیلت کے باپ اور بھائی پر غصہ بہت

آتا تھا کہ فضیلت طلاق کے بعد بھی باغ میں گئی اور کسی نے اس کو روکا نہیں۔ لوگ ایسی باتیں کرتے تھے جن سے اشرف کی بے عزتی ہوتی تھی۔ ایک روز اس نے باغ کے مالک کے اس بیٹے کو باغ میں جا پکڑا جو ولایت اور فضیلت کی وہاں ملاقاتیں کراتا تھا۔

''میرے پاس لمبا چاقو تھا''۔۔۔ اشرف نے مجھ کو سنایا۔۔۔ ''میں نے اس کو کمرے میں لے جا کر چارپائی پر گرایا اور چاقو کی نوک اس کی گردن پر رکھ دی۔ مجھ کو معلوم تھا کہ اس میں کتنی کچھ دلیری ہے۔ میں نے اس کو کہا کہ آج کے بعد میں نے سنا کہ فضیلت اس باغ میں آئی ہے تو اس روز یہاں سے تمہاری لاش نکلے گی..... اور یہ بھی سن لو کہ تمہاری ایک جوان بہن ہے جس کی ابھی شادی نہیں ہوئی۔ میں اس کو اپنے دو دوستوں کے اونچے فصل میں خراب کروں گا اور مشہور یہ کروں گا کہ اس کی میرے فلاں دوست کے ساتھ یاری ہے..... حضور والا، میں نے اس کو پھوکی دھمکی نہیں دی تھی۔ وہ مجھ کو جانتا تھا اور میرے دوستوں کو بھی جانتا تھا۔ وہ اتنا ڈرا کہ میرے آگے اس نے ہاتھ جوڑ دیئے۔ اس نے یہ منت بھی کی کہ میں اس کے باپ اور بڑے بھائی کو نہ بتاؤں۔ اس نے یہ بھی بتا دیا کہ ولایت حسین اس کو پیسے دیتا تھا۔ وہ مجھ سے اتنا زیادہ ڈر گیا تھا کہ اس نے یہ بھی بتا دیا کہ ولایت اور فضیلت کہیں بھاگ جانے کی باتیں بھی کرتے اور ولایت فضیلت کو یہ بھی کہتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ یہیں رہ کر شادی کر لوں گا اور اگر میری بیوی نے شور شرابہ کیا تو اس کو طلاق دے دوں گا..... اس کے کچھ دن بعد پتہ لگا کہ فضیلت غائب ہو گئی ہے۔ میں نے ولایت کے گاؤں اپنا ایک جاسوس بھیجا جس نے آ کر خبر دی کہ ولایت بھی لاپتہ ہے۔ پھر ان کا کوئی پتہ نہ لگا۔ آج سنا ہے کہ فضیلت کی لاش آئی ہے''۔

گھر سے بھاگنے کا پروگرام بن گیا

میں نے ولایت حسین کے بارے میں پوچھنا شروع کر دیا تھا لیکن ابھی یہ شہادت کہیں سے بھی نہیں ملی تھی کہ دوسرا ڈھانچہ ولایت کا ہی تھا۔ کچھ باتیں ایسی سامنے آئی تھیں ان سے یہی شک پختہ ہوتا تھا کہ ڈھانچہ اسی کا ہے۔ میں نے اشرف کو بھیج دیا اور اس شخص کو لایا جس کے باغ میں ان کی ملاقاتیں ہوا کرتی تھیں۔

وہ میرے پاس آیا تو اس کے چہرے پر خوف تھا۔ اس کے منہ سے بات نہیں نکلتی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ اس کی عمر اکیس بائیس سال تھی۔ اڑھائی سال پہلے وہ بالکل نوجوان تھا۔ میں نے اس کو خوف میں سے نکالنے کی بہت کوشش کی لیکن میں کامیاب نہ ہو سکا۔ مجھ کو اس پر شک ہونے لگا کہ یہ بھی اس جرم میں یا کسی جرم میں شامل تھا۔

''میں تم کو ایک بات بتا دیتا ہوں''۔۔۔ میں نے اس کو کہا۔۔۔ ''مجھ کو سب باتوں کا علم ہو گیا ہے۔ ولایت حسین اور فضیلت تمہارے باغ میں ملا کرتے تھے اور یہ بھی مجھ کو معلوم ہو گیا ہے کہ ولایت تم کو پیسے دیا کرتا تھا۔ تم مجھ سے کوئی بات نہیں چھپا سکتے۔ چھپانے کی کوشش کرو گے تو برے پھنسو گے۔ ہر ایک بات سنا دو گے تو فوراً چھٹی دے دوں گا''۔

اس نے بیان دینا شروع کر دیا۔ اس بیان کو بھی میں مختصر سناؤں گا۔ ولایت حسین نے اس نوجوان کے ساتھ دوستی گانٹھ رکھی تھی۔ میری رائے یہ تھی کہ اس کی دوستی کی غرض یہی تھی کہ اس کو اس باغ میں غلط حرکتیں کرنے کا پردہ مل جاتا تھا۔ اس نے بتایا کہ کسی عورت کے ساتھ بات چیت کرنی ہوتی یا کسی دوست کے ساتھ خفیہ ملاقات کرنی ہوتی تو وہ اس باغ کو استعمال کرتا تھا۔ انعام کے طور پر اسلم کی وہ بہت ٹہل سیوا کرتا اور اس کو کچھ پیسے بھی دیا کرتا تھا۔

میں نے یہ نوٹ کیا کہ یہ نوجوان اسلم کوئی بدھو یا کم عقل آدمی نہیں تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اشرف سے ڈر گیا تھا اور وہ اپنے باپ اور بھائیوں سے بھی ڈرتا تھا لیکن ولایت حسین کے ساتھ اس کی دوستی اتنی پکی تھی کہ یہ خطرہ مول لے لیتا تھا۔ اس کی باتوں سے مجھ کو یہ پتہ بھی لگا کہ وہ ولایت اور فضیلت کا ہمراز تھا۔ اس نے ان دونوں کی ملاقاتوں کی جو لمبی چوڑی باتیں سنائیں، وہ سنانے کی ضرورت نہیں۔ اس نے بڑے ہی کام کی جو بات بتائی وہ یہ تھی کہ ولایت اور فضیلت نے گھر سے بھاگنے کا پروگرام بنایا تھا جو اسلم کو مکمل طور پر معلوم تھا۔ اس نے مجھ کو بتایا کہ انہوں نے رات کو گاؤں سے نکل جانا تھا اور میرے قصبے میں پہنچ کر رات کی گاڑی سے کہیں چلے جانا تھا۔

''یہ اس طرح ہوا''۔۔۔ اسلم نے مجھ کو بیان دیتے ہوئے کہا۔۔۔ ''آدھی رات سے بہت پہلے ولایت حسین میرے باغ میں آ گیا۔ میں اس کے واسطے باغ میں موجود تھا۔ میں نے اس رات اپنے گھر والوں کو کہا تھا کہ آج باغ میں سونے کا دل کرتا ہے۔ میں اسی بہانے باغ میں چلا گیا۔ پھر فضیلت آ گئی۔ ولایت نے مجھ کو کچھ پیسے دیئے اور دونوں چلے

گئے''۔

''کیا تمہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ انہوں نے کہاں جانا تھا؟''۔۔۔ میں نے پوچھا۔

''ولایت نے کوئی پکی بات نہیں بتائی تھی''۔۔۔ اسلم نے جواب دیا۔۔۔ ''شاید اس نے لاہور جانا تھا''۔

میں یہ بھی بتا دوں کہ ان کے واسطے قریبی ریلوے اسٹیشن میرے قصبے کا تھا۔ فضیلت کا گاؤں وہاں سے کم زیادہ چار میل تھا اور ولایت کا گاؤں یہی کوئی میل یا ڈیڑھ میل اس گاؤں سے آگے ہو گا۔ رات کے سوا ایک بجے ایک پسنجر ٹرین گزرتی تھی۔ ولایت اور فضیلت نے اس گاؤں سے جانا تھا۔ یہ گاڑی لاہور کی طرف جاتی تھی۔ یہ تو پتہ لگ گیا کہ فضیلت کے ساتھ ولایت حسین بھی تھا لیکن یہ پتہ لگانا تھا کہ ہڈیوں کا جو دوسرا ڈھانچہ ملا تھا، کیا وہ ولایت کا ہی تھا۔ اگر اس کا تھا تو ان کو پکڑا کس نے اور یہ دونوں چوہدری احمد دین کے غیر آباد مکان میں کس طرح دفن ہوئے۔

''ذرا یاد کر کے بتاؤ اسلم!''۔۔۔ میں نے پوچھا۔۔۔ ''تم کو ان کے جانے کے کتنے دن پہلے پتہ لگا تھا کہ انہوں نے فلاں رات کو جانا ہے؟''

''مجھ کو اچھی طرح یاد ہے جی!''۔۔۔ اسلم نے جواب دیا۔۔۔ ''ولایت نے مجھ کو تین چار دن پہلے بتا دیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ کسی کے ساتھ اس کا ذکر نہ کر بیٹھنا۔ فضیلت مجھ کو اکیلی ملی تھی تو اس نے بھی مجھ کو یہی تاکید کی تھی''۔

''پھر تو پوچھنے کا کوئی فائدہ ہی نہیں''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''تم نے کسی کو بتایا ہی نہیں تھا''۔

''صرف ایک آدمی کو بتایا تھا''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''مجھ کو اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے اشرف کو تین دن پہلے بتا دیا تھا کہ ولایت اور فضیلت تین دنوں بعد غائب ہو جائیں گے۔ میں نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ رات کی گاڑی پر شہر سے سوار ہوں گے''۔

''پھر اس نے کیا کہا تھا؟''۔۔۔ میں نے چونک کر پوچھا اور کہا۔۔۔ ''اس نے کچھ نہ کچھ ضرور کہا ہو گا!''

''ہاں جی!''۔۔۔ اسلم نے بتایا۔۔۔ ''اشرف بہت خوش ہوا تھا اور اس نے کہا تھا کہ خدا کرے یہ دونوں چلے جائیں پھر سب کو پتہ لگ جائے گا کہ میں نے فضیلت کو خواہ مخواہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

طلاق نہیں دی اور یہ لڑکی تھی ہی بدکار"۔

"یہ فضیلت کیسی لڑکی تھی؟"۔۔۔ میں نے پوچھا۔۔۔ "ولایت کے ساتھ اس کی محبت تھی یا....."

"وہ محبت بالکل نہیں تھی جی!"۔۔۔ اسلم نے کہا۔۔۔ "ناجائز تعلقات تھے..... میں آپ کو سچ بتاؤں، ولایت تو مجھ کو اس رازداری کے پیسے دیتا تھا اور فضیلت اپنے جسم سے مجھ کو خوش رکھتی تھی..... پکی بدمعاش لڑکی تھی۔ اس نے دوستی اپنے جیسے بدمعاش سے ہی لگائی تھی"۔

"پھر وہ چلے گئے؟"

"جی جناب!"۔۔۔ اسلم نے جواب دیا۔۔۔ "وہ چلے گئے"۔

"تم نے اشرف کو کیوں بتا دیا تھا؟"

"دراصل اشرف ہر وقت میرے اعصاب پر سوار رہتا تھا"۔۔۔ اسلم نے جواب دیا۔۔۔ "میں اس شخص سے ڈرتا تھا۔ اس کو خوش کرنے کے واسطے میں نے بتا دیا کہ یہ دونوں جا رہے ہیں۔ میں اشرف کو یہ جتانا چاہتا تھا کہ میں اس کا دوست ہوں ولایت کا نہیں"۔

یہ باتیں سن کر مجھ کو اشرف پر شک ہونے لگا لیکن یہ سوچ میرے دماغ میں آئی کہ ولایت اور فضیلت کو اگر اشرف نے قتل کیا ہے تو کہاں کیا تھا؟ پھر ان کی لاشیں قصبے کے ایک مکان میں کس طرح پہنچیں۔ اتنا انتظام اشرف نہیں کر سکتا تھا۔

میں اس روز واپس آ گیا اور اگلے روز صبح سویرے ولایت حسین کے گاؤں کی طرف چلا گیا۔ یہ دوسرے تھانے کا گاؤں تھا۔

لڑکی کو لاہور لے جا کر بیچ دیا

میں اس بڑے گاؤں گیا جہاں تھانہ تھا۔ وہاں اب اڑھائی سال پہلے والا ایس ایچ او نہیں تھا۔ نیا ایس ایچ او ایک ہندو سب انسپکٹر تھا۔ میں نے ولایت کے بارے میں معلومات لینی تھیں اور اس کے ڈھانچے سے جو کپڑے وغیرہ ملے تھے۔ وہ اس کے وارثوں کو دکھا کر شناخت کرانی تھی۔ میں یہ اشیا ساتھ لے گیا تھا۔ ہندو تھانیدار کو میں نے بتایا کہ

میں کیوں آیا ہوں۔ تھانے میں کچھ کانسٹیبل اور ایک ہیڈ کانسٹیبل ایسے تھے جو اڑھائی سال سے زیادہ عرصے سے اس تھانے میں تھے۔

ان سب سے مجھ کو پتہ لگا کہ ولایت معمولی قسم کا بدمعاش نہیں تھا۔ وہ چھوٹی موٹی بدمعاشیاں نہیں کرتا تھا۔ وہ اپنی دنیا کا بادشاہ تھا۔

ہیڈ کانسٹیبل نے مجھ کو الگ بٹھا لیا۔ اس نے بتایا کہ ولایت کے ساتھ اس کی گہری دوستی تھی۔ ولایت شراب پیتا اور امیر کبیر آدمیوں کے ساتھ جوا کھیلا کرتا تھا۔ عام قسم کے بدمعاشوں کے ساتھ وہ کوئی تعلق نہیں رکھتا تھا۔ عورتوں کا تو وہ شکاری تھا۔

"کیا تم کو یاد ہے کہ یہ ساتھ والا گاؤں جو ہے....."

"اس گاؤں کی ایک لڑکی کے ساتھ ولایت کی یاری تھی"۔۔۔ ہیڈ کانسٹیبل نے میری بات پوری نہ ہونے دی اور بول پڑا۔۔۔ "بہت خوبصورت لڑکی تھی۔ میں نے دیکھی تھی۔ اس کی قسمت خراب تھی کہ اس نے ولایت حسین کے ساتھ دل لگا لیا اور اس کی محبت کی خاطر طلاق لے لی۔ اس بے چاری کو امید تھی کہ ولایت اس کے ساتھ شادی کر لے گا۔ اس کو معلوم نہیں تھا ولایت اپنی ماں اور اپنے باپ کے ساتھ بھی وفا کرنے والا آدمی نہیں تھا"۔

"وہ تو اس لڑکی کے ساتھ گھر سے نکل گیا تھا"۔۔۔ میں نے کہا۔

"وہ مجھ سے پوچھیں کہ لڑکی کو کہاں لے گیا تھا"۔۔۔ ہیڈ کانسٹیبل نے کہا۔۔۔ "وہ لڑکی کو بیچنے کے واسطے لاہور لے گیا تھا۔ وہ لاہور جاتا رہتا تھا اور ہیرا منڈی والوں کے ساتھ اس کا یارانہ تھا"۔

"کیا وہ یہ کام بھی کرتا تھا؟"

"اس کام کو ابھی اس نے زیادہ نہیں چلایا تھا"۔۔۔ ہیڈ کانسٹیبل نے کہا۔۔۔ "یہاں سے چار پانچ میل دور ایک گاؤں کی ایک لڑکی کو اس نے اسی طرح اپنی محبت میں پھانسا تھا اور اس کو لاہور لے جا کر بیچ آیا تھا۔ یہ پانچ چھ مہینے پہلے کی بات ہے۔ اس نے میرے ساتھ صلاح مشورہ کیا تھا۔ صرف ایک اور آدمی ہے جو ولایت کا بڑا گہرا یار ہے۔ اس کو اس بات کا علم ہے۔ اب وہ اس لڑکی کو لاہور لے گیا تھا جس کا آپ ذکر رہے ہیں"۔

میں نے اس ہیڈ کانسٹیبل کو ابھی بتایا نہیں تھا کہ اس لڑکی کی ہڈیاں میرے تھانے کے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

قصبے سے برآمد ہوئی ہیں اور ہڈیوں کا دوسرا ڈھانچہ ولایت حسین کا ہی ہوگا۔

''سنا ہے وہ آج تک واپس ہی نہیں آیا''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''اڑھائی سال ہو گئے ہیں۔ کہاں غائب ہو گیا ہے؟''

''اس نے جو کام شروع کر دیا تھا اس میں خطرہ تو ہوتا ہی ہے''۔۔۔ ہیڈ کانسٹیبل نے کہا۔۔۔ ''آپ خود پولیس آفیسر ہیں۔ آپ تو اچھی جانتے ہیں کہ رنڈیوں کی منڈی میں کیا کچھ نہیں ہوتا۔ میں تو یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ ہیرا منڈی کے استادوں اور دلالوں نے اس سے لڑکی دھرالی ہوگی اور ولایت کو دریائے راوی میں ڈبو دیا ہوگا۔ یا ولایت نے رقم وصول کر لی ہوگی اور کسی نے رقم کی خاطر اس کو ہمیشہ کے واسطے لاپتہ کر دیا ہوگا..... ولایت دیہاتی بدمعاش تھا۔ لاہوریوں کے آگے وہ گدھا یا اُلو تھا۔ میں نے اس کو بتایا تھا کہ تم نے جو ''کاروبار'' شروع کیا ہے وہ خطرناک ہے''۔۔۔ اچانک وہ چپ ہو گیا اور اِدھر اُدھر دیکھ کر اس نے اپنے دونوں ہاتھ میرے دونوں گھٹنوں پر رکھ کر منت کرنے کے لہجے میں کہا۔۔۔ ''ایک درخواست ہے جناب! میں نے آپ کو اپنا مسلمان بھائی سمجھ کر راز کی بات بتا دی ہے۔ آپ میرے اوپر پردہ ڈال دینا۔ یہ نہ کہنا کہ پولیس کا ہیڈ کانسٹیبل ہو کر اس نے ایک گمشدہ لڑکی کا سراغ اپنے دل میں دبا کر رکھا''۔

''فکر نہ کر یار!''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''مجھ کو اپنے کام سے غرض ہے..... اب میں تم کو راز کی ایک بات بتانا چاہتا ہوں..... ولایت اور وہ لڑکی فضیلت لاہور پہنچے ہی نہیں تھے۔ ان دونوں کی ہڈیاں شہر کے ایک غیر آباد مکان میں دفن تھیں۔ میں نے نکلوالی ہیں۔ صرف ڈھانچے ہیں اور کپڑے ہیں۔

ولایت کے سسرال کا یہ رویہ میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ اس نے ان کی بیٹی کو یعنی اپنی بیوی کو بہت ہی تنگ رکھا ہوا تھا۔ میں نے اس کی بیوی کو دیکھا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس سے زیادہ اور کوئی عورت کتنی خوبصورت ہو سکتی ہے لیکن ولایت دوسری عورتوں کے پیچھے اتنی خوبصورت بیوی کو پریشان کرتا رہتا تھا۔ بہرحال اس کی بیوی طلبی پر تھانے آ گئی اور اس نے میرے سوال کا ٹھیک جواب نہیں دیا۔ اس سے میں نے کچھ ضروری باتیں معلوم کیں وہ اتنی کام کی نہیں تھیں کہ ان سے میری تفتیش میں کچھ مدد ہو جاتی۔

ولایت کے گاؤں کا نمبردار آیا ہوا تھا۔ میں نے اس سے ولایت کے بارے میں

باتیں پوچھیں۔ اس نے ابھی وہی باتیں بتائیں جو ہیڈ کانسٹیبل اور دوسرے لوگ بتا چکے تھے۔ نمبردار نے بھی ولایت کے ڈھانچے سے اترنے والے کپڑے، پگڑی اور گرگابی دیکھی تو اس نے کہا کہ جس رات وہ لاپتہ ہوا ہے اس شام کو اس نے یہی کپڑے وغیرہ پہنے ہوئے تھے۔

میری اور میرے محترم استاد احمد یار خاں صاحب کی کہانیوں میں اکثر نمبرداروں، ذیلداروں وغیرہ کا ذکر آیا ہے۔ یہ لوگ سرکاری حیثیت رکھتے تھے اور بہترین جاسوس ثابت ہوتے تھے۔ دیہات کی سیاست کے تو یہ ماہر ہوتے تھے۔ ملزم کو ڈھونڈ لینا اور کسی ملزم پر پردہ ڈال دینا اور پولیس کو بھی چکر دے لینا ان کا خاص کمال تھا۔ ولایت کے گاؤں کے نمبردار نے مجھ سے پوچھنا شروع کر دیا کہ یہ کپڑے وغیرہ کہاں سے برآمد ہوئے ہیں۔ میں نے اس کو پوری بات اور دو ڈھانچوں کی برآمدگی کی پوری روداد سنا دی۔

لباس، جوتی اور زیور کی شناخت ہو گئی ہے۔ دوسرے ڈھانچے کی شناخت کرانی ہے۔ میں اس کے کپڑے وغیرہ ساتھ لایا ہوں''۔

''اس کے کپڑے ہیں؟''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''اگر ہیں تو میں شناخت کر سکتا ہوں۔ اگر زری کلے پر مشہدی لنگی ہے تو یہ ہڈیاں ولایت کی ہیں۔ پاؤں میں کالی گرگابی ہو گی''۔

''ہاں!''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''یہی کچھ ہے''۔

میں نے اس کو دوسرے ڈھانچے کے کپڑے دکھائے۔ ہیڈ کانسٹیبل نے پورے یقین کے ساتھ کہا کہ یہ ولایت تھا۔ وہ مجھ کو مل کر گیا تھا۔ اس نے بالکل یہی کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اس کی سب سے بڑی نشانی زری کلہ، مشہدی لنگی اور یہ گرگابی تھی''۔

قصہ مختصر یہ کہ تصدیق بھی ہو گئی کہ یہ ہڈیاں ولایت کی ہیں، پھر بھی میں نے اس کی بیوی کو تھانے بلوا کر یہ چیزیں دکھائیں۔ اس کی بیوی نے بھی تصدیق کر دی کہ جس رات ولایت لاپتہ ہوا تھا۔ اس نے اس رات یہی کپڑے پہنے ہوئے تھے۔

یہاں میں ایک اور بات سنانا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ میں نے ولایت کے وارثوں یعنی ماں باپ بھائی وغیرہ کو تھانے طلب کیا تھا۔ گاؤں کا نمبردار آ گیا تو اس نے بتایا کہ اس شخص کا اپنا کوئی بھی نہیں ولایت ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ ماں باپ مر چکے تھے۔ اس کے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سسرال والے زندہ اور سلامت تھے۔ انہوں نے تھانے میں آنے سے انکار کر دیا تھا۔ نمبردار کی زبانی اس کے سسر نے پیغام بھیجا تھا کہ اگر حکم سرکار ہے کہ تو ہم آجاتے ہیں لیکن ولایت حسین کی گمشدگی وغیرہ کی پیروی کے واسطے ہم نہیں آئیں گے کہ ہم اس کے وارث نہیں ہیں۔

''میں ایک بات سوچ رہا ہوں چوہدری!''۔۔۔ میں نے اس نمبردار کو کہا۔۔۔ ''ان دونوں کی لاشیں شہر کے چوہدری احمد دین کے غیر آباد مکان میں کس طرح پہنچیں''۔

نمبردار پرانی عمر کا آدمی تھا۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں اور گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ یک لخت اس نے آنکھیں کھولیں اور چٹکی بجائی۔

''کیا آپ نے اس لڑکی کے گاؤں کے نمبردار کے ساتھ بات نہیں کی؟''۔۔۔ نمبردار نے مجھ سے پوچھا۔

''وہ تو میرے ساتھ رہا ہے لیکن میں نے اس کے آگے یہ سوال نہیں رکھا تھا''۔

''آپ یہ سوال اس کے آگے رکھتے تو آپ کو کچھ نہ کچھ جواب مل جاتا''۔۔۔ نمبردار نے کہا۔۔۔ ''میں آپ کو اسی گاؤں کے ایک آدمی کا بڑا گہرا تعلق چوہدری احمد دین کے ساتھ بتا سکتا ہوں۔ یہ لڑکی جو لاپتہ ہوئی تھی اور جس کو طلاق ہوگئی تھی۔ اس کا سسر چوہدری احمد دین کا گہرا یار ہے۔ ان دونوں کے دو دو مربعے سرگودھا کے علاقے میں تھے وہاں چوہدری احمد دین کی کسی کے ساتھ دشمنی پیدا ہوگئی اور ایک بار لڑائی ہوئی تو اس لڑکی کا سسر احمد دین کی مدد کو پہنچ گیا اگر نہ پہنچتا تو احمد دین قتل ہو جاتا۔ اس کے بعد یہ شخص احمد دین کی بہت مدد اور حفاظت کرتا رہا۔ یہ شخص اپنے دو نوکروں اور بیٹوں کو بھی ساتھ لے گیا تھا۔ بس آپ یہ سمجھ لیں کہ اس لڑکی کے سسر نے چوہدری احمد دین پر بہت احسان کیے تھے۔ میں یہی تعلق بتا سکتا ہوں''۔

میرے سامنے دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ ولایت حسین کے وارث اس کی ہڈیاں وصول کرلیں لیکن انہوں نے صاف جواب دے دیا۔ اس کا سسر خود ہی تھانے میں آگیا اور معافی مانگنے لگا کہ وہ طلبی پر نہیں آیا تھا۔ اس نے اس قسم کے الفاظ بھی کہے کہ اس نے اور اس کی بیٹی نے خدا کا شکر ادا کیا ہے کہ اس بدکار اور بدمعاش آدمی کا نام اس کے خاندان سے کٹ گیا ہے۔ اس نے ولایت کی ہڈیاں میرے تھانے میں آکر وصول کرنے سے انکار کر

دیا اور اجازت لے کر اپنی بیٹی کو ساتھ لے کر چلا گیا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ ولایت جب لاپتہ ہوا تھا تو کسی نے اس کی گمشدگی کی رپورٹ تھانے میں دی ہی نہیں تھی۔

میرا اب وہاں کوئی کام نہیں رہ گیا تھا۔ ہیڈ کانسٹیبل نے ہی میرا کام کر دیا تھا۔ میں وہاں سے رخصت ہوا اور فضیلت کے گاؤں پہنچا۔ رات ہو چکی تھی لیکن میں نے بہتر سمجھا کہ تفتیش کو کچھ اور آگے چلا لوں گا۔ میں نمبردار کے گھر چلا گیا۔

آپ کی عزت خطرے میں ہے

میں نے نمبردار سے پوچھا کہ فضیلت کے سسر اور شہر کے چوہدری احمد دین کا آپس میں کیا تعلق ہے؟

''بڑا گہرا تعلق ہے سرکار!''۔۔۔ نمبردار نے جواب دیا اور اس تعلق کی وہی وجہ بتائی جو ولایت کے گاؤں کا نمبردار سنا چکا تھا۔ اس کے بعد اس نے بتایا۔۔۔ ''اشرف اور فضیلت کی جب شادی ہوئی تو اشرف کے باپ نے چوہدری احمد دین کے پورے کنبے کو شادی پر بلایا تھا۔ چوہدری خود بھی آیا اور اس کے بیٹے بھی ساتھ تھے۔ مجھ کو یہ بھی معلوم ہے کہ اشرف کا باپ کبھی شہر جاتا ہے تو چوہدری احمد دین کے گھر ضرور ٹھہرتا ہے۔ چوہدری احمد دین کے بیٹے دونالی بندوق اٹھائے ہوئے کبھی شکار پر نکلتے ہیں تو اشرف کے گھر سے ہو کر جاتے ہیں اور میں نے دو تین مرتبہ اشرف کو بھی ان کے ساتھ جاتے دیکھا ہے''۔

اس نمبردار کے ساتھ میری بہت باتیں ہوئی تھیں ہم دونوں اپنی اپنی عقل لڑا رہے تھے۔ جس کے نتیجے میں میرا دماغ ایک شک پر اٹک گیا۔ مجھ کو اسلم (باغ والے نوجوان) کی بات زیادہ شک میں ڈال رہی تھی کہ اس نے اشرف کو دو تین روز پہلے بتا دیا تھا کہ ولایت اور فضیلت فلاں رات گھر سے بھاگ رہے ہیں اور وہ شہر سے رات کی گاڑی سے روانہ ہوں گے۔

صرف ایک بات مجھ کو تنگ کرتی تھی کہ اشرف کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ ان دونوں کو قتل کرتا یا کرواتا لیکن جو لوگ پیشہ ور مجرم نہیں ہوتے۔ وہ عجیب و غریب حماقتیں کرتے ہیں۔ تفتیش شک کی بناء پر ہی کی جاتی ہے۔ میرے اندر سے یہی آواز آتی تھی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کہا اشرف میرا ملزم ہے یا نہیں چوہدری احمد دین یا اس کے بیٹے یا یہ سب اصل ملزم ہیں۔

''دیکھو چوہدری!''۔۔۔ میں نے نمبردار سے کہا۔۔۔ ''اپنے دماغ کو دو اڑھائی سال پیچھے لے جاؤ اور وہ دن یاد کرو جس رات فضیلت لاپتہ ہوئی تھی۔ کیا اس روز اسلم یا اس کا باپ یا دونوں شہر گئے تھے؟''

نمبردار گہری سوچ میں پڑ گیا اور میں اس کے منہ کی طرف دیکھتا رہا۔

''ہاں سرکار!''۔۔۔ اس نے سوچ سے نکل کر جواب دیا۔۔۔ ''میں پورے یقین کے ساتھ تو نہیں کہتا لیکن کچھ اس طرح یاد آتا ہے کہ شام کے بعد میں نے باپ بیٹے کو گاؤں سے نکلتے دیکھا تھا اور یہ تو مجھ کو اچھی طرح یاد ہے کہ سورج نکلنے سے بہت پہلے دونوں شہر کی طرف سے آ رہے تھے۔ ان کے ساتھ دور سے سلام دعا ہوئی تھی اور شاید ویسے ہی کوئی بات ہوئی ہو، وہ یاد نہیں''۔

''یوں کرنا چوہدری!''۔۔۔ میں نے نمبردار کو کہا۔۔۔ ''ان دونوں کو صبح تھانے لے آنا۔ پوچھیں تو بالکل نہ بتانا کہ کیا معاملہ ہے۔ زیادہ پیچھے پڑ جائیں تو کہنا کہ فضیلت اور ولایت کے بارے میں تھانیدار نے شاید کچھ پوچھنا ہو''۔

میں وہاں سے آ گیا۔

اس صبح میں تھانے میں بہت جلدی چلا گیا اور جاتے ہی چوہدری احمد دین کو بلوا لیا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد اشرف اور اس کا باپ نمبردار کے ساتھ آ گئے۔ میں نے ان کو الگ بٹھا دیا۔ پہلے چوہدری احمد دین کو اپنے سامنے بٹھایا۔

''چوہدری صاحب!''۔۔۔ میں نے اس کو کہا۔۔۔ ''آپ عزت دار آدمی ہیں اور میں آپ کی عزت قائم رکھنا چاہتا ہوں۔ یہ اب آپ کے ہاتھوں میں ہے کہ اپنی عزت کی آپ خود حفاظت کریں گے یا نہیں..... چوہدری صاحب! بات پرانی ہو گئی ہے۔ یہ میرے ہاتھ میں ہے کہ اس کیس کو کول کر دوں یا ملزموں کو پکڑ کر پھانسی کے تختے پر کھڑا کر دوں۔ مجھ کو صحیح بات بتا دیں اور اس پر پردہ ڈالنے والا کام میرے اوپر چھوڑیں''۔

''کون سی بات جناب؟''۔۔۔ اس نے حیران سا ہو کر پوچھا۔۔۔ ''مجھ سے کون سا جرم سرزد ہو گیا ہے؟''

''چوہدری صاحب!''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''ہوش کی بات کریں۔ آپ کی عزت

سخت خطرے میں ہے۔ میری مدد کریں کہ میں آپ کی عزت بچا لوں''۔۔۔ مجھ کو سکول ماسٹر کی بات یاد تھی۔ میں نے وہ ذہن میں رکھ کر چوہدری کو کہا۔۔۔ ''آپ کے غیر آباد مکان میں دو لاشیں آدھی رات کے بعد دفن کی گئی تھیں۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ آپ کو معلوم نہ ہو۔ موقع کا گواہ موجود ہے۔ یہ سوچ لیں کہ یہ بات ایک بار تھانے سے باہر نکل گئی تو کئی گواہ تھانے میں آ جائیں گے۔ پھر آپ کی عزت اور آپ کا رعب خاک میں مل جائے گا اور آپ اپنے بیٹوں کے ساتھ پھانسی کے تختے تک یا کالے پانی تک پہنچ جائیں گے..... میں بار بار یہ نہیں کہوں گا کہ اپنی عزت کو بچائیں۔ مجھ کو آپ کی عزت سے زیادہ اپنی نوکری اور اگلی ترقی عزیز ہے''۔

میں نے اس کے دونوں بیٹوں کو بھی بلوایا ہوا تھا۔ چوہدری کو باہر بھیج کر اس کے دونوں بیٹوں کو باری باری اندر بلایا اور وہی باتیں ان سے پوچھیں جو ان کے باپ سے پوچھ چکا تھا۔ دونوں نے انکار کیا اور وہ بھی ایسے انداز اور طریقے سے جیسے میری ان کی نظروں میں کوئی حیثیت ہی نہیں۔ ان دونوں کو باہر بھیج کر ایک کانسٹیبل کو کہا کہ ان سب کو الگ الگ بٹھاؤ۔ اس کے بعد اشرف کو بلایا۔

''دیکھو اشرف!''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''اب سچ بولنے کا وقت آ گیا ہے۔ سچ بولو گے تو گھر چلے جاؤ گے۔ مجھے چکر دینے کی کوشش کرو گے تو ساری عمر کے لیے جیل چلے جاؤ گے..... مجھ کو صرف یہ بتا دو کہ جس رات فضیلت لاپتہ ہوئی تھی۔ اس رات تم اپنے باپ کے ساتھ کہاں گئے تھے''۔

''کہیں بھی نہیں جناب!''۔۔۔ اس نے اس طرح جواب دیا جیسے یہ کل کی بات ہو۔۔۔ ''ہم تو کہیں بھی نہیں گئے تھے''۔

''تم صبح واپس آ رہے تھے''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''اپنے باپ کے ساتھ تم کہاں سے آ رہے تھے''۔

''ہم دونوں اپنے کھیتوں سے واپس آ رہے تھے''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔

مجھ کو یہیں سے شک ہو گیا کہ یہ باپ بیٹا اس جرم میں شریک تھے۔ شک اس وجہ سے ہوا کہ میں اس سے ڈھائی سال پرانی بات پوچھ رہا تھا۔ قدرتی طریقہ یہ تھا کہ وہ نمبردار کی طرح سوچتا اور یاد کرنے کی کوشش کرتا اور یہ کہتا کہ اس کو یاد نہیں لیکن وہ اس طرح جواب

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دے رہا تھا جیسے یہ ایک ہی دن پہلے کی بات ہو۔

''اسلم نے تمہیں بتا دیا تھا کہ فلاں رات ولایت اور فضیلت گھر سے بھاگ رہے ہیں''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''تم کو یہ بھی اسلم کی زبانی پتہ لگ گیا تھا کہ وہ شہر سے رات گاڑی پر سوار ہوں گے۔ تم نے مجھ کو جب بیان دیا تھا تو یہ بات نہیں بتائی تھی۔ کیوں؟''

''شاید یہ بات یاد نہیں رہی ہوگی''۔

''تم نے اور تمہارے باپ نے وہ رات چوہدری احمد دین کے گھر گزاری تھی''۔۔۔ میں نے ہوا میں تیر چلایا اور کہا۔۔۔ ''بہتر ہے کہ یہ مان لو اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ معاملہ یہیں پر ٹھپ کر دوں گا''۔

وہ ابھی تک انکار پر ڈٹا ہوا تھا لیکن میری تھانیداری نظریں دیکھ رہی تھیں کہ اس کا انداز صاف شک پیدا کرنے والا تھا۔ میں نے اپنے انگریز ڈی ایس پی کے چیلنج کا جواب دینا تھا۔ میں تشدد اور ایذا رسانی کا عادی نہیں تھا لیکن یہاں میں نے اس طریقے کو ضروری سمجھا۔ اشرف کو باہر بھیج دیا اور ایک ہیڈ کانسٹیبل اور اے ایس آئی کو بلایا۔ ان کو کہا کہ چوہدری احمد دین اور اس کے ساتھ اشرف کے باپ کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور ان کا دماغ درست کر دو۔

میں نے قصبے کے نمبردار اور دو تین دوسرے آدمیوں سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ چوہدری احمد دین کے خاص نوکر یا مزارعے کون کون ہیں۔ مجھ کو ایک گھریلو ملازم جوان کے مویشیوں کی دیکھ بھال کرتا تھا اور ایک مزارع کے نام بتائے گئے۔ ان دونوں کے بارے میں یہ بھی بتایا گیا کہ شیطان جیسی فطرت کے آدمی ہیں اور ان کو چوہدری کی خاص پشت پناہی اور مہربانی حاصل ہے اور جہاں کہیں لڑائی جھگڑا کروانا ہو تو یہ چوہدری انہی کو آگے کرتا ہے۔

میں نے ان دونوں کو تھانے بلانے کے واسطے ایک کانسٹیبل کو بھیج دیا۔ اس حیثیت کے چوہدری لڑائی جھگڑے، سیاسی شرارتیں اور چھوٹے موٹے جرائم کرانے کے لیے شیطان نسل کے ایک دو آدمی اپنے پاس رکھتے تھے۔ دیہات میں یہ سلسلہ اب بھی چلتا ہے۔

بدمعاشیوں کی رپورٹ مل گئی

یہ دونوں آ گئے۔ ان سے پوچھا کہ وہ کب سے چوہدری احمد دین کی ملازمت میں ہیں۔ پتہ لگا کہ دونوں اس وقت سے چوہدری کے نوکر ہیں جب وہ تیرہ چودہ سال کے لڑکے تھے۔ اب ان کی عمریں تیس سال سے اوپر ہو گئی تھیں۔ میں نے دونوں کو اکٹھا بٹھا لیا۔

''تم دونوں کی بدمعاشیوں کی ساری رپورٹ مجھ کو مل گئی ہے''۔۔۔ میں نے ان کو کہا۔۔۔ ''اب تمہاری باقی عمر جیل خانے میں گذرے گی۔ پہلے آٹھ دس روز تھانے میں ہڈیاں توڑوں گا پھر جیل خانے بھیج دوں گا جہاں تمہارے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی جائیں گی۔ ایک سال مقدمہ چلے گا پھر عمر قید ملے گی۔ تمہارا چوہدری تمہاری مدد کو نہیں آئے گا''۔

دونوں کے رنگ پیلے پڑ گئے پھر انہوں نے منت سماجت شروع کر دی اور پوچھنے لگے کہ انہوں نے کیا جرم کیا ہے۔

''ایک جرم ہو تو بتاؤں''۔۔۔ میں نے ان کو گالیاں دیتے ہوئے کہا۔۔۔ ''اس وقت ایک جرم کی بات کروں گا۔ تم دونوں کو معلوم ہے کہ چوہدری کے غیر آباد مکان سے دو سوکھی ہوئی لاشیں نکلی ہیں۔ تم دونوں کو پتہ ہے کہ یہ لاشیں کس کی ہیں اور تم دونوں کو یہ بھی پتہ ہے وہ آدمی اور ایک جوان لڑکی کس طرح قتل ہوئے تھے۔ تم دونوں میں سے جو مجھ کو یہ ساری واردات سنا دے گا اس کو وعدہ معاف گواہ بنا دوں گا۔ تم جانتے ہو وعدہ معاف گواہ کو کیا انعام ملتا ہے۔ اس کو معاف کر دیا جاتا ہے''۔۔۔ میں نے ایک کو کہا۔۔۔ ''پہلے تم آؤ''۔

اس کو ساتھ لے کر میں اپنے دفتر میں جا بیٹھا۔

''تم غریب آدمی ہو''۔۔۔ میں نے اس کو کہا۔۔۔ ''تمہارا چوہدری اپنی جان چھڑانے کی غرض سے اپنے گناہ بھی تمہارے سر پر ڈال دے گا۔ میں تم پر مہربانی کرتا ہوں۔ مجھ کو ساری واردات معلوم ہو گئی ہے۔ تم اس میں شامل تھے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ اس جرم میں جو لوگ شامل تھے وہ سب یہاں موجود ہیں۔ راز کھل چکا ہے اور یہ چوہدری اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں نے انہی کے کہنے پر تم دونوں کو بلایا ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میرے دل میں خدا کا خوف ہے۔ میں کسی غریب کی آہ نہیں لے سکتا۔ تم سچ بولو اور میں تم کو معافی دلاؤں گا''۔

میں نے آپ کو یہ مختصر سی بات بطور نمونہ سنائی ہے۔ اس شخص کے ساتھ اس طرح کی میں نے بہت ساری باتیں کی تھیں۔ اس کو ڈرایا بھی تھا۔ وہ بے چارا تھا ہی کیا۔ نوکر ہی تھا۔ چوہدری کے سائے کے نیچے تو وہ طاقتور غنڈہ اور بدمعاش تھا لیکن تھانے میں تھانیدار کے سامنے اس کی حیثیت بھیڑیئے کے آگے خرگوش جیسی رہ جاتی تھی۔ میں نے جس استادی سے باتیں کیں اور زبان کی جو مسمریزم چلائی، اس کے اثرات سے کوئی استاد ہی بچ سکتا تھا۔ اس معمولی سے نوکر اور کامے نے کیا بچنا تھا۔

''آپ وعدہ کرتے ہیں کہ مجھ کو معافی دلا دیں گے؟''۔۔۔ اس نے بھوکے بھکاریوں کی طرح کہا۔۔۔ ''میں ہر بات سچ بتاؤں گا''۔

''پکا وعدہ!''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''میں کسی غریب آدمی کو دھوکہ نہیں دیا کرتا۔ تم بات کرو''۔

''بات یہ ہے کہ سرکار جی!''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''لڑکی کا گلا چوہدری اشرف نے ہاتھوں سے گھونٹا تھا اور آدمی کا گلا شرفے نے رسی سے گھونٹا تھا، پھر ہم دونوں نے گڑھا کھودا اور دونوں لاشیں گڑھے میں رکھ کر اوپر مٹی ڈالی تھی''۔

شرفا چوہدری احمد دین کا دوسرا ملازم یا مزارعہ تھا جس کو میں نے باہر بٹھا دیا تھا۔

''ان دونوں کو کہاں سے لائے تھے؟''۔۔۔ میں نے پوچھا۔

''یہ مجھ کو بالکل ہی معلوم نہیں''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ ''چوہدری جی نے ہم دونوں کو کہا تھا کہ آدھی رات کے بعد ایک آدمی اور ایک جوان لڑکی کو غیر آباد مکان میں لایا جائے گا۔ تم دونوں کو اشارہ ملے گا۔ تمہارے ہاتھوں میں گز گز لمبی ایک ایک رسی ہوگی۔ تم دونوں کسی پرانی چارپائی سے اوائن نکال کر گز گز لمبی دو رسیاں کاٹ لینا۔ جونہی تم کو اشارہ ملے تم پیچھے سے اس آدمی اور اس لڑکی کے گلوں میں رسیاں ڈال کر ان کے گلے گھونٹ دینا..... سرکار جی! ہم نے یہ کام کر دیا اور صبح چوہدری نے ہمیں نقد انعام دیا''۔

''اس وقت تم دونوں کے علاوہ مکان میں اور کون کون تھا؟''۔۔۔ میں نے پوچھا۔

''چوہدری احمد صاحب کے دونوں بیٹے''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ ''اور

چوہدری اشرف وہ گاؤں کا رہنے والا ہے۔ رات کو اپنے باپ کے ساتھ چوہدری احمد صاحب کے گھر آیا تھا''۔

سکول ماسٹر نے بھی پانچ آدمی بتائے تھے۔

''اب جب ان مقتولوں کی ہڈیاں برآمد ہو گئیں تو چوہدری نے تم دونوں کو کچھ کہا تھا؟''۔۔۔ میں نے پوچھا۔

''ہاں جی!''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ ''انہوں نے کہا تھا کہ پکے رہنا۔ تم کو تھانے بلایا جائے تو صاف کہنا کہ ہم نوکر چاکر ہیں، ہمیں کچھ پتہ نہیں۔ چوہدری جی نے یہ بھی کہا تھا کہ بہت مدت گذر گئی ہے۔ پولیس کو کچھ پتہ نہیں لگے گا کہ یہ کس کی ہڈیاں ہیں اور ان کو یہاں کس نے دفن کیا ہے''۔

اس شخص کو اور کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ میں نے اس کو ابھی حوالات میں بند نہ کیا۔ ایک ہیڈ کانسٹیبل کو بلا کر اس کے حوالے کر دیا اور بتایا کہ یہ اب زیر حراست ہے۔ میں اس کمرے میں گیا جہاں چوہدری احمد دین کا دماغ درست کیا جا رہا تھا۔ اس کی عمر ساٹھ پینسٹھ سال کے درمیان تھی۔ وہ فرش پر پیٹھ کے بل پڑا درد سے تڑپ رہا تھا۔ اس کے بازو سر سے نیچے اس طرح لمبے کئے ہوئے تھے کہ ہتھیلیاں فرش پر اور الٹی طرف اوپر کو تھی۔ دونوں ہاتھوں پر ایک کرسی کا ایک ایک پایہ رکھا ہوا تھا اور کرسی پر ایک بھاری جسم والا کانسٹیبل بیٹھا ہوا تھا۔ مجھ کو معلوم تھا کہ کرسی کے پائے چوہدری کے ہاتھوں کی ہڈیاں توڑ رہے تھے۔

میں نے کانسٹیبل کو کرسی سے اٹھا دیا اور چوہدری کو اٹھنے کو کہا۔ وہ اٹھا اور دونوں ہاتھوں کو دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''تمہارا حکم صرف نوکروں اور مزارعوں پر چل سکتا ہے''۔۔۔ میں نے اس کو کہا۔۔۔ ''تم نوکروں سے جس کو چاہو قتل کروا سکتے ہو، ان کو حکم دے سکتے ہو کہ لاشوں کو دفن کر دو اور تم ان کو انعام بھی دے سکتے ہو لیکن تھانے میں تم چھوٹے سے چوہے ہو جس کو تھانیدار پاؤں کے نیچے مل کر باہر پھینک سکتا ہے۔ اپنی حالت دیکھ لو۔ ابھی بسم اللہ ہوئی ہے۔ اس کمرے میں آگے آگے تمہارے ساتھ جو کچھ ہوگا وہ دیکھنا''۔

''مجھ کو معافی دے دیں جناب!''۔۔۔ اس نے روتے ہوئے کہا۔۔۔ ''میں نے کیا جرم کیا ہے؟''

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

''تم نے جرم کروایا ہے''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''تمہارے بیٹوں اور اشرف کی موجودگی میں تمہارے ایک نوکر نے ولایت کے گلے پھندہ ڈال کر اور اشرف نے فضیلت کا گلا ہاتھوں سے دبا کر مارا ہے تم اور تمہارا باپ گھر بیٹھے ہوئے تھے''۔۔۔ میں نے اس کا ایک کان پکڑ کر زور سے کھینچا اور کہا۔۔۔ ''اس جرم کی ساری بات خود سنا دے اور کان کھول کر سن لے کہ نہیں سناؤ گے تو میں عدالت میں ثابت کر دوں گا کہ تم نے پاس کھڑے ہو کر دونوں کو قتل کرایا ہے پھر باقی عمر جیل خانے میں گذارنا۔ وہاں سے تمہاری لاش گھر آئے گی۔ اب تمہارے بچنے کی صورت موجود ہے''۔

''لیکن جناب!''۔۔۔ اس نے سسکتے ہوئے کہا۔۔۔ ''میرے دونوں بیٹے پھنس جائیں گے..... آپ میرے دونوں نوکروں کو گرفتار کر کے سزا دلا دیں اور مجھ کو حکم دیں کہ کیا پیش کروں۔ جتنی رقم آپ زبان سے کہیں گے آپ کو مل جائے گی''۔

''مجھ کو جو دو گے قبول کر لوں گا''۔۔۔ میں نے اس کو اپنے جال میں لانے کے واسطے کہا۔۔۔ ''لیکن مجھ کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ واردات کس طرح ہوئی ہے تا کہ میں اس کے مطابق سوچ کر قانون کا منہ بند کروں''۔

مزید تھوڑی کوشش کے بعد بوڑھا چوہدری بولنے پر آ گیا۔

سانولے رنگ کا شوہر پسند نہ آیا

اگر میں ہر ملزم اور مشتبہ کا بیان الگ الگ لکھوں اور ساتھ یہ بھی لکھوں کہ کس سے میں نے کس طرح بیان اگلوایا تھا تو یہ کہانی فضول باتوں کی وجہ سے لمبی ہو جائے گی اور پڑھنے والے بور ہوں گے۔ آپ یہ سمجھ لیں کہ میں نے ہر ایک کے ساتھ الگ الگ استادی طریقے استعمال کر کے بیان لیے تھے۔ صرف تین آدمیوں کے بارے میں بتانا دلچسپ ہوگا کہ وہ بیان دینے پر آمادہ نہیں ہو رہے تھے۔ ان میں ایک تو اشرف تھا اور دوسرے دو چوہدری احمد دین کے بیٹے تھے۔ ان کا خون جوان تھا۔ جس وجہ سے وہ اپنے پروں پر پانی نہیں پڑنے دیتے تھے۔ میں نے تینوں کو اپنے ساتھ لیا اور اسی کمرے میں لے گیا جہاں چوہدری احمد دین کو بٹھایا ہوا تھا۔ میں نے پہلے بتا چکا ہوں کہ وہ کس حالت میں تھا۔ وہ فرش پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے چہرے سے پتہ لگتا تھا کہ سخت تکلیف میں ہے۔ فرش

پر تڑپتے رہنے سے اس کے سفید کپڑے فرش کی مٹی سے خراب ہو چکے تھے۔

''یہ دیکھو!''۔۔۔ میں نے ان تینوں کو کہا۔۔۔ ''اپنے بزرگ کی حالت دیکھ لو جو ابھی اور زیادہ خراب ہوگی۔ پھر تمہاری حالت بھی اس جیسی کر دی جائے گی''۔

پھر میں ان کو پیچھے لے گیا جہاں کوئی کمرہ نہیں تھا۔ ویسے ہی کچی سی دیوار تین طرف پھری ہوئی تھی۔ وہاں اشرف کا باپ چوہدری احمد جیسی حالت میں زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اس کو ایذا رسانی کے عمل سے گذارا جا رہا تھا اور وہ مٹی پر لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔

میں نے ان تینوں کی طرف دیکھا۔ ان کے چہروں کے رنگ بدلے ہوئے تھے اور اشرف میری طرف یوں دیکھتا تھا جیسے مجھ کو کھا جائے گا۔ میں تینوں کو اپنے دفتر میں لے آیا اور ان کو بتایا کہ تمام واردات جس طرح ہوئی ہے، میرے سامنے آ گئی ہے اور مجھ کو کسی کے بیان کی ضرورت نہیں پھر بھی میں تم لوگوں کو موقع دیتا ہوں کہ بیان دے دو گے تو تم سب کو کچھ رعایت دلوا دوں گا۔

اگر میں تھانیدار نہ ہوتا یا میں تھانے کی بجائے ان کے گاؤں میں ہوتا تو یہ تینوں اپنے باپوؤں کی بے عزتی کا انتقام لینے کی غرض سے میرے اوپر قاتلانہ حملہ کر دیتے۔ مجھ کو معلوم تھا جوان بیٹے اپنے بوڑھے باپ کی اتنی بے عزتی اور اتنی اذیت برداشت نہیں کر سکتے۔ دیہات کے لوگوں میں تو غیرت ضرورت سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ ان تینوں نے بیان دینے پر رضامندی ظاہر کر دی۔

میں نے کہا ہے کہ ان سب کے الگ الگ بیان سنانے سے بات خواہ مخواہ لمبی ہو جائے گی۔ میں ان سب کے بیانات کو اکٹھا کر کے سنا دیتا ہوں کہ یہ جرم کس طرح ہوا تھا۔ تھوڑی سی بیک گراؤنڈ کو اپنے سامنے رکھ لیں۔ فضیلت کی شادی اشرف کے ساتھ ہوئی تھی لیکن فضیلت نے اشرف کو دلی طور پر قبول نہیں کیا تھا۔ اشرف نے اس کو طلاق دے دی اور فضیلت کے تعلقات ولایت حسین کے ساتھ تھے جس سے اشرف واقف تھا۔ میں نے شروع میں لکھا ہے کہ میں حیران تھا کہ دیہات میں جو عورت کسی مرد کے ساتھ ناجائز تعلق رکھے اس کو معاف نہیں کیا جاتا اور قتل سے کم سزا بھی نہیں دی جاتی، پھر اشرف نے کیوں اپنی یہ بے عزتی برداشت کر لی اور خاموشی سے فضیلت کو طلاق دے دی۔ اس سے میں نے یہ رائے قائم کی تھی کہ اشرف بزدل اور کمزور آدمی ہے لیکن اس کے بیان سے پتہ لگا کہ وہ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

انتقام کا موقع تلاش کر رہا تھا۔ اس کو فضیلت نے صرف یہ نہیں کہ قبول نہیں کیا تھا بلکہ اس کو بڑے سخت اور طنزیہ الفاظ کہے تھے۔ مثلاً یہ کہ میں تمہارے گھر پر پیشاب کرتی ہوں۔ اشرف نے اپنے بیان میں بتایا کہ فضیلت اس کو اس کے سانولے رنگ کے طعنے دیا کرتی تھی اور ایک بار اس نے اشرف کو یہ بھی کہا تھا کہ تیرے جیسے آدمی کو میں اپنا نوکر بھی نہ رکھوں۔

اشرف نے اپنے بیان میں یہ بھی بتایا کہ ولایت حسین نے بھی ایک آدمی کی زبانی اس کو پیغام بھیجا تھا کہ فضیلت تم جیسے بدصورت آدمی کے واسطے نہیں بلکہ مجھ جیسے شہزادے کے واسطے پیدا ہوئی ہے۔

ایسے طعنے کوئی بزدل آدمی بھی برداشت نہیں کر سکتا اور پھر یہ چوٹ کہ اشرف کو اپنی اتنی خوبصورت بیوی بھی چھوڑنی پڑی۔ اشرف کو انتقام کا کوئی طریقہ نظر نہیں آتا تھا۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ اسلم نے اس کو بتا دیا کہ فلاں رات ولایت اور فضیلت گاؤں سے جا رہے ہیں۔ اشرف نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کا پکا ارادہ کر لیا۔ ان دونوں نے پیدل جانا تھا۔ اشرف نے پہلے تو یہ سوچا کہ ان کو راستے میں ہی قتل کر دے لیکن وہ ڈر گیا کہ قتل کا شک اشرف پر ہوگا۔ میرے خیال میں اس کو ڈرنا نہیں چاہئے تھا۔ قتل کا شک فضیلت کے گھر والوں پر ہوتا اور تھانیدار سب سے پہلے ان ہی کو پکڑتا۔

اشرف نے اپنے باپ کے ساتھ بات کی۔ باپ بھی غیرت والا آدمی تھا۔ وہ بھی اشرف کی طرح انتقام کی آگ میں جل بھن رہا تھا لیکن وہ بوڑھا اور جہاندیدہ تھا، اسی واسطے وہ سوچ سمجھ کر کارروائی کرنا چاہتا تھا۔ اس کی دوستی چوہدری احمد دین کے ساتھ تھی اور وہ چوہدری احمد دین کو سیانا اور دانشمند سمجھتا تھا، اس وجہ سے وہ اشرف کو ساتھ لے کر میرے قصبے میں آیا اور چوہدری احمد دین کے ساتھ بات کی۔ چوہدری کے بیٹوں اور اشرف کا آپس میں دوستانہ تھا۔ ان دونوں نے الگ بیٹھ کر سکیم بنائی۔ بہت دیر اس مسئلے پر گفتگو ہوئی، آخر ایک سکیم طے ہو گئی۔

سکیم یہ تھی کہ ولایت حسین اور فضیلت کو راستے میں نہ چھیڑا جائے اور ان کو اسٹیشن تک پہنچنے دیا جائے۔ وہاں سے ان کو ڈرا دھمکا کر اس غیر آباد مکان میں لایا جائے۔ میں نے چوہدری احمد دین کا بیان لیتے ہوئے اس سے پوچھا تھا کہ اس نے اتنا خطرناک جرم

کسی اور کے واسطے کرنے کا خطرہ کیوں اپنے سر لے لیا تھا۔ چوہدری نے جواب دیا کہ اشرف کے باپ نے ایک بار اس کی جان بچائی تھی ورنہ وہ قتل ہو جاتا۔ یہ وہی بات تھی جو میں پہلے ولایت حسین کے گاؤں کے نمبردار کی زبانی سنا چکا ہوں۔ آج کل تو ہر طرف خودغرضی اور نفسیانفسی ہے میں جس وقت کی بات کر رہا ہوں اس وقت دوست دوستوں پر جانیں قربان کر دیا کرتے تھے اور احسان کا بدلہ چکانا تو ایسے تھا جیسے مذہب کا فرض ہو۔

چوہدری احمد دین نے یہ خطرہ اس وجہ سے بھی اپنے سر پر لے لیا تھا کہ وہ بہت بڑا چوہدری ہے اور اس جرم کو وہ پانی کے گھونٹ کی طرح اپنے پیٹ میں غائب کر دے گا۔ حق بات یہ ہے کہ جس حادثے یا واقعہ نے ہونا ہوتا ہے۔ خدا اس کا سبب پیدا کر دیتا ہے اور خدا کے بندوں کی عقل الٹی طرف چل پڑتی ہے۔

یہ جرم اس طرح ہوا کہ اشرف اپنے باپ کے ساتھ سورج غروب ہونے کے بعد گاؤں سے چل پڑا اور باپ بیٹا چوہدری احمد دین کے گھر پہنچے۔ ریل گاڑی کے آنے کا ٹائم رات سوا ایک بجے تھا۔ یہ سب سکیم کی زبانی ریہرسل کر کے سو گئے۔ چوہدری احمد دین نے ان دو نوکروں کی جو میرے پاس تھانے میں تھے۔ ڈیوٹی لگائی کہ فلاں وقت ان کو جگا دیں اور خود ساتھ والے غیر آباد مکان میں موجود رہیں۔ ان دونوں نوکروں کی وہ ڈیوٹی لگائی گئی جو ایک نوکر کی زبانی بیان ہو چکی ہے۔ دونوں نے ایک ایک گز ادوائین کی رسی اپنے پاس تیار کر لی تھی۔

گاڑی کے آنے سے کچھ وقت پہلے چوہدری احمد دین اشرف کا باپ، اشرف اور چوہدری کے دونوں بیٹے ریلوے اسٹیشن کی طرف چلے گئے اور اسٹیشن سے ذرا ہٹ کر ایک دیوار کے ساتھ چھپ گئے۔ لوگ اسی راستے سے اسٹیشن تک جاتے تھے۔ اس زمانے میں رات کی گاڑی اور وہ بھی اتنی دیر سے نہیں جاتی تھی۔ ولایت اور فضیلت کی موت اسی طرح لکھی ہوئی تھی۔ گاڑی آنے سے کچھ دیر پہلے وہ آئے جونہی اس دیوار کے قریب سے گزرے تو ان پانچوں آدمیوں نے ان کو گھیر لیا۔ اس رات چوہدری احمد دین کے ایک بیٹے کے پاس دونالی بندوق تھی۔ اس نے بندوق کی نالی ولایت کے پہلو کے ساتھ لگا دی اور ان کو کہا کہ وہ خاموشی سے ان کے ساتھ چل پڑیں ورنہ انہیں گولی مار دیں گے۔

ولایت نے ان سے پوچھا کہ اس کو کہاں لے جا رہے ہیں۔ اس کو جواب دیا گیا کہ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

زندہ رہنا چاہتے ہو تو چپ کر کے ساتھ چل پڑو اور اگر مرنا ہے تو یہ کام یہیں ہو جائے گا۔

ولایت نے ان کو کہا کہ میری خان چھوڑ دیں اور اس لڑکی کو لے جائیں۔

''فکر نہ کرو!'' — چوہدری کے ایک بیٹے نے کہا — ''اس بے چاری کے ساتھ ایسی بے وفائی نہ کرو کہ موت کے ڈر سے تم اس کو ہمارے حوالے کر رہے ہو۔ ہم تم دونوں کو زندہ اور سلامت گاؤں میں پہنچا دیں گے۔ اتنے بزدل نہ بنو اور ہمارے ساتھ چلو''۔

رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔ قصبہ گہری نیند سویا ہوا تھا۔ دور دور تک کسی انسان کا نام و نشان نہ تھا۔ ولایت اور فضیلت کو یہ لوگ قصبے کے باہر باہر سے اپنے محلے میں لے گئے اور اس طرح ان کو غیر آباد میں مکان میں پہنچا دیا گیا۔ آگے دونوں نوکر رسیاں لیے ہوئے کھڑے تھے۔ اندر جاتے ہی چوہدری احمد دین نے ان کو اشارہ کیا اور اس کے ساتھ ہی دروازہ بند کر دیا۔ ایک نوکر نے پیچھے سے ولایت کے گلے میں رسی پھینکی اور بڑی تیزی سے رسی اس کی گردن کے گرد لپیٹ کر زور لگایا۔ اشرف اور چوہدری احمد دین کے ایک بیٹے نے ولایت کو دبوچ لیا اور اپنی طرف کھینچا۔ ولایت کے گلے میں بڑا تنگ پھندا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ مر گیا۔

اسی دوران فضیلت نے گھبرا کر کچھ کہا اور شاید وہ چیخنے چلانے لگتی لیکن چوہدری احمد دین کے دوسرے بیٹے نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اس کو دوسرے بازو سے دبوچ لیا۔ ولایت مر گیا تو دوسرا نوکر فضیلت کے گلے میں رسی ڈالنے لگا تو اشرف نے اس کو روک دیا۔ اشرف نے کہا کہ یہ میرا شکار ہے۔ اس کو میں اپنے ہاتھوں ختم کروں گا ورنہ میری روح راضی نہیں ہوگی۔ اس سے میں نے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے فضیلت کی گردن اپنے مضبوط ہاتھوں میں لے لی اور ہاتھوں کا شکنجہ اتنا سخت کر دیا کہ فضیلت تڑپتے ہوئے گری۔ اشرف اس کے اوپر گرا لیکن اس کی گردن نہ چھوڑی۔ آخر یہ لڑکی بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئی۔

جب یہ کام ہو چکا تو چوہدری احمد دین اور اشرف کا باپ وہاں سے چلے گئے۔ اشرف، چوہدری کے بیٹے اور دونوں نوکر لاشیں دفن کرنے کے واسطے وہاں رہ گئے۔ یہ میں نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ ان کو کس طرح دفن کیا گیا تھا۔

میں نے ڈی ایس پی کو بڑی خوشی خوشی اطلاع دی کہ میں نے قاتل پکڑ لیے ہیں۔

اس انگریز ڈی ایس پی کی دلچسپی دیکھیں کہ وہ اسی دن میرے تھانے میں آیا۔ اس نے پانچوں ملزموں کو دیکھا اور میری پوری فائل دیکھی اور تمام ضمنیاں پڑھیں، روزنامچہ دیکھا اور بہت خوش ہوا۔ کہنے لگا کہ ان سب کے بیانات مجسٹریٹ سے زیر دفعہ 164 کرا لو اور مقدمہ تیار کرو۔ اس نے خود بھی کچھ مشورے دیے۔ یہ تو تھانے کی باتیں ہیں، یہ سن کر آپ کیا کریں گے مختصر بات یہ ہے کہ میں نے جس محنت سے مقدمہ تیار کیا اور گواہوں کے خانے جس طرح پُر کیے۔ اس محنت کا پھل یہ ملا کہ پانچوں ملزموں کو سزا ہوئی۔ اس سزا کے خلاف اپیلیں دائر ہوئیں جو ہائی کورٹ نے نامنظور کر کے سزائیں بحال رکھیں۔ چوہدری کے دونوں بیٹوں اشرف اور اس نوکر کو جس نے ولایت کے گلے میں پھندا ڈالا تھا، عمر قید دی گئی۔ دوسرے نوکر کچھ سال سزائے قید ہوئی۔ چوہدری احمد دین اور اشرف کے باپ کو اعانتِ جرم اور ترغیب جرم کی دفعات میں مجموعی طور پر چھ چھ سال سزائے کے قید دی گئی۔

ایک بات رہ گئی۔ وہ یہ کہ ولایت حسین کی ہڈیاں وصول کرنے واسطے کوئی بھی نہ آیا۔ یہ ہڈیاں مجھ کو سرکاری طور پر لاوارث قرار دے کر قبرستان میں دفن کرنا پڑیں۔

ڈی ایس پی نے اپنا انعام کا وعدہ پورا کیا۔ ایک تو مجھے اعلیٰ کارکردگی کی سند دی اور جو ترقی مجھ کو دو سال بعد ملنی تھی وہ چھ مہینے بعد دلا کر مجھ کو انسپکٹر بنوا دیا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

شکاری جو شکار ہوا

ڈکیتی اور چوری کی تفتیش جتنی مشکل ہوتی ہے اتنی قتل کی تفتیش مشکل نہیں ہوتی۔ آسان تو یہ بھی نہیں ہوتی لیکن تفتیش کرنے والا تھانیدار یہ معلوم کرلے کہ مقتول کیوں قتل ہوا ہے تو وہ قاتل تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ عقل اور محنت کا کھیل ہوتا ہے۔ قتل کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے لیکن ڈکیتی اور سرقہ یعنی چوری کی وجہ صرف لوٹنا ہوتی ہے۔ اگر مجرموں نے کوئی سراغ، کھرا یا اپنی کوئی نشانی موقعۂ واردات پر نہیں چھوڑی تو تفتیش کرنے والا چکر کھانے کے سوا کچھ نہیں کرسکتا۔

میرے علاقے میں ڈکیتی کی ایک واردات کو تین مہینے ہو گئے تھے اور کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ وہ ایک بڑا گاؤں تھا۔ واردات ایک ہندو ساہوکار کے گھر میں ہوئی تھی۔ رات کے وقت تین آدمی دیوار پھاند کر اندر گئے۔ دیوار پر اندر اور باہر پاؤں کی رگڑ کے نشان تھے، تینوں کے پاس کلہاڑیاں تھیں۔ ان کے منہ اور سر صافوں میں چھپے ہوئے تھے۔ انہوں نے گھر والوں کو جگایا اور سب کو ایک جگہ اکٹھا کر کے بٹھا دیا۔ گھر کے افراد میں ایک بوڑھی عورت تھی، اس کا بیٹا تھا جس کی عمر چالیس سال سے زیادہ تھی۔ یہ ساہوکارہ کرتا تھا۔ اس کی بیوی تھی جس کی عمر بیس اکیس سال تھی اور اس سے سال دو سال چھوٹی ایک لڑکی غیر شادی شدہ ساہوکار کی بہن تھی۔

ڈکیتوں نے ساہوکار کو کہا کہ وہ ان کو آٹھ ہزار روپیہ نقد اپنے ہاتھ سے دے دے تو وہ چلے جائیں گے۔ اگر وہ تین پانچ کرے گا تو وہ زیورات بھی لے جائیں گے اور گھر میں جتنی رقم ہے وہ سب لے لیں گے اور ان دونوں لڑکیوں کو خراب کریں گے۔

ساہوکار کی نظر میں سستا سودا یہی تھا۔ اس نے آرام سے آٹھ ہزار روپیہ نکال کر

ڈاکوؤں کے حوالے کر دیا۔ آج آپ کو آٹھ ہزار بہت معمولی رقم لگتی ہوگی۔ واردات کے وقتوں کا آٹھ ہزار روپیہ آج کے آٹھ لاکھ کے برابر تھا۔

ڈاکو رقم لے کر چلے گئے اور صبح ساہوکار نے تھانے میں آکر رپٹ لکھوائی۔ میں نے موقعہ ملاحظہ کیا۔ مجھ کو ڈاکوؤں کے صرف وہی نشان ملے جو دیوار پر اندر اور باہر تھے۔ یہ جوتیوں کی لکیریں تھیں۔ ان سے صرف یہ پتہ لگتا تھا کہ ڈاکو اس راستے سے آئے تھے۔ ساہوکار نے بتایا کہ وہ دروازے سے باہر نکلے تھے۔

میرے واسطے حیران ہونے والی بات یہ تھی کہ مجرموں نے گھر والوں پر قابو پالیا تھا تو انہوں نے سارا مال نہ لوٹا۔ وہ صرف رقم لے کر چلے گئے۔ یہ مسئلہ بھی سوچنے والا تھا کہ انہوں نے آٹھ ہزار کیوں طلب کیا؟ یہ کیوں نہ کہا کہ گھر میں جتنی رقم ہے وہ ہمارے حوالے کردو؟ عجیب واردات تھی۔

میں نے جب اس پر غور کیا تو میری پولیس والی عقل جس کو چھٹی حس بولتے ہیں، مجھ کو کہنے لگی کہ یہ واردات پیشہ ور ڈکیتوں کی نہیں۔ میں نے ایسی واردات کبھی نہیں سنی تھی کہ ڈاکو کسی گھر میں داخل ہوئے اور ایک خاص رقم کا مطالبہ کیا اور رقم وصول کر کے چلے گئے جب کہ وہاں سے ان کو زیادہ رقم اور مقروض لوگوں کے گروی رکھے ہوئے بے شمار زیورات بھی مل سکتے تھے۔

اس واردات کی کوئی وجہ تھی۔ ایک وجہ میرے دماغ میں یہ آتی تھی کہ ساہوکار نے اپنے کسی مقروض کو تنگ کیا ہوا ہوگا اور اس نے اس طریقے سے اپنا گھاٹا پورا کرلیا۔ ساہوکارکارہ پاکستان میں بھی ہوتا ہے لیکن ہندو ساہوکاروں کا یہ کاروبار کچھ اور ہی طرح کا تھا۔ ان سے زیادہ تر مسلمان دیہاتی بیاہ شادیوں یا مقدمہ بازیوں پر خرچ کرنے کے واسطے سود پر قرض لیتے تھے۔ یہ لوگ اتنا ہی دیکھتے تھے کہ انہوں نے رقم لے لی ہے اور ساہوکار نے بہی کھاتے میں انگوٹھا لگوالیا ہے۔ ان کو یہ پتہ نہیں لگتا تھا کہ ساہوکار نے زبانی کیا کہا ہے اور لکھا کیا ہے۔ ساہوکار زیور یا زمین گروی رکھتے تھے۔ اس کے بعد وہ سود کی وصولی میں ان لوگوں کو بہت تنگ کرتے تھے۔ ساہوکار ایسا چکر چلاتے تھے کہ وصولی بھی کرتے رہتے اور اصل رقم بڑھتی بھی جاتی تھی۔ ساہوکاروں کے بارے میں ایک کہاوت مشہور تھی ــــ ''دی ادھیلی، لی حویلی'' ــــ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک اٹھنی یعنی پچاس پیسے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سود پر قرض دیا اور مقروض کی پوری حویلی پر قبضہ کر لیا۔

کبھی کبھار کوئی ایسی واردات ہو جاتی تھی کہ کوئی مقروض تنگ آ کر ساہوکار کے گھر کا صفایا کر جاتا یا پیشہ ور ڈاکوؤں سے یہ کام کرا دیتا تھا۔ میرے دماغ میں اس واردات کی یہی وجہ آتی تھی کہ کسی مقرورض نے ساہورکار کے ساتھ اپنا حساب برابر کیا ہے اور اس نے یہ واردات اپنے دو دوستوں، بھائیوں یا رشتہ داروں کو ساتھ ملا کر خود کی ہے۔ اگر وہ پیشہ ور ڈکیتوں سے یہ واردات کراتا تو ڈکیت ساہوکار کا گھر خالی کر جاتے۔

میں نے ساہوکار کو کہا کہ وہ ان لوگوں کی فہرست بمع پتے مجھ کو دے جن کو اس نے قرض دیئے ہوئے ہیں۔ میں نے اس کو یہ بھی کہا کہ اس نے اگر کسی کو بے جا تنگ کیا ہوا تھا اور اس کے ساتھ اگر جھگڑا چل رہا تھا تو وہ بھی بتا دے اور اور یہ بھی بتا دے کہ کسی نے اس کو کبھی دھمکی دی ہوگی تو وہ کون ہے اور اگر اس کو خود کسی پر شک ہے تو اس کا نام بتا دے۔

میں نے یہ کیس اپنے اے۔ ایس۔ آئی کے حوالے کر دیا اور اس کو سمجھا دیا کہ میں نے ساہوکار سے کیا طلب کیا ہے۔ اے۔ ایس۔ آئی نے اسی دن تفتیش شروع کر دی اور سات آٹھ دن گزر گئے۔ ساہوکار کو خود کسی پر شک نہیں تھا۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ اس نے کسی کو تنگ نہیں کیا ہوا اور کسی کے ساتھ اس نے بد دیانتی اور زیادتی نہیں کی۔

اس نے ان لوگوں کے فہرست دے دی تھی جن کو اس نے قرضے دیئے ہوئے تھے۔

اے ایس آئی نے اس کا بہی کھاتہ بھی دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ یہ ہم نے خود دیکھنا تھا کہ ساہوکار نے کسی کے ساتھ بد دیانتی کی ہے یا نہیں۔ اے ایس آئی نے اس فہرست میں سے کچھ آدمیوں کو شامل تفتیش کیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے علاقے کے عادی مجرموں کو بھی بلانا اور مشتبہ بٹھانا شروع کر دیا۔ ان کی وجہ سے تھانے میں رونق لگی رہتی تھی۔ عادی مجرموں سے اس طریقے سے پوچھ گچھ کی جاتی تھی جو ان کی شان کے عین مطابق تھا مگر معاملہ ابھی تک وہیں تھا جہاں پہلے دن تھا۔

آخر مان گئی

ایک مہینہ گزر گیا۔ کوئی سراغ ہاتھ نہ آیا۔ میرے دماغ میں ایک اور بات آئی۔ یہ پہلے بھی میرے دماغ میں تھی لیکن مجھ کو امید تھی کہ اس کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اب میں نے

دھیان اس پر کر دیا اور اے ایس آئی کو بتایا۔ آپ نے میری اور جناب احمد یار خان صاحب کی ایک دو کہانیاں اس طرح کی پڑھی ہوں گی کہ گھر کے اپنے فرد نے گھر بھیدی بن کر اپنا گھر لٹوا دیا۔ یہ وارداتیں کرانے والی لڑکیاں تھیں۔ پولیس کی سروس میں اس طرح کے اور کیس بھی دیکھے تھے۔ اس ساہوکار کے گھر میں بھی دو لڑکیاں تھیں۔ ایک اس کی غیر شادی شدہ بہن تھی اور دوسری اس کی جوان اور خوبصورت بیوی تھی۔

غور اس پر کریں کہ وہ خود چالیس سال سے اوپر کی عمر کا تھا اور اس کا جسم بالکل فضول تھا۔ موٹا گول اور قد چھوٹا سا۔ اس کے مقابلے میں اس کی بیوی اس کی بیٹی جیسی جوان اچھے قد بت کی خوبصورت لڑکی تھی۔ میں نے اے ایس آئی کو بتایا کہ مجھ کو اس لڑکی پر شبہ ہے۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ لڑکی واردات کراتی تو اس کا طریقہ کوئی اور ہوتا۔ وہ اس طرح کہ اس کے بلائے ہوئے آدمی گھر میں داخل ہوتے یا نقب لگاتے اور اسی ٹرنک کو ہاتھ ڈالتے جس میں مال تھا یا تجوری کھول کر مال نکال کر لے جاتے۔ اس واردات میں معاملہ کچھ اور تھا۔ واردات کا طریقہ ایسا تھا کہ اس میں لڑکی پر شبہ اتنا پکا نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر بھی میں نے اے ایس آئی کو کہا کہ وہ اس طرف بھی دھیان کرے۔

پانچ چھ دنوں بعد اے ایس آئی نے مجھ کو بتایا کہ ساہوکار کی بیٹی صاف پائی گئی ہے اور اس کی بیوی کے بارے میں پکی رپورٹ ملی ہے کہ ناجائز تعلقات ایک شخص کے ساتھ رکھتی ہے۔ وہ شخص ہندو ہے۔ اے ایس آئی نے اس شخص کو شامل تفتیش کیا تو اس نے اے ایس آئی کے آگے تسلیم کیا کہ اس کے تعلقات ساہوکار کی بیوی کے ساتھ ضرور ہیں لیکن اس کو کیا ضرورت تھی کہ اس طریقے سے ساہوکار سے رقم حاصل کرتا۔ اس شخص نے یہ بھی کہا کہ اس کو کسی رقم کی ضرورت نہیں اور اگر ضرورت ہوتی بھی تو ساہوکار کی بیوی سے رقم لے سکتا تھا۔

اے ایس آئی نے پھر بھی اس کو جلدی چھوڑا نہیں۔ اس کو رگڑا دیتا رہا لیکن حاصل کچھ بھی نہیں ہوا۔ اے ایس آئی نے ساہوکار کی بیوی اور بیٹی کو بھی تھانے بلا لیا۔ بیوی نے پہلے تو اس شخص کے ساتھ تعلقات تسلیم نہ کیے لیکن آخر مان گئی۔ اے ایس آئی نے اپنے طریقے سے یعنی سوال و جواب اور جرح کے ذریعے معلوم کرنے کی بہت کوشش کی کہ لڑکی کی نیت کیا ہے۔ نتیجہ یہی نکلا کہ واردات میں اس کا ہاتھ نہیں۔ اس کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کہ وہ اس شخص کے ساتھ کہیں بھاگ جائے گی۔ لڑکی سے پتہ چلا کہ وہ اپنے گھر میں چوری کیا کرائے گی وہ تو اس شخص سے تحفے لیتی رہتی تھی۔

ساہوکار کی بہن سے بھی کچھ سراغ نہ ملا۔ وہ تو ڈرتی اور روتی تھی۔ ان دونوں لڑکیوں کو بلانے سے مجھ کو یہ فائدہ ملا کہ میرے پاس ساہوکار آیا اور اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ اس کی بہن اور گھر والی کا تھانے میں آنا بے عزتی کا باعث ہے۔ میں نے اس کو کہا کہ اس کی ابھی اور بے عزتی ہوگی۔ میں نے اس کی وجہ بتائی۔

''مہاراج جی!''۔۔۔ ساہوکار نے مجھ سے پوچھا۔۔۔ ''تو کیا میری جورو نے میرا گھر لٹوا دیا ہے؟''

''نہیں''۔۔۔ میں نے جواب دیا۔۔۔ ''اس کے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں ہوا لیکن ان دونوں لڑکیوں کو تفتیش کے واسطے بلانا بہت ضروری تھا۔ پھر بھی ان کی ضرورت پڑے گی تو میں ان کو تھانے بلاؤں گا..... سیٹھ صاحب! میں آپ کو یہ بتا دیتا ہوں کہ جتنی کوشش ہم کر سکتے تھے اس سے زیادہ ہم نے کی لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ آپ نے کسی مقروض کا پیٹ کاٹا ہے اور اس نے اس طریقے سے حساب سے برابر کر لیا ہے۔ اگر آپ کے گھر میں صحیح ڈاکہ پڑتا تو وہ صرف آٹھ ہزار روپیہ نہ لے جاتے۔ وہ ان دونوں لڑکیوں کو بھی ساتھ لے جاتے اور آپ کے گھر میں ایک پائی نہ چھوڑتے۔ اب آپ سوچ لیں کہ ساری تفتیش آپ کے گھر پر ہی آ رہی ہے''۔

میں نے کہا ہے کہ مجھ کو فائدہ ملا۔ فائدہ یہ تھا کہ ساہوکار گھبرا گیا اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا کہ اس طرح تو اس کی بہت رسوائی ہوگی۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اس کو عزت چاہیے۔ میں اندر سے بہت خوش ہوا لیکن اس کے آگے خوشی ظاہر نہ کی بلکہ یہ کہا کہ میں اپنی کوشش جاری رکھوں گا۔

''آپ دونوں لڑکیوں کو بھی بلاتے رہیں گے؟''۔۔۔ ساہوکار نے پوچھا۔

''اگر ضرورت پڑی تو.....''

''نہ مہاراج!''۔۔۔ اس نے پھر ہاتھ جوڑ دیئے اور بولا۔۔۔ ''آپ کوشش کریں یا نہ کریں۔ ان لڑکیوں کو پھر نہ بلائیں''۔

''میں تو نہیں بلاؤں گا''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''لیکن کل آپ ہی اوپر درخواست

دے دیں گے کہ تھانیدار نے ابھی تک مال برآمد نہیں کرایا''۔

''نہ مہاراج!''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''مجھ کو مال نہیں چاہئے نہ ہی میں کسی کو درخواست دوں گا۔ اس میں تو میری اپنی بے عزتی ہے''۔

ایک اور واردات

ساہوکار تو ٹل گیا۔ اب یہ میرا کام تھا کہ اس کیس کو کس طریقے سے گول کرنا ہے۔ پولیس کے پاس قانونی طریقے بھی ہوتے ہیں اور غیر قانونی بھی۔ یہ آپ کی دلچسپی کی بات نہیں۔ میں خوش ہوا کہ ایک کیس سے تو جان چھوٹی، لیکن اگلی صبح اسی گاؤں میں ڈکیتی کی ایک اور رپورٹ آ گئی۔ یہ واردات ایک مسلمان کے گھر میں ہوئی تھی۔ ساہوکار والی واردات کو تقریباً دو مہینے گزر گئے تھے۔

اس واردات میں بھی تین آدمی تھے۔ ان کے منہ اور سر صافوں میں لپٹے ہوئے تھے اور ان کے پاس بھی کلہاڑیاں تھیں۔ انہوں نے گھر میں داخل ہو کر گھر والوں کو جگایا۔ ان کا ایک آدمی ان سب کے سر پر کھڑا رہا۔ گھر کے افراد میں ایک جوان آدمی تھا۔ ایک اس کی ماں تھی اور دو جوان بہنیں۔ ان کے علاوہ ایک نوجوان بیوی تھی۔ ان کی شادی کو ابھی تقریباً دو مہینے ہی ہوئے تھے۔

دو آدمی اندر سامان اٹھانے کے لیے گئے تو ان کو دیوار کے ساتھ کے دو نالی بندوق لٹکتی ہوئی نظر آئی۔ کارتوسوں والی بیلٹ بھی ساتھ ہی تھی۔ ایک آدمی نے بندوق اور بیلٹ دیوار سے اتاری۔ دونوں نالیوں میں ایک ایک کارتوس ڈالا اور باہر جو اس کا ساتھی گھر والوں پر کھڑا تھا، بندوق اس کو دے دی اور کہا کہ ان میں سے جو ہلے بولے اس کو گولی مار دو۔ دوسرے دو آدمیوں نے اندر سے مال سمیٹا، باہر نکلے اور لوگوں کو یہ دھمکی دے کر کہ وہ تھوڑی دیر اور چپ کر کے بیٹھے رہیں باہر نکل گئے۔

گھر کا یہ جوان آدمی جس کا نام اسحاق تھا فوراً اٹھ کر ڈاکوؤں کے پیچھے اس واسطے نہ گیا کہ ان کے پاس بندوق تھی۔ وہ جاتا تو مارا جاتا۔ تھوڑا وقت گزار کر اس نے شور شرابہ کیا تو لوگ اٹھ کر آ گئے۔ یہ تو کسی کو پتہ نہیں تھا کہ ڈاکو کس طرف گئے ہیں۔ یہ لوگ ویسے ہی گاؤں سے باہر جا کر اور اِدھر اُدھر پھر کر واپس آ گئے۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

گھر والوں نے اندر جا کر دیکھا۔ ٹرنک وغیرہ بکھیر کر فرش پر پھینکے ہوئے تھے۔ جن ٹرنکوں کو تالے لگے ہوئے تھے۔ وہ تالے توڑ کر کھولے گئے۔ ان میں سے کپڑے وغیرہ نکال کر بکھیرے گئے تھے۔ ایک ٹرنک میں گھر کا سارا زیور تھا اور چار پانچ سو روپیہ نقد بھی تھا۔ یہ سارا مال ڈاکو لے گئے تھے۔ زیور اور رقم کے سوا انہوں نے کچھ نہیں اٹھایا۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ پکے ڈاکوؤں کی واردات ہے۔ پکے ڈاکو پارچات اس واسطے نہیں لے جاتے کہ شناخت ہو جاتے ہیں۔ زیور توڑ کر بیچ لیا جاتا ہے۔ زیور خریدنے والے خاص آدمی ہوتے ہیں اور رقم کی تو کوئی شناخت ہی نہیں ہوتی۔

رپٹ لکھوانے کے لیے اسحاق، دو پرانی عمر کے آدمیوں کے ساتھ آیا تھا۔ میرے پوچھنے پر اس نے کہا کہ اس کو کسی پر شبہ نہیں نہ اس کی کسی کے ساتھ دشمنی ہے۔ اب میرے دماغ میں خیال آیا کہ ساہوکار کے گھر میں جو واردات ہوئی ہے وہ بھی اسی گروہ کی تھی۔ طریقہ واردات میں تھوڑا سا فرق تھا۔ وہاں تو انہوں نے ایک خاص رقم کا مطالبہ کیا تھا اور یہاں وہ جو ہاتھ لگا لے گئے۔ تین ہی آدمی تھے۔ تینوں کے پاس کلہاڑیاں تھیں۔ ساہوکار کے گھر کی طرح اسحاق کے گھر میں بھی انہوں نے گھر کے افراد کو ایک جگہ اکٹھا کر کے بٹھا دیا تھا۔

اس واردات میں مال بہت گیا تھا۔ ایک تو دونوں بہنوں کا زیور تھا جو ان کی شادی کے واسطے بنوایا گیا تھا اور اسحاق کی بیوی کا بھی زیور تھا۔ مجھ کو یہ بھی خیال آیا کہ ساہوکار کے گھر میں گھر کی کسی لڑکی نے واردات نہیں کرائی تھی اور اس گھر میں بھی گھر کا کوئی فرد گھر بھیدی نہیں بنا۔ میں اسی وقت اسحاق کے ساتھ اس کے گھر چلا گیا۔

اسحاق کے گھر پہنچتے ہی ایک معزز آدمی نے ایک دونالی بندوق میرے حوالے کی اور بتایا کہ یہ گاؤں کے باہر ایک کھیت میں پڑی ہوئی تھی۔

''یہ میری بندوق ہے''۔۔۔ اسحاق بولا۔

میں نے بندوق کو بٹ سے پکڑا اور اس کی نالیوں کو اوپر سے دیکھا۔ میں انگلیوں کے نشان دیکھ رہا تھا۔ نالیوں پر تیل کی تھوڑی تھوڑی چکنائی تھی۔ اس پر انگلیوں کے نشان موجود تھے۔ میں نے اس آدمی سے جو بندوق لایا تھا پوچھا کہ اس نے بندوق کو کہاں سے پکڑا تھا۔ اس نے بتایا کہ اس نے بٹ سے پکڑا تھا۔ میں نے بندوق ہیڈ کانسٹیبل کے

سپرد کی اور اس کو کہا کہ وہ اس کو باریک کپڑے میں لپیٹ لے۔ بندوق کو میں نے انگلیوں کے نشانات کی شناخت کے واسطے فنگر پرنٹ بیورو پھلور بھیجنا تھا۔

جہاں سے بندوق ملی تھی وہاں ملزموں کے کھرے بھی لازمی تھے۔ میں نے اسحاق کے مکان کے اندر جانے سے پہلے اس جگہ کو دیکھنا مناسب سمجھا۔ وہاں گئے تو کھرے مل گئے۔ کھوجی کی طرف میں نے آدمی بھیجا ہوا تھا۔ جس کھیت میں بندوق پائی گئی تھی وہاں ڈیڑھ دو بالشت اونچی فصل تھی۔ فصل اچھی نہیں تھی۔ پودے دور دور تھے۔ میں نے کھرے دیکھے اور تھوڑی دور تک گیا۔ کھرے ملتے رہے۔ اتنی دیر میں کھوجی آ گیا اور میں کھرا اٹھانے کا کام اس کے سپرد کر کے اسحاق کے گھر چلا گیا۔ ایک بات کو ذہن میں رکھیں کہ صرف بندوق ملی تھی۔ کارتوسوں کی بیلٹ نہیں ملی۔

وہ ذرا شوباز تھا

میں نے اسحاق کے گھر میں داخل ہوتے ہی یہ دیکھنا چاہا کہ ڈاکو داخل کس طرف سے ہوئے تھے۔ وہاں ایسی کوئی دیوار نہیں تھی جس کو پھاند کر وہ اندر جاتے۔ اس مکان کے دائیں بائیں اور پیچھے ان لوگوں کے اپنے قریبی رشتہ داروں کے مکان تھے اور وہ مکان بھی ایسے تھے کہ ادھر سے اس مکان میں کوئی اتر نہیں سکتا تھا۔ میں نے اوپر جا کر بہت غور سے دیکھا تھا۔

''اسحاق بھائی!''۔۔۔ میں نے اس کو کہا۔۔۔ ''تم لاپروا آدمی ہو۔ ڈیوڑھی کا دروازہ کھلا رکھتے ہو''۔

''نہیں جناب!''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''میں لاپروائی کر دیتا ہوں لیکن میری ماں دروازہ دیکھے بغیر لیٹتی ہی نہیں''۔

''کیوں اماں جی!''۔۔۔ میں نے اس کی ماں سے پوچھا۔۔۔ ''رات کو آپ نے باہر والا دروازہ نہیں دیکھا؟''

''نہیں بیٹا جی!''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ ''مجھ کو اچھی طرح یاد ہے کہ دروازے کو زنجیر لگی ہوئی تھی''۔

میں نے دروازہ بند کر کے زنجیر چڑھا کر دیکھا۔ ایک کواڑ باہر کو دبایا اور دوسرے کو

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اندر کی طرف کھینچا۔ ان کے درمیان اتنا سا فاصلہ ہو جاتا تھا جس میں سے پتلے پھل والی چھری گزر سکتی تھی۔ میں نے باہر نکل کر ان کو کہا کہ زنجیر پھر چڑھائیں۔ زنجیر دائیں بائیں چڑھتی تھی۔ میں نے ان لوگوں سے ایک چھری لے لی تھی۔ وہ دونوں کواڑوں کے درمیانی فاصلے میں سے گزاری تو اس سے زنجیر نہ کھلی۔ ڈاکوؤں کے واسطے اندر جانے کا یہی راستہ تھا۔ میں پیشہ ور ڈاکوؤں کو اچھی طرح جانتا تھا۔ ان میں بڑے بڑے استاد تھے۔ مجھ کو خیال آیا کہ جنہوں نے چار پانچ ٹرنکوں کے تالے توڑ لیے تھے، انہوں نے کسی اوزار سے جو ٹین کی پتری ہو سکتی تھی، زنجیر اتار لی ہوگی۔

''ایک بات بتاؤ اسحاق!''۔۔۔ میں نے پوچھا۔۔۔ ''یہ مت سوچو کہ تمہارا عزیز کون ہے اور رشتہ دار کون ہے۔ تمہارا مال گیا ہے۔ تم ہر کسی کو چور سمجھ۔ مجھ کو یہ بتاؤ کہ تمہارے دائیں بائیں اور پیچھے جو تمہارے رشتہ دار رہتے ہیں ان کے ساتھ تمہارے تعلقات کیسے ہیں۔ کوئی ذرا سی دشمنی عداوت بھی ہے تو وہ بتاؤ''۔

''نہیں جناب!''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ ''یہ سب ہمارے اپنے لوگ ہیں''۔

میں نے یہی سوال اس کی ماں سے پوچھا تو اس نے بھی یہی جواب دیا۔

آپ یہ سن کر شاید حیران ہوتے ہوں گے کہ قریبی رشتہ دار ڈکیتی کی واردات کر سکتے ہیں۔ میں آپ کو ایک دلچسپ بات بتاتا ہوں۔ دیہات میں پہلے بھی ایک رواج تھا اور آج بھی یہ رواج موجود ہے کہ برادری میں کوئی آدمی ترقی کر کے روپے پیسے والا ہو جائے تو برادری کے لوگ اس سے حسد کرتے ہیں۔ وہ اس سے کئی طریقوں سے خرچ کروانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً اس کو نئی مسجد کی تعمیر یا پرانی مسجد کی مرمت کے واسطے اکسائیں گے یا اس قسم کے کسی اور کام کے واسطے اس سے چندے کے طور پر پیسے مانگیں گے پھر اس کے کچھ رشتہ دار اس سے اپنی کوئی نہ کوئی ضرورت بتا کر قرض مانگیں گے یا غریب رشتہ داروں کو اکسا کر اس سے مالی امداد مانگیں گے اور اس کی اتنی خوشامد کریں گے کہ اس کا دماغ اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا اور وہ پیسہ خرچ کرتا چلا جائے گا حتیٰ کہ وہ خالی ہو جائے گا۔

بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں جن کے پاس پیسہ زیادہ ہو جائے تو ان میں تکبر آ جاتا ہے وہ برادری والوں میں شوبازی کرتے ہیں۔ اگر برادری میں کوئی بدمعاش ٹائپ آدمی

ہو تو وہ یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ اس کے گھر چوری یا ڈکیتی کی واردات کرا دیتے ہیں پھر اس کے ہمدرد بن کر پولیس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں کہ پولیس تفتیش میں کوتاہی نہ کرے۔

میں نے اب یہ معلوم کرنا تھا کہ اسحاق بھی اسی قسم کا آدمی تھا یا نہیں۔ میں نے اس کے ساتھ بہت ساری باتیں کی تھیں اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی کہ یہ کس قسم کا جوان ہے۔ میرا اندازہ کچھ یہ تھا کہ اس میں شوبازی پائی جاتی ہے۔ میں نے یہ بھی معلوم کرنا تھا کہ اسحاق کے گھر میں اتنی دولت تھی کہ اس کے رشتہ دار اس سے جلتے ہوں گے؟ اس کے علاوہ بھی میں نے بہت سی باتیں معلوم کرنی تھیں۔

یہ تو معمولی سا ایک شک تھا جو میرے دماغ میں آیا تھا۔ اصل شک یہ تھا کہ یہ پیشہ ور آدمیوں کی واردات ہے اور ساہوکار کے گھر بھی انہی آدمیوں نے واردات کی ہے۔ میں نے تھانے میں اے ایس آئی کو پیغام بھجوایا کہ مشتبہوں کو اکٹھا کرے۔ ہر تھانے میں عادی مجرموں کے نام پتے موجود ہوتے ہیں۔ ان میں کئی سزا یافتہ ہوتے ہیں۔ آج کل مجرموں کے انداز کچھ اور ہو گئے ہیں۔ ان وقتوں میں ہر مجرم اپنے طریقہ واردات سے پہچانا جاتا تھا۔ بڑے جرائم مثلاً ڈاکہ، نقب زنی، رہزنی وغیرہ کے مجرم الگ الگ تھے۔ ڈاکو رہزنی نہیں کرتے تھے۔ رہزن نقب نہیں لگاتے تھے اور نقب لگانے والے چھوٹی موٹی چوریاں نہیں کرتے تھے۔

تھانیدار اپنے علاقے کے مجرموں سے بڑی اچھی طرح واقف ہوتے تھے۔ وہ طریقہ واردات سے مجرم کو پہچان لیتے تھے۔ وہ کتنی ہی احتیاط کیوں نہ کریں، ان میں ہر ایک کی جو خصوصیت ہوتی ہے وہ ظاہر ہو جاتی ہے۔ میں اس معاملے میں زیادہ تفصیل سے بیان نہیں کرتا۔ یہ پولیس کے معاملے ہیں۔ آپ کی دلچسپی اس میں نہیں ہو سکتی۔ میں نے ڈکیتی کی ان دونوں وارداتوں پر غور کر لیا تھا۔ اے ایس آئی کو میں نے جو پیغام بھیجا تھا، اس میں اس کو خاص طور پر چار پیشہ ور مجرموں کی بابت کہا تھا۔ وہ ڈکیت تھے۔

کچھ وقت گزرا تو کھوجی آ گیا۔ وہ دو میل دور تک ہو آیا تھا۔ ڈاکوؤں کے کھرے دریا کے کنارے تک ملے۔ یہ چھوٹا سا ایک دریا تھا۔ ان دنوں میں اس میں پانی ذرا زیادہ تھا۔ کھرے دریا کے ساتھ ساتھ پل تک چلے گئے تھے۔ یہ پکی سڑک کا پل تھا لاریاں اور تانگے یہاں سے گزرتے تھے۔ دریا کے پار والے علاقے میں جانے والی بعض سواریاں

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

یہاں سے لاریوں یا تانگوں پر جاتی تھیں۔ کھوجی نے پل کے پار جا کر بھی کھرے تلاش کیے تھے لیکن اس کو کوئی کھرا نہ ملا۔

کھروں سے معلوم ہوا کہ دو آدمیوں نے دیسی جوتیاں پہنی ہوئی تھیں اور ایک نے شوز۔ یہ گرگابی بھی ہو سکتی تھی۔ کھرے ایسے تھے کہ ان کے مولڈ تیار ہو سکتے تھے۔ میں نے مولڈ تیار کرنے کے واسطے کہہ دیا۔ بندوق کو میں نے محفوظ کرا لیا تھا۔ اس کو میں نے تھانے اس حکم کے ساتھ بھیج دیا کہ دستی فنگر پرنٹ بیورو کو انگلیوں کے نشانات کے معائنے کے واسطے بھیج دی جائے۔

لڑکی جو گھر سے بھاگی

میں نے کچھ ضروری معلومات لینی تھیں۔ مخبروں سے رپورٹیں لینی تھیں۔ اسحاق اور اس کے گھر کے افراد کی بابت بھی کچھ معلوم کرنا تھا۔ اس کام کے واسطے میں ادھر ہی رک گیا۔ میں نے کس کس سے کیا کیا پوچھا، اس کو آپ جان کر کیا کریں گے۔ میں صرف آپ کی دلچسپی کی باتیں بتاتا ہوں۔ ان لوگوں میں جنہوں نے مجھ کو یہ باتیں بتائیں۔ اسحاق کے خون کے رشتے والے آدمی بھی تھے۔

اسحاق کا باپ مر گیا تھا۔ وہ تین بہنوں میں اکیلا بھائی تھا اور اس کو ماں اور بہنوں نے شہزادہ بنایا ہوا تھا۔ یہ کوئی امیر گھرانہ نہیں تھا۔ درمیانہ درجے کا زمیندار خاندان تھا۔ گھر میں کوئی دولت نہیں تھی۔ دو چار سو روپیہ جو نکل گیا تھا یہی گھر کی دولت تھی۔ زیور جو گیا تھا وہ اسحاق کی ماں نے تھوڑا تھوڑا کر کے کئی سالوں میں بنایا تھا۔

اسحاق میں شو بازی تو تھی لیکن اتنی زیادہ نہیں تھی کہ کسی کو بری لگتی۔ وہ خود کھیتی باڑی نہیں کرتا تھا۔ ان کے مزارعے تھے۔ اسحاق کے باپ کی دو نالی بندوق تھی۔ اب اس کا لائسنس اسحاق کے نام تھا۔ اس کو شکار کا شوق تھا۔ اپنے دوستوں کے ساتھ بندوق لے کر کبھی کبھی دور چلا جاتا اور پرندے اور خرگوش مار لاتا تھا۔ اس کی عمر چوبیس پچیس سال ہو گئی تھی اور اس کی شادی دو مہینے پہلے ہوئی تھی۔

شادی کی بابت مجھ کو بتایا گیا کہ لڑکی اس کے پیچھے گھر سے بھاگ آئی تھی۔ لڑکی کا گاؤں بہت دور بتایا گیا۔ یہ دوسرے تھانے کا گاؤں تھا جو اسحاق کے گاؤں سے تیرہ چودہ

میل دور تھا۔ اسحاق لڑکی کو لے آیا اور اس کے ساتھ شادی کر لی۔ مجھ کو یہ بھی بتایا گیا کہ اسحاق کی ماں نے اور اس کی بہنوں نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ لڑکی بہت خوبصورت تھی اور اس میں یہ وصف بھی تھا کہ ہر کسی کو اچھے طریقے سے ملتی تھی اور اس کو معلوم تھا کہ برادری اور رشتہ داری میں کس طرح کا برتاؤ اور رویہ رکھا جاتا ہے۔ اسحاق کی ماں کی وہ خدمت کرتی اور اس کی بہنوں سے بہنوں جیسا پیار کرتی تھی۔

مجھ کو اس میں کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ اس لڑکی میں کتنے اچھے وصف تھے۔ میں اس میں صرف وہ وصف دیکھ رہا تھا کہ وہ اپنے گھر سے اسحاق کے پیچھے بھاگ آئی تھی اور اس کے رشتہ داروں نے اپنی بے عزتی کا یہ انتقام لیا ہے کہ اسحاق کا گھر لوٹ لیا ہے۔ میں نے اپنی توجہ اسی پر لگا دی اور اسحاق کی ماں کو بلایا۔ وہ فوراً آ گئی۔

''اپنی بہو کے خاندان کو تم جانتی ہو؟''۔۔۔ میں نے اسحاق کی ماں سے پوچھا۔

''نہیں جی!''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ ''یہ تو میرا بیٹا بھی نہیں جانتا۔ لڑکی اس کے ساتھ آ گئی۔ ایک ہی ایک بیٹا ہے، لڑکی میرے دل کو بھی اچھی لگی۔ میں نے بیٹے کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھا...... کیوں جی؟ آپ نے کیوں پوچھا ہے؟''

''ویسے ہی خیال آ گیا تھا''۔۔۔ میں نے اس کو ٹالنے کے واسطے کہا۔۔۔ ''لڑکی کیسی ہے؟ گھر میں اس کا برتاؤ کیسا ہے؟''

اس نے لڑکی کی تعریفوں کے پل باندھ دیئے۔

''اس نے اپنے ماں باپ اور خاندان کی کبھی بات نہیں کی؟''۔۔۔ میں نے پوچھا۔

''صرف اتنا بتاتی ہے کہ غریب لوگ ہیں''۔۔۔ اسحاق کی ماں نے جواب دیا۔۔۔ ''اور کچھ نہیں بتاتی''۔

میں نے اسحاق کو بلا کر پوچھا تو اس نے بھی کہا کہ وہ لڑکی کے خاندان کو اور اس کے ماں باپ کو نہیں جانتا۔

''وہ تمہیں تو جانتے ہوں گے''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''ان کو تمہارے گاؤں کا اور گھر کا بھی علم ہو گا''۔

''کیا آپ یہ کہتے ہیں کہ یہ واردات میری بیوی کے رشتہ داروں نے کی ہے؟''۔۔۔ اسحاق نے پوچھا۔۔۔ ''آپ کا خیال ہے کہ انہوں نے اپنی بے عزتی کا بدلہ لیا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہے؟''

''انہوں نے اپنی لڑکی کی قیمت وصول کی ہے''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''صرف بدلہ لینا چاہئے تو تم یا تمہاری بیوی یا تم دونوں زندہ نہ ہوتے''۔

''نہ وہ مجھ کو جانتے ہیں نہ میرے گاؤں کا ان کو پتہ ہے''۔۔۔ اسحاق نے کہا۔۔۔ ''اس لڑکی کے ساتھ محبت کا معاملہ اس طرح شروع ہوا تھا کہ میں ایک بار اپنے دو دوستوں کے ساتھ شکار پر گیا تو چلتے چلتے ہم تیرہ چودہ میل دور جا پہنچے۔ یہ لڑکی اپنے گاؤں سے دور اپنے مویشی اکٹھے کر رہی تھی۔ اس نے مجھ کو دیکھا میں نے اس کو دیکھا۔ اس دن اتنی ہی ملاقات ہوئی کہ میں اس کے قریب چلا گیا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس نے کہا کہ بدمعاشی نہیں چلے گی۔ میں نے کہا کہ بدمعاشی نہیں ہوگی.....

''میرے دل میں بدمعاشی ہی تھی۔ لڑکی جتنی خوبصورت تھی اتنی ہی پاک نکلی۔ ہم نے اگلی ملاقات مقرر کر لی۔ میں گیا اور وہ مجھ کو مل گئی۔ اس دن زیادہ باتیں ہوئیں۔ تیسری ملاقات میں وہ میرے ساتھ گھر سے بھاگنے پر تیار ہوگئی۔ میں نے اس کو بتایا کہ فلاں رات کو آؤں گا۔ میں اس رات گیا۔ یہ اس جگہ موجود تھی۔ میں اس کو گھوڑی پر بٹھا کر لے آیا۔ میں جتنی دفعہ بھی اس کو ملنے کے واسطے گیا۔ نہ اس کے گاؤں کے کسی آدمی نے ہمیں دیکھا نہ اس کے گھر سے کسی آدمی نے۔ آج تک ان کو پتہ نہیں کہ ان کی لڑکی کہاں ہے۔ میری بیوی بتاتی ہے کہ اس کے ماں باپ اور سارا خاندان غریب لوگ ہیں۔ آپ اس سے اندازہ کریں کہ یہ لوگ کتنے کمزور ہیں کہ ان کی جوان لڑکی لاپتہ ہوگئی ہے اور انہوں نے پولیس کو نہیں بتایا''۔

میں دراصل دائیں بائیں ہاتھ مار رہا تھا۔ یہ ایک اشارہ ملا تھا لیکن یہ بھی میرے واسطے فائدہ مند ثابت نہ ہوا۔ میں نے اور زیادہ شک رفع کرنے کے واسطے لڑکی سے پوچھنا بھی ضروری سمجھا۔ میں نے اسحاق کو بھیج کر اس کی بیوی کو بلایا۔ واقعی وہ بہت حسین لڑکی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ اسحاق کے ساتھ کس طرح گھر سے بھاگ کر آئی تھی۔ اس نے جو بیان دیا اس کا ایک ایک لفظ اسحاق کے بیان کے ساتھ ملتا تھا۔

''تمہارے ماں باپ نے اتنا بھی نہ کیا کہ تمہاری گمشدگی کی رپورٹ تھانے میں دے دیتے''۔۔۔ میں نے کہا۔

''وہ بہت کمزور اور غریب لوگ ہیں''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''سچی بات تو یہ ہے کہ جی کہ انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا ہوگا کہ لڑکی کا بوجھ مفت میں سر سے اتر گیا ہے''۔

''معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی گھر کی غربت سے تنگ تھیں''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''تم نے یہ بھی نہ دیکھا کہ اسحاق شریف ہے یا کوئی بدمعاش آدمی ہے''۔

''یہ آدمی میرے دل کو بہت اچھا لگا تھا''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''دوسری وجہ یہ تھی کہ گاؤں میں جوان جوان آدمی مجھ کو تنگ کرتے تھے۔ غریب کی بیٹیوں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں۔ مجھ کو اسحاق اچھا لگا تو میں نے کہا کہ چلو ایک پناہ مل گئی ہے''۔

میں نے مایوس ہو کر اس لڑکی کو بھی اٹھا دیا۔ یہ شک تو میرے دماغ میں آ ہی نہیں سکتا تھا کہ اس لڑکی نے یا اسحاق کی بہنوں نے یہ واردات کرائی ہوگی۔ میں نے آپ کو پہلے بتایا ہے کہ ایسی وارداتیں ہوئی تھیں جو گھروں کی لڑکیوں نے ہی کرائیں لیکن وہ حالات دوسرے تھے۔ یہاں معاملہ کچھ اور تھا۔ میرے دماغ میں بار بار پیشہ ور ڈاکو آتے تھے۔ میں گاؤں سے اٹھا اور تھانے چلا گیا۔

ساہوکار والی واردات کے سلسلے میں مشتبہوں کو تو ہم نے پہلے ہی سولی پر کھڑا کیا ہوا تھا۔ اب پھر وہ تھانے میں موجود تھے۔ میری دلچسپی دو آدمیوں کے ساتھ تھی۔ وہ دونوں موجود نہیں تھے۔ ان میں سے ایک ڈکیتی میں ایک بار اور دوسرا دو بار سزا پا چکا تھا۔ میں نے اے ایس آئی کو کہا کہ وہ فوراً تیاری کرے اور دونوں کے گھروں پر چھاپے مارے۔ رات ہو چکی تھی۔ چھاپے کے لیے یہی وقت ٹھیک تھا۔ اے ایس آئی اسی وقت روانہ ہو گیا اور میں آرام کرنے کے واسطے اپنے گھر چلا گیا۔

رنڈیوں کے بازار میں دیکھا تھا؟

میں صبح بہت جلدی جاگا اور تھانے چلا گیا۔ اے ایس آئی ابھی تھانے میں نہیں آیا تھا۔ مجھ کو بتایا گیا کہ رات کو اس نے دونوں جگہوں پر چھاپے مارے ہیں اور دونوں ڈکیتوں کو پکڑ کر لے آیا ہے۔ چھاپوں میں کوئی چیز برآمد نہیں ہوئی اور کوئی سراغ یا کام کا اشارہ بھی نہیں ملا۔

میں نے اے ایس آئی کو جگانا ٹھیک نہ سمجھا۔ ان دونوں ڈکیتوں میں سے ایک کو بلا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کر اپنے پاس بٹھالیا۔

''او بے غیرتو!''۔۔۔ میں نے اس کو کہا۔۔۔ ''تمہارے علاقے میں کوئی اور آ کر واردات کر گیا ہے اور تم کو پتہ نہیں''۔

اس نے عادت کے مطابق ہاتھ جوڑے اور ایسے موقعے پر یہ لوگ جو باتیں کیا کرتے تھے وہ کیں۔ مجھ کو خدا کے بعد کا درجہ دیا اور یقین دلانے کی کوشش کی کہ اس کو کچھ علم نہیں۔

''میں کچھ نہیں جانتا''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''تم بچے نہیں استاد ہو۔ یہ واردات قبول کرو یا مجھ کو ملزم دو۔ میں نہیں مانتا کہ تم کو پتہ ہی نہیں۔ جاؤ اور آرام سے بیٹھو، سوچو اور مجھ کو جواب دو۔ میں تم کو ایک منٹ کے واسطے بھی تھانے سے باہر نہیں جانے دوں گا''۔

اس کو اٹھا کر میں نے دوسرے کو بلایا۔ وہ آتے ہی مجھ پر برسنے لگا۔

''آپ بھی کمال کرتے ہیں حضور!''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''واردات کہاں کی ہوتی ہے اور آپ اسے ہمارے گلے میں ڈال دیتے ہیں۔ کچھ خدا کا خوف کرو۔ تمہاری قسم، مجھ کو یہ بھی پتہ نہیں کہ واردات کہاں ہوئی ہے۔ آپ کا چھوٹا تھانیدار بھی عجب آدمی ہے۔ اس کو آپ کچھ سمجھاتے بھی نہیں، کسی دن مجھ سے بے عزتی کروائے گا۔ اب بولو، واردات کیا ہے اور کہاں ہوئی ہے؟''

آپ حیران ہوں گے کہ ایک پیشہ ور اور دوبار کا سزایافتہ مجرم ایک تھانیدار کے ساتھ اس طرح بدتمیزی کے ساتھ بات کر رہا تھا جیسے وہ ڈکیت نہیں ڈی ایس پی تھا۔ یہ دراصل پولیس اور مجرموں کی دنیا کی باتیں ہیں۔ ان باتوں کو عام شہری نہیں سمجھ سکتے۔ یہ استاد ڈکیت تھا۔ یہ لوگ پولیس کے واسطے دائمی سردرد بنے رہتے تھے لیکن پولیس کی مدد بھی بہت کرتے تھے۔ ایسا شبہ بالکل نہ کریں کہ ان کو شاید پولیس کا تعاون حاصل ہوتا تھا۔ اس زمانے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ پولیس اور مجرموں کا آپس میں دوستانہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس شخص نے میرے ساتھ اس لہجے میں بات کی تو میں ہنسنے لگا۔

''پھر مجھے ملزم دو''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''تمہارے علاقے میں کون واردات کر گیا ہے؟ یہ واردات معمولی نہیں''۔

''حضور واردات تو بتائیں کیا ہے''۔۔۔ اس نے پوچھا۔

''تم کو اے آئی نے نہیں بتایا؟''۔۔۔ میں نے پوچھا۔

''یہی تو میں نے کہا ہے کہ آپ کا اے ایس آئی کبھی مجھ سے بے عزتی کروائے گا''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''میں نے سو بار پوچھا کہ میرے گھر پر چھاپہ کس معاملے میں پڑا ہے تو یہ یہی کہتا رہا کہ تھانے چل کر بتاؤں گا۔ ایک تو اس شخص کو خدا نے شکل ہی ایسی دی اور جب یہ ناک چڑھا کر بات کرتا ہے تو مجھ کو اور بُرا لگتا ہے''۔

میں نے اس کو واردات بتائی۔

''وہ اسحاق!''۔۔۔ اس نے میری ران پر بڑے زور سے ہاتھ مار کر کہا۔۔۔ ''وہ جو شکاری ہے''۔۔۔ وہ سوچ میں پڑ گیا اور ماتھے کو اپنے ہاتھ سے رگڑ کر بولا۔۔۔ ''تھوڑے دن ہوئے اس نے شاید شادی کی ہے۔ میں ان کے گاؤں کے نمبردار کے پاس جاتا رہتا ہوں۔ اس لڑکی کو جو اسحاق کی بیوی ہے۔ میں نے دو مرتبہ دیکھا ہے۔ دونوں مرتبہ میں نے دماغ پر بہت زور دیا کہ اس لڑکی کو پہلے میں نے کہاں دیکھا تھا''۔

میں نے اس کو بتایا کہ اس لڑکی کا نام جنت ہے اور یہ فلاں گاؤں سے اسحاق کے پیچھے گھر سے نکل آئی تھی اور یہ غریبوں کی بیٹی ہے۔

''نہیں حضور!''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''مجھ کو سولہ آنے یقین ہے کہ میں نے لڑکی کو کسی گاؤں میں نہیں دیکھا تھا کہیں اور دیکھا تھا اور جہاں بھی دیکھا تھا، وہ جگہ ٹھیک نہیں تھی''۔

''کہاں دیکھا ہوگا تم نے؟''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''رنڈیوں کے بازار میں دیکھا تھا؟''

''نہیں''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ ''شاید کہیں اس کا سودا ہو رہا تھا''۔

''تم نے کسی اور کو دیکھا ہوگا''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''یہ لڑکی اس گاؤں سے آئی تھی''۔

''نہیں حضور!''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''یہ لڑکی کسی اچھی جگہ سے نہیں آئی''۔۔۔ اس نے میری ران پر ایک بار پھر زور سے ہاتھ مار کر کہا۔۔۔ ''لڑکی ایک بار پھر مجھ کو دکھا دو''۔

اس نے یہ بات ایسے انداز اور ایسے الفاظ میں کی تھی کہ میں نے اس کو یہ لڑکی دکھانا ضروری سمجھا۔ میں نے اس ڈکیت کی اور اپنی بہت تھوڑی باتیں لکھی ہیں۔ ہمارے درمیان

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بہت باتیں ہوئی تھیں۔ پھر ہم اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ لڑکی کو کسی بہانے تھانے بلایا جائے۔ بہانے کی کیا ضرورت تھی، میں جس کو چاہتا تھانے بلا سکتا تھا۔ میں نے اسی وقت ایک کانسٹیبل کو اسحاق کے گاؤں بھیجا کہ وہ اسحاق کو اس کی بیوی کے ساتھ تھانے لے آئے اور ان کو یہ کہے کہ زیور اور ایک دو چیزیں شناخت کرنی ہیں۔

لڑکی صحیح نہیں

ان کا گاؤں دور نہیں تھا۔ ڈیڑھ گھنٹے بعد دونوں پہنچ گئے۔ میں نے ڈکیت کو ایسی جگہ بٹھا دیا تھا جہاں سے وہ لڑکی کو اچھی طرح دیکھ سکتا تھا۔ اسحاق اور یہ لڑکی جب میرے دفتر میں آئے تو میں نے ایک اور واردات کے زیور کی دو چیزیں جو میرے قبضے میں تھیں ان کے آگے رکھ دیں۔ یہ چیزیں ان کی نہیں تھیں اس واسطے جنت نے دیکھتے ہی کہہ دیا کہ یہ ان کا مال نہیں۔

میں نے ڈکیت کو کسی اور نام سے پکار کر اندر بلایا اور اس کے ساتھ اس طرح کی بات کی جیسے وہ تھانے کا کوئی ملازم تھا۔ وہ سمجھتا تھا۔ اس نے لڑکی کو ایک بار پھر بہت غور سے دیکھا اور میری طرف دیکھ کر مسکرایا اور اس نے ذرا سا سر ہلایا۔ میں نے اس کو ویسے ہی ایک حکم دے کر باہر نکال دیا۔ پھر اسحاق اور اس کی بیوی جنت کو تسلی دی کہ ان کا مال مل جائے گا۔ میں نے ان کو یہ بھی کہا کہ ان کو میں نے خواہ مخواہ تکلیف دی ہے۔

ان کے جانے کے بعد ڈکیت میرے پاس آیا۔

''حضور میری بات مانیں''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''یہ لڑکی صحیح نہیں۔ یہ معلوم کریں کہ کہاں سے آئی ہے۔ واردات پر غور کریں۔ کیا ایسا شبہ ہوتا ہے کہ ملزموں کی مدد اندر سے کسی نے کی ہو؟ مجھ کو پکا شبہ ہے کہ واردات اس لڑکی نے کرائی ہے''۔

میں نے غور کیا تو ایک بات مجھ کو شک میں ڈالتی تھی۔ وہ یہ تھی کہ ڈکیتوں نے زنجیر کس طرح کھولی تھی۔ میں نے کوشش کر کے دیکھا تھا۔ باہر سے ٹین کی پتری اندر جا سکتی تھی لیکن میں نے چھری داخل کر کے دیکھی تھی جو پتری سے مضبوط ہوتی ہے۔ زنجیر نہیں کھلی تھی۔ اب مجھ کو خیال آنے لگا کہ زنجیر اندر سے کھولی گئی ہے۔ ایک اور بات میرے اس شک کو رفع کرتی تھی۔ وہ یہ تھی کہ اندر ٹرنک اِدھر اُدھر پھینکے ہوئے تھے اور سارے ٹرنک

کھولے ہوئے تھے جن میں سے پارچات وغیرہ باہر نکال کر بکھیرے گئے تھے۔ اگر ان لوگوں کو گھر بھیدی کی مدد حاصل ہوتی تو وہ سارے ٹرنک نہ کھولتے۔ وہ صرف مال والا ٹرنک کھولتے اور مال نکال کر لے جاتے۔

میں نے جب اس پر غور کیا تو اپنے تجربے کی روشنی میں یہ خیال آیا کہ یہ واردات تجربہ کار ڈکیتوں کی ہے۔ انہوں نے سامان اس لیے بکھیر دیا ہوگا کہ یہ شک نہ ہو کہ اس واردات میں کوئی گھر بھیدی بھی ہے..... گھر بھیدی اگر کوئی تھا تو وہ جنت کے سوا اور کون ہو سکتا تھا۔

اب میرے واسطے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ معلوم کروں کہ جنت واقعی اس گاؤں سے آئی تھی جو وہ بتاتی تھی یا ڈکیت کا شک صحیح تھا۔ میں دفتر سے باہر یہ سوچ کر نکلا کہ جنت نے اپنے جس گاؤں کا نام بتایا ہے اس گاؤں میں کسی آدمی کو بھیج کر معلوم کرواؤں کہ دو مہینے پہلے اس گاؤں سے جنت نام کی کوئی لڑکی لاپتہ ہوئی تھی یا نہیں۔ مجھ کو یہ بات ذرا خفیہ طریقے سے معلوم کرانی تھی۔ میں نے برآمدے میں اسحاق کے گاؤں کے چوکیدار کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ اسی کو بلا لیا۔

میں نے اس کو جنت کے گاؤں کا نام بتایا اور کہا کہ وہاں جا کر معلوم کرے کہ اس نام کی کوئی لڑکی دو مہینے پہلے لاپتہ ہوئی ہے؟ اگر ہوئی ہے تو اس کے باپ کا نام معلوم کر کے آئے اور یہ بھی معلوم کرے کہ وہ کیا کام کرتا ہے اور کیسا آدمی ہے۔ کیا وہ شریف ہے، بدمعاش ہے۔ کس قسم کا آدمی ہے۔ پھر وہ جنت کے بارے میں معلوم کرے کہ گاؤں میں اس کی شہرت کیسی تھی۔

چوکیدار سرکاری آدمی ہوتے تھے لہٰذا یہ مخبری بھی کرتے تھے اور ان کو پولیس کے طور طریقوں کا پتہ ہوتا تھا۔ وہ میری بات سمجھ گیا اور وہ میری ضرورت بھی سمجھ گیا۔

''میں سمجھ گیا ہوں حضور!''۔۔۔ اس نے کہا۔

میں نے اس کو گالیاں دینی شروع کر دیں اور کہا کہ اس میں اتنی سمجھ ہوتی تو ڈکیت گاؤں سے نکل کر نہ جاتے۔ اس کو یہ بھی پتہ نہیں چلا کہ ایک لڑکی باہر سے آئی ہے۔

''حضور!''۔۔۔ چوکیدار نے غلاموں کی طرح کہا۔۔۔ ''ڈکیتوں کے آنے جانے کا مجھ کو پتہ نہیں چلا لیکن جنت کا مجھ کو پتہ ہے کہ وہ رات کو اسحاق کے ساتھ آئی تھی اور اس کے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ساتھ اس کے دو دوست تھے''۔

''یہ کب کی بات ہے؟''

''حساب آپ خود کر لیں''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''میں نے لڑکی کو نہیں پہچانا تھا، چاند بادلوں میں تھا۔ میں نے اسحاق کو اور اس کے دونوں دوستوں کو پہچان لیا تھا۔ اسحاق کے ساتھ سلام دعا بھی ہوئی تھی۔ لڑکی کے سر پر چادر تھی۔ میں یہ سمجھا کہ یہ گاؤں کی کوئی عورت ہوگی جس کو یہ ساتھ لے گئے ہوں گے اور اب واپس لائے ہیں۔ صرف ایک دن گزرا تو پتہ چلا کہ اسحاق کی شادی باہر کی ایک لڑکی کے ساتھ ہو رہی ہے جس کو وہ نکال کر لایا ہے۔ تب مجھ کو خیال آیا کہ پرسوں رات تینوں اسی لڑکی کو لا رہے تھے''۔

مجھ کو یاد آیا کہ اسحاق نے کہا تھا کہ وہ لڑکی کو لینے اکیلا گیا تھا۔ لڑکی نے بھی یہی کہا تھا کہ اسحاق اکیلا تھا لیکن چوکیدار کہہ رہا تھا کہ اس کے ساتھ دو دوست تھے۔ اس سے مجھ کو شبہ ہو گیا۔ ایک بات کو دل میں رکھیں کہ ڈکیتی کی تفتیش اس طرح نہیں کی جاتی جس طرح میں کر رہا تھا لیکن میرے مشتبہ ڈکیت نے مجھ کو کسی اور شک میں ڈال دیا تھا۔ میں نے چوکیدار کو کہا کہ اسحاق اور جنت ابھی ابھی یہاں سے نکل کر گئے ہیں۔ وہ بھاگ کر جائے اور ان دونوں کو واپس بلا لائے۔

''اور تم یوں کرنا''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''ان دونوں کو ادھر بھیج کر خود اس گاؤں کو روانہ ہو جانا جو میں نے تم کو بتایا ہے اور وہ کام کر آنا''۔

ایک بیوی دو دوست

تھانے میں پیشہ ور مجرم جمع تھے اور ان سے اے ایس آئی پوچھ گچھ کر رہا تھا۔ میں نے یہ سلسلہ جاری رہنے دیا۔ کچھ دیر بعد اسحاق اور جنت آ گئے۔ میں پہلے جنت کو اندر لے گیا۔

''تمہیں گاؤں سے لانے کے واسطے اسحاق اکیلا گیا تھا''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''بہت دلیر آدمی ہے''۔

''ہاں جی!''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ ''وہ اکیلا تھا''۔

میں نے جنت کو وہیں بیٹھے رہنے دیا اور باہر نکل کر اسحاق کے ساتھ بات کی۔ اس سے بھی یہی پوچھا کہ تم اکیلے گئے تھے؟

''میں آپ کو پہلے بتا چکا ہوں''۔۔۔ اسحاق نے جواب دیا۔۔۔ ''میں اکیلا گیا تھا''۔

''تمہارے دو دوست تم کو کہاں مل گئے تھے؟''

''دوست؟''۔۔۔ اس نے حیران سا ہو کر پوچھا پھر خود ہی بولا۔۔۔ ''اوہ، وہ دونوں ....وہ راستے میں مل گئے تھے''۔

میں اپنے دفتر میں گیا اور جنت سے پوچھا کہ اسحاق کے دونوں دوست اس کو کہاں ملے تھے؟ میں نے دیکھا کہ وہ کچھ گھبرا گئی اور چپ رہی۔

''بولو جنت!''

''مجھے یاد نہیں''۔۔۔ جنت نے جواب دیا۔

''جنت!''۔۔۔ میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر آہستہ سے کہا۔۔۔ ''تمہاری یادداشت بڑی کمزور ہے۔ تم اپنے گاؤں کا صحیح نام بھی نہیں جانتیں۔ تم کہیں اور کی رہنے والی ہو۔ اچھی طرح یاد کر کے بتاؤ کہ تمہارے گاؤں کا نام کیا ہے''۔

اس نے میری طرف دیکھا تو میں نے نوٹ کیا کہ اس کی آنکھوں میں خوف آ گیا تھا۔ اس نے ذرا اکھڑی ہوئی آواز میں کہا کہ وہ فلاں گاؤں کی رہنے والی ہے۔ یہ وہی گاؤں تھا جو اس نے پہلے بتایا تھا۔ میں باہر نکلا اور ایک کانسٹیبل کو اسحاق کے دونوں دوستوں کے نام بتا کر کہا کہ ان کو تھانے لے آؤ۔ میں نے یہ نام چوکیدار سے معلوم کئے تھے۔ پھر میں نے یہ انتظام کیا کہ اسحاق کو الگ اور جنت کو الگ بٹھا دیا۔ میں نے دیکھا کہ جس مشتبہ ڈکیت نے میرے دل میں جنت کے بارے میں شک ڈالا تھا وہ جنت کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اٹھ کر میرے پاس آ گیا اور اس نے ایک بار پھر کہا کہ یہ لڑکی استادوں کی چیز ہے۔

میں دوسرے کاموں میں لگ گیا اور تین ساڑھے تین گھنٹے گزر گئے۔ مجھ کو بتایا گیا کہ اسحاق کے دونوں دوست آ گئے ہیں۔ میں نے ان کو تھوڑی دیر کے واسطے باہر بٹھا دیا۔

جب میں کام سے فارغ ہوا تو ان میں سے ایک کو اندر بلایا۔

''اسحاق کی بیوی کون سے گاؤں سے آئی ہے؟''۔۔۔ میں نے پوچھا۔

اس نے گاؤں کا وہی نام بتایا جو جنت بتاتی تھی۔

''کیا تم لڑکی کو لانے کے واسطے اسحاق کے ساتھ گئے تھے؟''

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"نہیں" ـــ اس نے جواب دیا ـــ "ہم دونوں دوست راستے میں کھڑے تھے۔ اس گاؤں تک نہیں گئے تھے"۔

"تم کہاں کھڑے رہے؟"

"پل کے پاس" ـــ اس نے جواب دیا۔

اس سے کچھ اور باتیں پوچھ کر اس کے دوست کو بلایا اور اس سے یہی سوال پوچھا۔ اس نے ایک اور جگہ بتائی جہاں وہ اسحاق اور جنت کے انتظار میں کھڑے رہے تھے۔

"مجھ کو صرف اس سوال کا جواب دے دو کہ تم لوگ جھوٹ کیوں بول رہے ہو؟" ـــ میں نے کہا ـــ "میں نے تم پر کوئی الزام تو نہیں لگایا۔ جنت اپنی مرضی سے آئی ہے۔ تم لوگوں نے اس کو اغوا نہیں کیا...... ایک بار پھر سوچو اور مجھ کو بتاؤ کہ تم اپنے دوست کے ساتھ جنت کے گاؤں تک گئے تھے یا نہیں"۔

"نہیں" ـــ اس نے زوردار طریقے سے نہ کہا، اس کے لہجے میں ڈر بڑا صاف تھا۔ اکھڑی اکھڑی آواز میں کہنے لگا ـــ "ہم راستے میں کھڑے تھے"۔

"تم اور تمہارا دوست ایک جگہ کھڑے تھے؟"

"جی!"

میں نے اس کو بیوقوف بنانے کے واسطے ایک اور جگہ کا نام لے کر کہا کہ اس کا دوست کہتا ہے کہ وہ دونوں فلاں جگہ کھڑے رہے تھے۔

"اوہ!" ـــ اس نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا ـــ "میرے دماغ سے نکل گیا تھا۔ ہم نے دراصل اسحاق کا انتظار اس جگہ کیا تھا۔ اس سے پہلے ہم ذرا سی دیر پل کے پاس کھڑے رہے تھے"۔

مجھ کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ جھوٹ کیوں بول رہے ہیں۔ ان کو شاید ڈر تھا کہ میں ان کو جنت کے اغوا میں گرفتار کر لوں گا۔ میں نے اس کو باہر لے جا کر ایک الگ بٹھا دیا۔ میں نے اب چوکیدار کا انتظار کرنا تھا۔ وہ بہت دور گیا تھا۔ اس نے تو رات کو ہی آنا تھا۔ میں نے تھانے کے اور کئی کام کرنے تھے۔ میں ان میں مگن ہو گیا۔

دیہاتیوں اور شہریوں میں تھانیداروں کے خوشامدی ہوتے ہیں۔ یہ میرے وقتوں میں بھی تھے اور آج کے وقت بھی یہ ہوتے ہیں۔ کوئی واردات ہو جائے تو یہ علاقہ تھانیدار کو

خوش کرنے کے واسطے مخبری کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے طور پر سراغرسانی کرتے رہتے ہیں اور تھانیدار کو نئی سے نئی باتیں سناتے ہیں۔ اسحاق کے گھر ڈکیتی کی واردات ہوئی تو خوشامدیوں کی آمد و رفت تھانے میں شروع ہو گئی۔

ان لوگوں نے مجھ کو بہت باتیں بتائیں۔ ان باتوں سے صرف یہ ظاہر ہوتا تھا کہ یہ لوگ مجھ کو خوش کر رہے ہیں۔ میں تو یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ واردات کس نے کی ہے۔ ان کے پاس اس سوال کا جواب نہیں تھا۔ ان میں ایک سے مجھ کو پتہ چلا کہ اسحاق کے یہ دونوں دوست اب اس کے دوست نہیں ہیں۔ ان میں کسی وجہ سے رنجش پیدا ہو گئی ہے۔ اس کے دوست یہی دو تھے۔ دونوں اسحاق کے ہم عمر تھے۔ یہ بھی پتہ لگا کہ ان میں سے ایک دوست کی اسحاق کے ساتھ کہیں ہاتھا پائی بھی ہوئی تھی۔ اس دوست کا نام شجاع تھا۔

"میں نے شجاع سے پوچھا تھا کہ ان کی اتنی پکی دوستی کو کیا ہو گیا ہے؟" ـــ ایک خوشامدی مخبر نے بتایا ـــ "شجاع تو بڑے غصے میں تھا۔ کہتا تھا کہ یہ شخص (اسحاق) پچھتائے گا...... اس نے ناراضگی کی وجہ نہیں بتائی تھی"۔

میں نے ان کی رنجش کی بابت چند اور باتیں معلوم کر لیں۔

بتا نہیں سکتا کتنی خوبصورت تھی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

رات ہو گئی۔ اسحاق، جنت اور اسحاق کے دونوں دوست ابھی تک تھانے میں تھے۔ میں نے ان کے کھانے کا بندوبست کر دیا تھا۔ مجھ کو گھر میں اطلاع دی گئی کہ چوکیدار آ گیا ہے۔ میں نے اس کو اپنے گھر بلا لیا۔

"نہ حضور!" ـــ چوکیدار نے مجھ کو بتایا ـــ "وہ چھوٹا سا گاؤں ہے۔ آپ نے شاید دیکھا ہو گا۔ اس گاؤں کی کوئی لڑکی لاپتہ نہیں اور جنت نام کی کوئی لڑکی اس گاؤں کی نہیں۔ میں نے جنت کا حلیہ بتایا، عمر بتائی لیکن پتہ لگا کہ یہ لڑکی اس گاؤں کی نہیں"۔

میں نے چوکیدار کو گاؤں جانے کی اجازت دے دی اور میں تھانے چلا گیا۔ مجھ کو اب ان سب پر غصہ آ رہا تھا۔ میں ڈکیتی کی تفتیش کر رہا تھا اور ان چاروں نے اپنا ہی کوئی ڈرامہ بنایا ہوا تھا۔ میں اس ڈرامے کو بھی کھول کر دیکھنا ضروری سمجھتا تھا۔ میں نے یہ امید لگائی ہوئی تھی کہ شاید اسی سے ڈکیتی کی واردات کا کوئی سراغ مل جائے۔ تھانے جا کر میں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نے جنت کو اپنے دفتر میں بٹھالیا۔

''میں تجھ کو تمہارے گاؤں لے جارہا ہوں''۔۔۔ میں نے اس کو کہا۔

''نہ جی!''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''میں وہاں نہیں جاتی۔ میرا باپ مجھ کو مار ڈالے گا''۔

''میری موجودگی میں وہ تجھ کو کس طرح مار ڈالے گا؟''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''وہ تو کمزور اور غریب آدمی ہے''۔

''آپ مجھ کو وہاں کیوں لے جائیں گے؟''۔۔۔ اس نے پوچھا۔

''تمہارے ماں باپ کے ساتھ تمہارا راضی نامہ کرادوں گا''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''ماں باپ کی بددعا بہت بری ہوتی ہے''۔

''وہ نہیں مانیں گے''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''وہ راضی نہیں ہوں گے''۔

''میں تجھ کو لے جارہا ہوں''۔۔۔ میں نے کہا۔

اس نے رونا شروع کردیا۔ زور زور سے سر کو ہلاتی تھی اور اپنے گاؤں جانے سے انکار کرتی تھی۔

''جنت!''۔۔۔ میں نے اس کے قریب کھڑے ہو کر ایک ہاتھ اس کی ٹھوڑی کے نیچے رکھا اور اس کا منہ اوپر اٹھا کر کہا۔۔۔ ''میں تجھ کو اس واسطے تمہارے گاؤں لے جاؤں گا کہ مجھ کو اپنا گھر اور اپنے ماں باپ دکھاؤ''۔

''وہ تو کچا کوٹھا ہے''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''آپ اسے دیکھ کر کیا کریں گے!''

''تم اس گاؤں کی رہنے والی نہیں ہو''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''اگر میں غلط ہوں تو وہاں چل کر مجھ کو اپنا گھر اور اپنے ماں باپ دکھاؤ یا یہ بتادو کہ تم اسحاق کے ساتھ کہاں سے آئی ہو..... اگر نہیں بولو گی تو میں تم کو تمہارے گاؤں چھوڑ کر آجاؤں گا..... بولو''۔

اب وہ بالکل ہی چپ ہوگئی۔

''تم کو پہچاننے والے یہاں موجود ہیں''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''اپنی زبان سے بولو''۔۔۔ میں نے ہوا میں تیر چلایا۔۔۔ ''ڈاکوؤں کے واسطے اسحاق کے مکان کے باہر والے دروازے کی زنجیر اندر سے تم نے کھولی تھی نا!''

اب تو وہ اس طرح ہوگئی جیسے اس کا دم نکل گیا ہو۔

''ڈرتی کیوں ہو؟''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''جو ہوا ہے وہ بتادو۔ اگر یہ نہیں بتانا چاہتیں تو یہ بتادو کہ تم کہاں سے آئی ہو۔ تم اس گاؤں کی نہیں ہو جو تم بتاتی ہو۔ میرا شبہ رفع کردو۔ میں تم کو تھانے سے نکلنے نہیں دوں گا۔ تھانے میں جھوٹ نہیں چل سکتا''۔

''اگر میں سچ بتادوں تو آپ میرا کچھ خیال کریں گے؟''۔۔۔ اس نے پوچھا۔

''کیوں نہیں کروں گا؟''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''تم ملزم پکڑوادو اور جاؤ''۔

''میں خانہ بدوشوں کی لڑکی ہوں''۔۔۔ اس نے کہا۔

''کون سا قبیلہ ہے تمہارا؟''

''باوریہ!''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔

''تم باوریہ لگتی نہیں ہو''۔۔۔ میں نے کہا۔

''مجھ کو خواب کی طرح یاد ہے کہ میں اغوا ہوئی تھی''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''اس وقت میں بہت چھوٹی تھی۔ مجھ کو ذرا سا بھی یاد نہیں کہ میرے ماں باپ کون تھے اور میرا مذہب کیا تھا۔ میں نے کبھی افسوس نہیں کیا۔ ان لوگوں (خانہ بدوشوں) نے مجھ کو اپنی بیٹیوں کی طرح پالا ہے اور میں انہی لوگوں کو اپنا سمجھتی ہوں لیکن اب میری شادی ہوگئی ہے اور مجھ کو اپنا گھر مل گیا ہے تو میں نے وہ زندگی دماغ سے اتار دی ہے جو باوریوں کے ساتھ گزری ہے''۔

مجھ کو اس کی زندگی کی کہانی اور اس کی دلچسپیوں کے ساتھ ذرا سی بھی دلچسپی نہیں تھی۔ میں نے تفتیش پوری کرنی تھی اور ملزموں کو پکڑنا تھا۔ میں نے اس کو کہا کہ وہ پہلے واردات کی بات کرے۔ وہ بات کرتے ڈرتی تھی۔ میں نے اس کے ساتھ جھوٹے وعدے کیے کہ میں اس پر کوئی الزام نہیں آنے دوں گا۔

''مجھ کو معلوم ہے کہ اندر سے زنجیر تم نے کھولی تھی''۔۔۔ میں نے کہا۔

''ہاں جی!''۔۔۔ اس نے آہستہ سے کہا۔۔۔ ''زنجیر میں نے کھولی تھی''۔

''اور آدمی تمہارے قبیلے کے تھے''۔۔۔ میں نے اس کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اور ہنس کر کہا۔۔۔ ''ڈرو نہیں، دلیری سے بات کرو''۔

اس نے میرے ہنسنے کو اور ہاتھ پکڑنے کو کچھ اور سمجھ لیا۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھا اور اپنا ایک ہاتھ میرے ہاتھ کے اوپر رکھ کر ملنے لگی اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرائی۔ میں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ وہ کتنی خوبصورت تھی۔ خانہ بدوشی کی آزاد زندگی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نے اس میں بڑی سخت کشش پیدا کی ہوئی تھی۔

''اپنا وعدہ نہ بھولنا''۔۔۔اس نے کہا۔۔۔''میں آپ کے پاس ہی ہوں۔۔۔۔ٹھیک ہے نا؟''

اس نے ایسا طریقہ اختیار کیا تھا جس کے آگے آدمی اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں رہ سکتے۔ میں نے یہ ظاہر کیا کہ اس کا طریقہ کامیاب ہے اور مجھ کو قبول ہے اور وہ پہلے یہ بتائے کہ یہ واردات کس طرح ہوئی ہے۔

کہہ دو لڑکی غائب ہوگئی ہے

اتنی جلدی جرم کا اقبالی بیان کوئی نہیں دیا کرتا۔ یہ لڑکی جال سے نکل تو نہیں سکتی تھی۔ وہ معمولی لڑکی نہیں تھی۔ بہت چالاک اور ہوشیار تھی۔ اس نے میرے واسطے رومانی فضا پیدا کر دی تھی لیکن اس کو معلوم نہیں تھا کہ یہ رومان اس کو نقصان دے رہا ہے۔ مختصر بات یہ ہے کہ اس نے واردات سے پردہ اٹھایا اور اقبالی بیان دے دیا۔

یہ لڑکی اس گاؤں کی رہنے والی نہیں تھی جس کا وہ نام لیتی رہی تھی۔ یہ باور یہ خانہ بدوش قبیلے کی لڑکی تھی اور اسحاق نے اس کو اس کے قبیلے سے خریدا تھا۔ اس نے تین ہزار روپیہ ادا کیا تھا۔ گھر والوں کو اسحاق نے بتایا تھا کہ ایک گاؤں کی لڑکی اس کے پیچھے نکل آئی ہے اور وہ اس کے ساتھ شادی کرے گا۔

میں آپ کو اسحاق اور اس لڑکی جنت کے بیان پہلے سنا چکا ہوں۔ دونوں کے بیان ایک جیسے تھے، یعنی یہ کہ گاؤں کا نام اور یہ کہ جنت بڑے غریب باپ کی بیٹی ہے وغیرہ۔ اب جنت نے مجھ کو بتایا کہ انہوں نے یہ بیان آپس میں ملائے ہوئے تھے مجھ کو ایک سوچ آئی کہ اسحاق کے دونوں دوستوں نے یہ کیوں کہا تھا کہ اسحاق لڑکی کو گاؤں سے لینے گیا تو وہ راستے میں اس کے انتظار میں کھڑے رہے تھے اور ان کے ساتھ اپنے گاؤں میں آئے تھے پھر ان دونوں کی اسحاق کے ساتھ ناچاقی ہوگئی تھی۔ مجھ کو یہ کوئی بڑا دلچسپ ڈرامہ لگتا تھا۔

میں آپ کو یہ ساری واردات دوسروں کے بیانات سے سناؤں گا۔ ابھی آپ جنت کا مختصر سا بیان سن لیں۔ یہ آپ کے واسطے عجیب ہوگا، میرے واسطے نہیں۔ اسحاق شکار

پر گیا تو خانہ بدوشوں کے ڈیرے کے باہر جنت کو دیکھا جو اس کو بہت خوبصورت لگی۔ اس نے دو تین بار پھر وہاں جا کر خانہ بدوشوں کے ساتھ دوستی بنالی۔ اس نے جنت کی بات کی تو تین ہزار روپے پر سودا ہوگیا اور وہ تین چار دنوں بعد رقم دے کر جنت کو لے آیا اور شادی کر لی۔

اسحاق کو معلوم نہیں تھا کہ یہ جرائم پیشہ قبیلہ ہے اور جنت گھر بھیدی کے واسطے آئی ہے۔ دو مہینوں میں جنت نے سارے گھر پر اپنا اعتماد پیدا کر لیا۔ یہ میں آپ کو سنا چکا ہوں کہ اسحاق کی ماں بہنیں اور ہر کوئی جنت کو پسند کرتا تھا۔ یہ جنت کی استادی تھی۔ گاؤں میں ایک عورت چوڑیاں بیچنے کے واسطے آیا کرتی تھی۔ ایسی عورتیں عموماً خانہ بدوش ہوا کرتی تھیں۔ وہ ٹوکری میں چوڑیاں رکھ کر گاؤں گاؤں بیچتی پھرتی تھیں۔

یہ عورت اسحاق کے گھر ضرور آتی یا جنت اس کی آواز سنتی اور باہر نکل کر اس کو بلا لیتی تھی۔ وہ اور اسحاق کی بہنیں اس سے چوڑیاں خریدتی تھیں۔ دو مہینوں میں یہ عورت تین بار آئی۔ یہ جنت کے قبیلے کی عورت تھی اور جنت کے ہی پاس آتی تھی۔ وہ تیسری بار آئی تو جنت نے موقع پیدا کر کے اس کو بتا دیا کہ ڈکیتی کے واسطے آدمی فلاں رات آئیں۔ یہ لوگ جرائم پیشہ تھے۔ انہوں نے اپنے اشارے اور اپنے ''کوڈ'' الفاظ مقرر کیے ہوئے تھے۔ جنت نے اس عورت کو کسی طرح ٹرنکوں والا کمرہ بھی دکھا دیا۔

جنت نے دیکھ لیا تھا کہ اسحاق کے گھر میں بہت سارا زیور ہے اور وہ فلاں ٹرنک میں رکھا جاتا ہے۔ واردات کی رات جنت ظاہری طور پر سوئی ہوئی تھی لیکن وہ پوری طرح بیدار تھی۔ باقی سب سوئے ہوئے تھے۔ آدھی رات بعد جنت کو بلی کی ہلکی سی میاؤں سنائی دی۔ وہ دبے پاؤں اٹھی اور ڈیوڑھی میں جا کر بڑے دروازے کی زنجیر کھول دی۔ خود آ کر لیٹ گئی۔

تین آدمی اندر آئے اور انہوں نے جو کچھ کیا وہ میں نے آپ کو سنا دیا ہے۔ اب جنت نے اس گھر سے بھاگنا تھا لیکن اتنی جلدی نہیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ کہتی تھی کہ وہ بھاگنا نہیں چاہتی تھی۔ اس کو یہ باعزت زندگی پسند آ گئی تھی۔

اپنے قبیلے کے بارے میں اس نے بتایا کہ واردات سے دو دن پہلے قبیلہ جہاں ٹھہرا ہوا تھا وہاں سے آٹھ نو میل دور چلا گیا تھا۔ جنت کو وہ جگہ بتا دی گئی تھی جو اس نے مجھ کو بتا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دی۔اس نے ان تین آدمیوں کے نام بھی بتا دیئے جنہوں نے ڈکیتی کی واردات کی تھی۔

''اب میری ایک بات غور سے سنیں''۔۔۔اس نے کہا۔۔۔''میں نے آپ کو ساری بات سنا دی ہے۔یہ بات اسحاق کو بھی اور سب کو معلوم ہو جائے گی۔پھر آپ جانتے ہیں کہ میرا انجام کیا ہوگا۔میں آپ کے ساتھ ایک سودا کرتی ہوں۔مجھ کو موقع دیں کہ میں یہاں سے غائب ہو جاؤں۔کل صبح وہاں پہنچ جانا جہاں ہمارا ڈیرہ ہے۔رقم ابھی بتا دو۔وہاں سے نقد مل جائے گی.....اگر اعتبار نہیں تو دوسرا کام کرو۔مجھ کو اپنے گھر پہنچا دو اور کہہ دو کہ لڑکی غائب ہوگئی ہے۔مجھ کو جتنے دن چاہو اپنے گھر رکھو۔ہمارے ڈیرے پر اطلاع کر دینا۔تم کو رقم گھر میں مل جائے گی اور میں چلی جاؤں گی''۔

میں نے ایسی باتیں کیں جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ مجھ کو اس کا سودا قبول ہے لیکن میں ڈرتا ہوں۔

''میری قیمت کا اندازہ کیا آپ نے؟''۔۔۔اس نے کہا۔۔۔''تین سو روپیہ ایک رات.....ایک نواب لے گیا تھا مجھے اور اس نے منتیں الگ کی تھیں''۔

''میں کہاں کا نواب ہو جتے!''۔۔۔میں نے جعلی آہ بھر کر کہا۔۔۔''تم فکر نہ کرو۔میں تمہارا بالکل صحیح بندوبست کر دوں گا۔جن کا مال گیا ہے وہ میرے کوئی مامے چاچے تو نہیں لگتے۔تم میرے ساتھ آؤ''۔

میں نے پچھلے دروازے سے اس کو باہر لے جا کر ایک کمرے میں بٹھا دیا اور کانسٹیبلوں کا اس پر پہرہ لگا دیا۔رات کا وقت تھا۔جنت نے وہ جگہ مجھ کو بتا دی تھی جہاں اس کا قبیلہ ٹھہرا ہوا تھا۔وہ جگہ دوسرے تھانے میں تھی۔میں نے اس تھانے کو بذریعہ ٹیلیفون اطلاع دی۔وہاں کوئی ہیڈ کانسٹیبل بول رہا تھا۔میں نے اس پوچھا کہ اس کے علاقے میں کہیں باورپہ خانہ بدوش ڈیرہ ڈالے ہوئے ہیں۔اس نے کہا کہ ان کا یہ ڈیرہ چار پانچ دنوں سے آیا ہوا ہے اور اس کو جگہ معلوم ہے۔میں نے اس کو بتایا کہ میں گاڑ ساتھ لا رہا ہوں اور وہ ایس ایچ او کو جگا کر بتائے کہ مجھ کو اس کے تھانے کے کم از کم آٹھ کانسٹیبلوں کی ضرورت ہے۔

اس قسم کی ضرورت پوری کرنے کے واسطے پولیس کا ایک خاص طریقۂ کار ہوتا ہے جواب بھی ہے لیکن اس میں وقت لگتا تھا اور ملزمان کہیں سے کہیں جا پہنچتے تھے۔فوراً

کارروائی کے واسطے تھانیدار ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے تھے۔مجھ کو اس قسم کا تعاون مل گیا۔میں نے تانگے منگوائے۔یہ لوگ گھروں میں سوئے ہوئے تھے۔تھانے میں سب کو معلوم تھا کہ تانگہ بان کہاں کہاں رہتے ہیں۔میں نے آٹھ کانسٹیبل بمع ایک ہیڈ کانسٹیبل کے رائفلوں سے مسلح ساتھ لیے اور روانہ ہو گیا۔

کوئی زندہ نہ رہے

کہانی آگے چلانے سے پہلے میں آپ کو اس خانہ بدوش قبیلے کے بارے میں کچھ معلومات دے دوں۔یہ بہت ضروری ہیں ورنہ آپ اس بات کو پوری طرح سمجھ نہیں سکیں گے۔انڈیا میں اب بھی یہ قبیلے موجود ہیں اور ان کا پیشہ جرائم ہے۔انگریزوں کے زمانے میں چند ایک قبیلے جو خانہ بدوش ہوتے تھے، جرائم میں مشہور تھے بلکہ ان کو سرکاری شہرت حاصل تھی۔ان میں بعض کے نام آپ کو بتاتا ہوں۔آہیر، سانسی، باورپہ، نٹ اوڈ وغیرہ۔یہ میں نے آپ کو تھوڑے نام بتائے ہیں۔سارے انڈیا میں ایسے کئی قبیلے تھے۔ان میں کچھ ایسے تھے جو سارے ملک میں گھومتے پھرتے رہتے تھے۔چند ایک ایسے تھے جو محدود سے علاقے میں یعنی صوبوں کے اندر گھومتے پھرتے تھے۔

ان میں سے ہر ایک قبیلہ الگ الگ جرائم میں مشہور تھا۔انگریزوں نے ان کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا ہوا تھا اور پولیس والوں کو بتایا جاتا تھا کہ کون سا قبیلہ کون سے جرائم کرتا ہے۔ایسا کوئی قبیلہ جب کسی علاقے میں آ کر ڈیرہ ڈالتا تھا تو اس علاقے کا تھانہ چوکس ہو جاتا تھا۔یہ لوگ آبادیوں سے تھوڑا دور اپنے خیمے گاڑتے تھے۔ان کے پاس رکھوالی والے خونخوار کتے ہوا کرتے تھے۔یہ لوگ خود بھی خونخوار ہی تھے۔اگر ان کے ڈیرے میں سے کسی ملزم کو پکڑنا ہوتا تو یہ لوگ پولیس کے راستے میں ایسی رکاوٹ کھڑی کر دیتے تھے کہ بڑے مضبوط دل گردے والا تھانیدار بھی پیچھے ہٹ آتا تھا۔یہ رکاوٹ اس طرح ہوتی تھی کہ یہ لوگ جب پولیس کو اپنے ڈیرے کی طرف آتا دیکھتے تھے تو ان کی تمام عورتیں جن میں نوجوان لڑکیاں بھی شامل ہوتی تھیں۔تمام کپڑے اتار کر بالکل ننگی ہو جاتیں اور پولیس کے سامنے آ کر ناچنے لگتی تھیں۔

یہ منظر ایسا ہوتا تھا کہ کوئی تھانیدار آگے نہیں بڑھتا تھا۔یہ برہنہ عورتیں ناچتے ناچتے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پولیس کو گھیرے میں لے لیتیں اور بڑی بیہودہ حرکتیں کرتی تھیں۔ پولیس کو دل گردہ مضبوط کر کے ان پر ہاتھ ڈالنا ہوتا تھا۔ ان لوگوں کے پاس موٹے بانس ہوتے تھے۔ چوری کا مال مثلاً رقم اور زیورات وہ ان بانسوں میں چھپا دیتے تھے۔ پھر مرد بھی چمگادڑوں کی طرح شور وغل بپا کر دیتے جیسے ان پر بڑا سخت ظلم اور تشدد ہو رہا ہو۔ یہ ان کا پولیس مقابلے کا طریقہ تھا۔ بعض نوجوان لڑکیاں برہنہ حالت میں پولیس کے آدمیوں کے ساتھ لپٹ جاتی تھیں۔

اسحاق کے گھر ڈکیتی کی واردات کرنے والا قبیلہ باوریہ کہلاتا تھا۔ یہ لوگ ڈکیتی، حیران کن طریقے سے گھروں میں داخل ہونے اور بھیس بدل کر اپنی شناخت چھپانے میں مہارت رکھتے تھے۔ یہ لوگ رسہ گیری (مویشی چوری) بھی کرتے تھے۔ ان کی عورتیں آبادیوں میں جا کر چوڑیاں بیچتی یا نوکری تلاش کرتی تھیں اور اس طرح گھر بھیدی بن کر ڈکیتی کی وارداتیں کراتی تھیں۔

اس قبیلے نے جنت کو جس طرح استعمال کیا تھا یہ بھی اس کا خصوصی طریقۂ واردات تھا۔ کبھی کبھار کسی بچی کو اغوا کر لینا بھی ان کے جرائم میں شامل تھا۔ جنت نے جس طرح اپنے آپ کو میرے حوالے کیا تھا یہ اس قبیلے کے واسطے کوئی خاص بات نہیں تھی بلکہ یہ ان کے طریقۂ واردات میں شامل تھا۔ اگر میں اس کا یہ سودا قبول کر لیتا تو یہ لوگ مجھ کو دھوکہ نہ دیتے۔ میں ان کی لڑکی کو بھی چند دن رکھتا اور ان سے مرضی کی رقم بھی وصول کر لیتا اور یہ لوگ پوری دیانتداری سے مجھ کو رقم دے جاتے۔

میری کوشش یہ تھی کہ میں رات رات ہی ان کے ڈیرے پر جا پڑوں۔ دن کے وقت یہ لوگ میرے واسطے مصیبت بن جاتے۔ اس علاقے کے تھانے تک سڑک پکی تو نہیں تھی لیکن راستہ بڑا صاف تھا۔ تانگوں نے بڑے اچھے وقت پر دوسرے تھانے میں پہنچا دیا۔ وہاں کانسٹیبل تیار تھے۔ باوریوں کا ڈیرہ وہاں سے ایک میل سے کچھ زیادہ فاصلے پر تھا۔

وہاں تک میں اس تھانے کے آدمیوں کی رہنمائی میں پہنچا۔ وقت فجر کی اذان کا تھا۔ ابھی اندھیرا تھا۔ میں نے اپنی نفری کو ہدایت دے دی تھی کہ چھاپہ کس طرح مارنا ہے۔ میں نے صاف لفظوں میں کہا تھا کہ ان کی کوئی عورت اس طریقے سے سامنے آئے جس طرح میں نے اور بیان کیا ہے تو گھونسہ، ٹھڈا یا رائفل کا بٹ مار کر اوندھا کر دو۔ میں اس کو

ظلم نہیں سمجھتا تھا۔ یہ لوگ مجرم تھے۔ میں نے ملزم پکڑنے تھے۔

ان کے کتوں نے ہمارا استقبال کیا۔ یہ کتے بھیڑیوں کی طرح ہماری طرف آئے۔ میں نے دو کانسٹیبلوں کو کہا کہ دو تین راؤنڈ ہوائی فائر کرو۔ ان کا ڈیرہ سویا ہوا تھا۔ ان کے ڈیرے کی آبادی ڈیڑھ سو سے شاید ذرا زیادہ تھی۔ جس میں بچے اور عورتیں بھی شامل تھیں۔ کتوں کے بھونکنے سے اور چھ سات گولیاں چلنے سے سارا ڈیرہ جاگ اٹھا اور ایسی چیخ و پکار شروع ہو گئی کہ اپنی آواز اپنے آپ کو بھی نہیں سنائی دیتی تھی۔ ان لوگوں کو معلوم تھا کہ پولیس آ گئی ہے اور انہوں نے کیا کرنا ہے۔

میں نے بڑی اونچی آواز میں کہا کہ جو کوئی جہاں ہے وہاں خاموشی سے کھڑا ہو جائے ورنہ میں گولی چلا دوں گا۔ ڈیرے کو میں نے گھیرے میں لے لیا تھا۔ کتے بھونک رہے تھے اور بار بار حملہ کرنے کے واسطے آتے تھے۔ ان کی تعداد سات آٹھ تھی۔ کہیں سے مجھ کو اس طرح آواز ایک آدمی کی اور ایک کتے کی آئی جیسے کتے نے اس پر حملہ کر دیا ہو۔ اس کے ساتھ ہی رائفل کی گولی چلی کتے کا واویلا بلند ہوا اور ختم ہو گیا۔ میں سمجھ گیا کہ کسی کانسٹیبل نے ایک کتے کے گولی مار دی ہے۔

''تم لوگ پولیس کے گھیرے میں ہو''۔۔۔ میں نے اعلان کیا۔۔۔ ''کسی نے بھاگنے کی کوشش کی تو گولی سے مارا جائے گا''۔

شور شرابہ کچھ کم ہو گیا تھا۔ میں نے بلند آواز سے کہا کہ قبیلے کے دو چار بڑے میرے پاس آ جائیں۔ اس کے ساتھ ہی میں نے یہ اعلان بھی کیا کہ عورتیں الگ ہو کر بیٹھ جائیں ورنہ میں ان کو مروا دوں گا۔

میرا یہ اعلان سنتے ہی کئی عورتیں میری آواز پر دوڑی آئیں اب تھوڑی دور سے کچھ نظر آ جاتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ سب ننگی تھیں اور اسی طرح ننگی گالیاں دے رہی تھیں۔ میں ذہنی طور پر اس کے واسطے تیار تھا۔ میں نے ریوالور نکال لیا اور میرے قریب جو دو کانسٹیبل کھڑے تھے ان کو کہا کہ وہ دو راؤنڈ ہوا میں فائر کریں۔ انہوں نے فائرنگ کی۔ اس کے ساتھ ہی میں نے بھی ریوالور سے دو گولیاں فائر کر دیں۔ عورتیں غائب ہو گئیں۔

''حملہ کر دو''۔۔۔ میں نے حکم دیا۔۔۔ ''کوئی زندہ نہ رہے''۔

میرا یہ حکم صرف لفظی تھا۔ مجھ کو اتنا اختیار حاصل نہیں تھا کہ میں حملے جیسا تشدد کرتا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں نے پہلے ہی اپنی گارد کو بتا دیا تھا کہ میں یہ حکم دوں گا تو وہ دوڑ کر ان کے خیموں پر رائفل کے بٹ ماریں اور ایسا شور شرابہ کریں جیسے وہ کسی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

میرا یہ پھوکا حملہ کامیاب رہا۔ ان کی طرف سے آواز آئی کہ پہلے بڑوں سے بات کرلو۔ ادھر میں نے حکم دیا کہ حملہ روک لو۔

دو تین منٹ بعد تین چار معمر خانہ بدوش میرے سامنے کھڑے تھے۔

عورتیں جو برہنہ ہوگئی تھیں

''تم نے جنت کے ذریعے جو واردات کرائی ہے وہ مال اور ملزم میرے حوالے کر دو''۔۔۔ میں نے کہا۔

وہ خاموشی سے میرے منہ کی طرف دیکھتے رہے۔

''اب تمہاری کوئی استادی نہیں چلے گی''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''میں حکم لے کر آیا ہوں کہ تم لوگ گڑبڑ کرو تو تم پر گولی چلا دی جائے۔ میں تم پر رحم کروں گا گولی نہیں چلاؤں گا، لیکن تمہارے خیمے اکھاڑ دوں گا اور ضرورت پڑی تو آگ لگا دوں گا۔ مال برآمد کر کے چھوڑوں گا''۔

مجھ کو یقین تھا کہ مال ابھی محفوظ ہے۔ واردات کو ایک دو دن ہی ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے ابھی زیورات کو توڑنا تھا۔ پھر شہر جا کر خاص قسم کے سناروں کو دینا تھا۔ میں نے ان تینوں کو چپ دیکھا تو ایک کے منہ پر پوری طاقت سے گھونسہ مارا۔ وہ تھا تو میرے دادا کی عمر کا لیکن وہ مجرم تھا۔ انہوں نے معلوم نہیں کیا کیا ظلم کیے تھے۔

تھوڑی اور جھک جھک اور بک بک کے بعد وہ چوری کا مال برآمد کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ ان کا ایک بڑا مجھ کو الگ لے گیا اور اس نے مجھ کو وہی پیش کش کی جو جنت پہلے ہی کر چکی تھی۔ اس سے مجھ کو یہ پتہ لگا کہ جنت کو ان لوگوں نے ہی بتایا تھا کہ وہ پکڑی جائے تو یہ سودا کرے۔

''میں جو کچھ کر رہا ہوں دکھاوے کے لیے کر رہا ہوں''۔۔۔ میں نے اس کے ساتھ جھوٹ بولا اور کہا۔۔۔ ''مال اور ملزم مجھ کو دے دو۔ ان کو بری کرانا میرا کام ہے۔ میں نے کچھ کارگزاری تو دکھائی ہے۔ میں تم لوگوں سے زیادہ پیسے نہیں لوں گا''۔

یہ لوگ اتنے سیدھے نہیں تھے کہ میرے جھانسے میں آ جاتے۔ جرم کرنا اور پولیس کو انگلیوں پر نچانا ان کے آباؤ اجداد کا پیشہ تھا۔ مجھ کو یہ لوگ کیا سمجھتے تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ مال برآمد ہو گیا اور ملزم پولیس کے حوالے ہو گئے تو پھر کوئی سودا کام نہیں کرتا۔ میں نے دیکھا کہ یہ آدمی میری بات پر نہیں آ رہا تھا۔

''تمہاری لڑکی میرے قبضے میں ہے''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''لڑکی کا خریدار میرے قبضے میں ہے۔ میں تم سے تین ملزم مانگ رہا ہوں۔ نہیں دو گے تو میں یہاں سے تین درجن آدمی پکڑ کر لے جاؤں گا۔ اگر مجھ سے رعایت چاہتے ہو تو جس طرح میں کہتا ہوں اس طرح کرو''۔

مجھ کو اپنی طاقت کا تھوڑا اور اظہار کرنا پڑا۔ میرے ساتھ نفری بہت تھی اور میں نے ان کو یہ بھی دکھا دیا تھا کہ میں گولی چلا سکتا ہوں۔ وہ مال برآمد کرنے پر آ گئے۔

ایک بانس میں سے جو ظاہری طور پر کسی اوزار کے واسطے لگتا تھا انہوں نے کچھ زیورات نکالے۔ ایک بوڑھا کہنے لگا کہ بس یہی مال ہے۔ بوڑھا میرے قریب کھڑا تھا۔ میں ذرا سا پیچھے ہٹا اور اس کی گردن پر لاٹھی کی طرح اپنا بازو مارا۔ وہ منہ سے عجیب سی آواز نکال کر آگے کو گرا۔ میں نے حکم دیا۔۔۔ ''مارو سالوں کو''۔۔۔ میرے ساتھ جو تین چار کانسٹیبل تھے انہوں نے اپنے قریب کھڑے خانہ بدوشوں کو رائفلوں کے بٹوں اور گھونسوں سے پیٹنا شروع کر دیا۔

''میں سارا مال مانگ رہا ہوں''۔۔۔ میں نے کہا۔

مجھ کو معلوم تھا کہ زیور کتنا گیا ہے۔ وہ مجھ کو تھوڑی سی چیزیں دے رہے تھے۔ روشنی صاف ہو گئی تھی۔ میں نے ایک طرف دیکھا۔ وہاں وہ عورتیں کھڑی تھیں جو برہنہ ہو گئی تھیں۔ وہ شاید میرے رویے کو دیکھ کر اپنے کسی بڑے کے اشارے پر کپڑے پہن رہی تھیں۔

اسی طرح کچھ مار پٹائی کی، کچھ جھوٹی سودا بازی کی اور بہت پریشان ہو کر ان سے سارا مال برآمد کرایا۔ رقم بھی انہوں نے دے دی اور پھر انہوں نے تینوں ملزم میرے سامنے کھڑے کر دیئے۔ دو آدمی مجھ کو الگ لے گئے۔

''حضور!''۔۔۔ ایک نے کہا۔۔۔ ''آپ ہمارے ڈیرے پر آئے ہیں۔ خدمت کا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

موقع دیں۔ یہاں سے خالی ہاتھ نہ جائیں''۔

اس نے عورتوں کی طرف اشارہ کیا اور بولا۔۔۔ ''جیسا مال چاہیں حاضر ہے۔ ہم اپنے وعدے پر قائم رہیں گے۔ آپ اپنا وعدہ یاد رکھنا''۔

ایسی باتیں تو بہت ہوئی تھیں۔ میں آپ کو کیا کیا سناؤں۔ میں تینوں ملزموں و بمع مال مسروقہ اپنے ساتھ لے آیا۔ یہ برآمدگی باقاعدہ ہونی چاہئے تھی لیکن میں نے کوئی مشیر نامہ وغیرہ تحریر نہ کیا۔ بعض حالات میں ایسے کاغذات بعد میں بھی تیار کر لیے جاتے ہیں۔

میں نے راستے میں ملزموں کو کہا کہ وہ تھانے پہنچتے ہی بڑے آرام سے اقبالی بیان دے دیں جس پر وہ تیار معلوم ہوتے تھے بلکہ راستے میں ہی انہوں نے یہ اعتراف کر لیا کہ انہوں نے یہ واردات کی ہے۔

جنت کا سودا

میں جب اپنے تھانے میں پہنچا تو دن کے دو اڑھائی بج رہے۔ تینوں میں سے ایک کو میں نے الگ کر لیا اور اپنے کمرے میں لے جا کر اس کو کہا کہ وہ اپنا بیان دے۔ اس نے بیان دینا شروع کر دیا۔ یہ میں آپ کو اپنے لفظوں میں سنا دیتا ہوں۔

جنت کو ان لوگوں نے بچپن میں کہیں سے اغوا کیا تھا۔ میں نے اس پر زیادہ زور نہ دیا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ میرے پاس اغوا کی کوئی رپورٹ نہیں تھی۔ یہ لوگ کبھی کبھی کسی خوبصورت بچی کو اغوا کر کے پالتے تھے اور اس کو مختلف جرائم میں استعمال کرتے تھے۔ یہ لڑکیاں جب جوان ہوتی تھیں تو ان کی نظر میں عزت اور عصمت کی کوئی وقعت نہیں رہتی تھی نہ ان کے اندر کوئی جذبات ہوتے تھے جنت اسی قسم کی لڑکی تھی۔

اسحاق شکار پر جایا کرتا تھا۔ ایک بار اس نے ان لوگوں کے ڈیرے کے قریب سے گزرتے جنت کو دیکھ لیا اور اس نے یہ سمجھ کر کہ یہ لوگ عصمت فروش بھی ہوں گے جنت کو اشارے کیے۔ جنت ہوشیار لڑکی تھی۔ اس نے جان لیا کہ یہ شکاری بڑا اچھا شکار معلوم ہوتا ہے۔ اس نے اشاروں کا جواب اشاروں سے دیا۔ اسحاق اس کے قریب گیا تو جنت نے ایسی ایکٹنگ کی جیسے وہ اسحاق کو دل دے بیٹھی ہو۔

''پھر کب آؤ گے؟''۔۔۔ جنت نے اسحاق سے پوچھا۔

''کہو تو کل ہی آ جاؤں''۔۔۔ اسحاق نے جواب دیا۔

''مجھ کو رنڈی سمجھ کر نہ آنا''۔۔۔ جنت نے کہا۔۔۔ ''اگر شادی کا ارادہ ہے تو آ جانا۔ تم میرے دل کو بہت اچھے لگتے ہو''۔

جنت نے ایسی باتیں کیں کہ اسحاق کو یہ دنیا جنت نظر آنے لگی۔ وہ دوسرے دن پھر وہاں جا پہنچا۔ جنت نے اپنے آدمیوں کو بتا دیا تھا کہ ایک شکاری جوان پھنس رہا ہے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ جس آدمی کے پاس دو نالی بندوق ہے وہ امیر آدمی ہوگا۔ اس ملاقات میں اسحاق جنت کے جال میں آ گیا۔ جنت کے آدمیوں نے بھی اسحاق کو دور سے دیکھا۔

دو یا تین اور ملاقاتوں کے بعد جنت نے اسحاق کو بتایا کہ وہ اگر چار پانچ ہزار روپیہ رقم کا انتظام کر لے تو وہ جنت کو ساتھ لے جا سکتا ہے۔

''میرے بابا سے آج ہی بات کر لو''۔۔۔ جنت نے اس کو کہا۔۔۔ ''میں نے بابا کو بڑی مشکل سے منوایا ہے۔ یہ ہمارے قبیلے کا رواج ہے کہ نقد رقم لے کر شادی کے واسطے لڑکی دے دیتے ہیں''۔

اسحاق اس قبیلے کے ایک بزرگ سے ملا۔ بزرگ نے اس پر اثر ڈالنے کے لیے کہا کہ وہ پانچ ہزار پر اپنی لڑکی دے دے گا لیکن شرط یہ ہے کہ اس نے لڑکی کو لے جا کر دو دنوں کے اندر شادی نہ کی تو وہ اسحاق کو ایسے طریقے سے قتل کریں گے کہ کسی کو قاتل کی خبر بھی نہیں ملے گی۔

''ہم بدکار لوگ نہیں''۔۔۔ بوڑھے نے کہا۔۔۔ ''ہمارا بھی کوئی دین دھرم ہے''۔

اسحاق کے ساتھ اس کے یہ دونوں دوست تھے۔ انہوں نے سودا بازی شروع کی تو تین ہزار پر سودا طے ہو گیا۔ چار پانچ روز بعد اسحاق دونوں دوستوں کے ساتھ رقم لے کر گیا اور لڑکی کو لے آیا۔ ان لوگوں کے کہنے پر اسحاق شام کے بعد گیا تھا۔

اس باورچی نے اپنے بیان میں مجھ کو بتایا کہ جنت کو انہوں نے پورا کام سمجھا دیا تھا۔ اس کو انہوں نے پوری ٹریننگ دی ہوئی تھی۔ اتفاق سے جنت کی عقل بڑی تیز تھی۔ اسحاق نے ایک دو دنوں بعد اس کے ساتھ شادی کر لی اور اس قبیلے کی ایک عورت جو

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

چوڑیاں بیچتی تھی جنت کے پاس جانے لگی۔ اس عورت نے ایک روز اپنے قبیلے میں آ کر بتایا کہ جنت نے ڈکیتی کے واسطے فلاں رات اور فلاں وقت بتایا ہے۔ یہ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ اس عورت کو جنت نے اسحاق کے گھر کے کمرے بھی دکھا دیئے تھے اور زیورات والے ٹرنک کا رنگ اور نشانیاں بھی بتا دی تھیں۔ واردات کے واسطے جو اشارہ مقررہ ہوا وہ بلی کی ''میاؤں'' تھی۔

ان لوگوں کو یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ مکان میں داخل ہونے کا کوئی اور راستہ نہیں۔ دروازہ جنت نے کھولنا تھا۔ تین آدمی کلہاڑیوں سے مسلح ہو کر گئے۔ ایک نے اسحاق کے گھر کے بڑے دروازے کے کواڑوں کے درمیان منہ رکھ کر بلی کی آواز نکالی۔ جیسا کہ جنت نے اپنے بیان میں کہا تھا۔ وہ جاگ رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر زنجیر کھول دی۔ یہ تو میں آپ کو سنا چکا ہوں کہ انہوں نے یہ واردات کس طرح کی۔ اس شخص نے یہ بھی بتایا کہ انہوں نے سارے ٹرنکوں کے تالے اس واسطے توڑے تھے اور ان میں سے سامان نکال کر بکھیرا تھا کہ پولیس کو یہ شک نہ ہو کہ یہ واردات کسی گھر بھیدی نے کروائی ہے۔

''کیا جنت نے اسحاق کے گھر سے بھاگ جانا تھا؟'' ــــ میں نے پوچھا۔

''لیکن اتنی جلدی نہیں'' ــــ اس نے جواب دیا ــــ ''اگر جنت فوراً بھاگ آتی تو اسحاق پولیس کو سیدھا ڈیرے پر لے آتا۔ ہم جہاں بھی ہوتے آپ ہم کو ڈھونڈ لیتے۔ جنت نے ایک مہینے کے بعد بھاگنا تھا''۔

''وہ بھاگ جاتی تو بھی اسحاق پولیس کو تمہارے ڈیرے پر لے آتا''۔

''اگر ایسا ہوتا تو ہم آپ کو دکھاتے کہ ہم کیا کرتے ہیں'' ــــ اس نے کہا اور ہنس پڑا ــــ ''اسحاق کو اپنی ہوش نہ رہتی''۔

''تم نے اتنی بڑی واردات کا اقبال کر لیا ہے'' ــــ میں نے اس کو کہا ــــ ''چھوٹی سی ایک اور واردات کا اقبال کر لو''۔

''وہ کون سی؟''

''تم تینوں نے ایک ساہوکار کے گھر واردات کی ہے'' ــــ میں نے کہا ــــ ''اسی گاؤں میں''۔

وہ حیران ہو رہا تھا اور پوچھتا تھا کہ اس واردات میں کیا ہوا تھا۔ میں نے اس کو

بتایا۔

''جناب! آپ کیا بات کر رہے ہیں!'' ــــ اس نے کہا ــــ ''کیا ہم تین آدمی ساہوکار کے گھر صرف آٹھ ہزار روپیہ لینے گئے تھے؟ ہم ہوتے تو اس کا گھر خالی کر کے آتے۔ یہ کوئی اناڑی تھے ہم بڑی وارداتیں کرتے ہیں۔ ہماری عورتیں چھوٹی چھوٹی چوریاں کرتی ہیں''۔

میں نے اس کی بات مان لی۔ ساہوکار کے گھر کی واردات کسی استاد کی یا کسی پیشہ ور کی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کا مجھ کو ایک کوئی فکر بھی نہیں تھا۔ ساہوکار میرے سر سے ٹل گیا تھا۔

اس باوریے کے دوسرے دونوں ساتھیوں نے بھی اقبالی بیان دے دیئے۔ جنت کا بیان تو میں پہلے لے چکا تھا۔

وہ تو مر رہا تھا

ان سب کے بیان رات کو ختم ہوئے۔ میں نے ان کو حوالات میں بند کر دیا۔ دوسرے دن ان کو مجسٹریٹ کے پاس لے جا کر ان کے اقبالی بیان تحریر کروانے تھے۔ میں گھر جا کر سو گیا۔ میں نے اس کی پروانہ کی کہ اسحاق اور اس کے دونوں دوست تھانے میں بیٹھے ہیں۔ اسحاق اگر مجھ کو پہلے ہی بتا دیتا کہ اس نے جنت کو خانہ بدوشوں سے خریدا ہے تو میں فوراً سمجھ جاتا کہ یہ واردات اس لڑکی نے کرائی ہے۔

مجھ کو اسحاق کے دوستوں پر اور زیادہ غصہ تھا۔ انہوں نے بھی جنت کی اصلیت مجھ سے چھپائی اور میرے آگے جھوٹ بولا۔ میں نے اپنا غصہ اس طرح نکالا کہ ان کو تھانے میں بیٹھے رہنے دیا۔ ان کے ساتھ میں نے صبح بات کرنی تھی۔ اس غصے کے علاوہ انہوں نے اپنے خلاف شبہ پیدا کر دیا تھا۔

میں صبح جب تھانے میں داخل ہوا تو اسحاق میرے پاس دوڑتا آیا اور مجھ سے پوچھنے لگا کہ میں نے اس کو کل سے تھانے میں کیوں بٹھایا ہوا ہے۔

''اس واسطے کہ تم نے میرے آگے اس خانہ بدوش لڑکی کے بارے میں جھوٹ بولا تھا'' ــــ میں نے غصے سے کہا ــــ ''میں تمہارا پورا بیان لوں گا کہ تم نے جھوٹ کیوں بولا ہے۔ تم نے جرم کیا ہے'' ــــ میں نے ایک کانسٹیبل کو آواز دی اور اس کو کہا ــــ ''س

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اپنے پاس بٹھاؤ اور اِدھر اُدھر مت جانے دو''۔

وہ ہٹا تو اس کا ایک دوست آ گیا اور اس نے وہی بات کی کہ میں نے اس کو خواہ مخواہ بٹھایا ہوا ہے۔ میں اس کو اندر لے گیا اور اس سے پوچھا کہ اس نے جنت کے بارے میں جھوٹ کیوں بولا تھا۔

''اسحاق نے کہا تھا کہ صحیح بات بتانے سے اس کی عزت خراب ہوگی''۔۔۔ اس نے کہا۔

''تم بکواس کرتے ہو''۔۔۔ میں نے اس پر غصہ نکالنا شروع کر دیا۔۔۔ ''بات کچھ اور ہے۔ تم لوگوں نے ایک جرائم پیشہ لڑکی پر کسی خاص وجہ سے پردہ ڈالنے کی کوشش کی تھی..... پھر تم نے یہ کہا کہ اسحاق اس لڑکی کو اس کے گاؤں سے لانے گیا تھا اور تم فلاں جگہ کھڑے تھے۔ تمہارے دوست نے ایک اور جگہ بتائی۔ تم نے تفتیش کو خراب کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں تم کو اس جرم کی سزا دلاؤں گا''۔

وہ میری منتیں کرنے لگا۔ اس کی زبان اس کے قابو سے نکل گئی۔ اس کو کچھ سمجھ نہیں آتی تھی کہ جواب دے۔

''ایک طرف تم اسحاق کے دوست بنے ہوئے ہو اور دوسری طرف تمہارا اس کے ساتھ لڑائی جھگڑا ہے''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''مجھ کو بتاؤ کہ یہ چکر کیا ہے''۔

''میرا اس کے ساتھ کوئی لڑائی جھگڑا نہیں ہے''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''میرے ساتھ والے کی اسحاق کے ساتھ بول چال بھی بند ہوگئی ہے۔ میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ میری غلطی معاف کر دیں''۔

میں اس کو بہت پریشان کر کے معاف کرنا چاہتا تھا۔ ان دونوں کا اسحاق کے ساتھ لڑائی جھگڑا تھا یا نہیں، میرا اس کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں تھا۔ میں ان کو ڈرا رہا تھا۔ اس شخص کو میں نے پریشان کر کے کانسٹیبل کے حوالے کر دیا اور اس کے ساتھی کو بلایا۔

اس پر بھی میں نے خوب غصہ جھاڑا اور اس کو بھی وہی دھمکیاں دیں جو اس کے دوست کو دی تھیں۔

''اب یہ بتاؤ کہ اسحاق کے ساتھ تمہاری بول چال کیوں بند ہے؟''۔۔۔ میں نے پوچھا اور یہ بھی کہا۔۔۔ ''تمہارا دوست مجھ کو وجہ بتا چکا ہے۔ اب دیکھتا ہوں تم کیا کہتے

ہو''۔

یہ لوگ کل سے تھانے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی رات بھی ادھر ہی گزری تھی۔ ایک تو تھانے کا خوف تھا، اس کے ساتھ بے آرامی تھی اور یہ ڈر بھی کہ معلوم نہیں تھانیدار اور کیا پوچھے گا۔ ان کی حالت بہت خراب تھی۔ اب اسحاق کے جس دوست کو میں نے اپنے سامنے بٹھایا ہوا تھا، اس سے اسحاق کے ساتھ لڑائی جھگڑے کی وجہ پوچھی تو اس کی حالت اور زیادہ خراب ہوگئی۔ اس کے ہونٹ گھبراہٹ کی شدت سے سفید ہو گئے۔

''میرے دوست نے آپ کو کیا بتایا ہے؟''۔۔۔ اس نے پوچھا۔

''مجھ پر کوئی سوال نہ کرو''۔۔۔ میں نے غصے سے کہا۔۔۔ ''میرے سوال کا جواب دو''۔

اس کی تو زبان ہی بند ہوگئی۔ دو تین بار اس نے بولنے کی کوشش کی لیکن بول نہ سکا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر مجھ کو اور غصہ آ گیا۔ میں نے اس پر اس طرح غصہ جھاڑا جیسے اس نے کوئی سنگین جرم کیا ہو۔

''تمہارا اور اسحاق کا اور تمہارے دوست کا جرم معمولی نہیں''۔۔۔ میں نے غصے میں کہا۔

اس شخص کا حوصلہ جواب دے گیا۔ پہلے تو اس کے آنسو نکلے پھر اس کے ہونٹ کانپنے لگے اور میں نے اس کی آنکھیں دیکھیں جو بالکل سفید ہوگئی تھیں۔ یہ بے ہوشی کی نشانی ہوتی ہے۔ مجھ کو یہ تو اندازہ تھا کہ یہ نوجوان خوف سے مر رہا ہے لیکن یہ اندازہ نہیں ہوا کہ وہ سچ مچ مر رہا ہے۔ میں نے اس کو کندھے سے پکڑ کر ہلایا تو وہ سارا ہی ہل گیا اور اس کا سر اس طرح ہلا جیسے جسم کے ساتھ اس کا رشتہ ٹوٹ گیا ہو۔ اس نے بہت مشکل سے میری طرف دیکھا۔ میں نے اس کو ایک ایسا لفظ کہا جو تھانے میں بولا جاتا ہے لیکن کاغذات پر نہیں آتا۔

''جناب!''۔۔۔ اس کے منہ سے بہت کوشش سے جناب نکلا اور اس نے ہاتھ ہندوؤں کی طرح جوڑے، پھر اس کے ہونٹ کانپنے لگے۔ اس کے ہاتھ پہلے ہی کانپ رہے تھے۔

''حکم سرکار!''۔۔۔ میں نے کہا۔

''آپ..... آپ..... آپ!''۔۔۔ اس کی زبان اس کے قابو میں نہیں آ رہی تھی۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مزید کوشش سے اس نے پوچھا۔ ''آپ کسی کو وعدہ معاف گواہ..... کیا کہتے ہیں اس کو..... ہاں، سلطانی گواہ بنایا کرتے ہیں؟''

''تم سلطانی گواہ بننا چاہتے ہو؟'' ۔۔۔ میں نے ویسے ہی یہ بات کہہ دی۔ ان لوگوں کا جرم ایسا سنگین نہیں تھا، بلکہ مجھ کو ان دونوں جوانوں کی بطور گواہ ضرورت تھی۔ ان سے گواہی دلانی تھی کہ اسحاق نے جنت کو باوریوں سے خریدا تھا۔

''ہاں جی!'' ۔۔۔ اس نے کہا۔ ''مجھ کو سلطانی گواہ بنالیں اور سزا کی معافی دے دیں''۔

''بن گئے تم سلطانی گواہ'' ۔۔۔ میں نے کہا۔ ''ہوگئی معافی..... بولو''۔

''اب میں بیان دوں؟'' ۔۔۔ اس نے پوچھا۔

میں نے سمجھا کہ اس کے دماغ پر تھانے نے اور میرے غصے نے بہت بُرا اثر کیا ہے اور اب یہ اِدھر اُدھر کی ہوائیاں چھوڑ رہا ہے۔ میں نے اس کا تماشہ دیکھنے کے واسطے کہہ دیا کہ ہاں، بیان دو۔

وہ ساری رقم پی گیا

اس نے جب بیان کے پہلے لفظ نکالے تو مجھ کو یقین ہو گیا کہ اس کے دماغ کی کوئی ضروری رگ ماری گئی ہے۔

''وہ جو ہندو ساہوکار کے گھر ڈکیتی ہوئی تھی نا!'' ۔۔۔ اس نے کہا۔ ''وہ میں نے، اسحاق نے اور ہمارے اس دوست نے کی تھی جو یہاں تھانے میں ہے''۔

میں نے ایک کانسٹیبل سے پانی منگوا کر اس کو پلایا اور پوچھا کہ وہ حقہ سگریٹ پیتا ہے؟ میں اس کو نارمل حالت میں لانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''ہاں ہاں حضور!'' ۔۔۔ اس نے بلبلا کر کہا۔ ''کل سے حقے کا ایک سوٹا بھی نہیں ملا۔ سگریٹ پلا دو''۔

میں نے سگریٹ کا پیکٹ اور ماچس اس کے آگے رکھ دی۔ اس نے جھپٹ کر پیکٹ اور ماچس اٹھائی اور بڑی تیزی سے سگریٹ سلگا کر اتنا لمبا کش لیا کہ اسی ایک کش میں سگریٹ آدھا کر دیا۔

''تم ہوش حواس میں ہو؟'' ۔۔۔ میں نے پوچھا۔ ''جو کہہ رہے ہو اس کو سمجھتے ہو؟''

''ہاں جی!'' ۔۔۔ اس نے کہا۔ ''آپ نے مجھ کو سلطانی گواہ بنالیا ہے نا؟''

''بنالیا ہے یار! بنالیا ہے'' ۔۔۔ میں نے ذرا جھنجھلا کر کہا۔ ''لیکن تم ذرا ہوش کی بات کرو''۔

وہ اب ہوش میں آ گیا تھا۔ میں بھی ہوش میں آ گیا اور باقاعدہ طور پر اس کا بیان لینے لگا۔ اے ایس آئی کو بلا کر میں نے کہا کہ وہ تینوں باوریوں اور جنت کو مجسٹریٹ کے پاس لے جا کر اقبالی بیان ریکارڈ کرا لے مجھ کو کچھ کچھ یقین تھا کہ یہ پکے مجرم ہیں۔ یہ مجسٹریٹ کو اقبالی بیان نہیں دیں گے۔ مجھ کو اس کا غم نہیں تھا۔ میں مقدمہ مضبوط بنانے کا تجربہ رکھتا تھا۔

اے ایس آئی ان کو لے گیا۔ مجسٹریٹ درجہ اول جس کے پاس دفعہ 30 کے اختیارات تھے تیس میل دور ضلعے میں تھا۔ ملزموں کو ہتھکڑیوں میں وہاں لے جایا جا رہا تھا۔

میرے سامنے جو ملزم بیٹھا ہوا تھا میں نے اس کا بیان لیا۔ میں اس کو ذرا مختصر کر کے اسی کے لفظوں میں سناتا ہوں۔

''اسحاق تین بہنوں میں اکیلا بھائی ہے'' ۔۔۔ اس نے کہا۔ ''اس کو بہت پیار ملا ہے۔ باپ مر گیا تو جائیداد اس کو مل گئی۔ یہ اس طرح خراب نہیں ہوا جس طرح اکلوتے اور لاڈلے بیٹے خراب ہو جاتے ہیں۔ یہ آوارہ اور بدمعاش بھی نہیں ہوا، لیکن اس میں کچھ زیادہ دلیری اور بے خوفی پیدا ہو گئی۔ اس نے شکار کو اپنا شغل بنا لیا۔ میں اور نظام (دوسرا دوست) شروع سے ہی اس کے دوست تھے۔ سچی بات یہ ہے جی کہ اسحاق شاہ خرچ آدمی ہے یہ ہم دونوں کو کھلاتا پلاتا رہتا تھا۔ کبھی کبھار ہم کو شہر لے جا کر سینما اور تھیٹر دکھاتا تھا۔ ہمارے بغیر یہ کبھی شکار پر نہیں گیا تھا''۔

''کیا یہ بہت امیر باپ کا بیٹا ہے؟'' ۔۔۔ میں نے پوچھا۔

''نہیں'' ۔۔۔ اس نے جواب دیا۔ ''امیری والی کوئی بات نہیں۔ بس درمیانہ حیثیت سمجھ لیں۔ ماں سے جتنے پیسے مانگتا ہے وہ دے دیتی ہے۔ ایک روز ہم ایک اور طرف شکار کے واسطے نکل گئے۔ وہاں ہم نے خانہ بدوشوں کا ڈیرہ دیکھا۔ ان کی ایک بڑی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

خوبصورت لڑکی ہمارے قریب آ گئی۔ اسحاق نے کہا کہ اس لڑکی کو پھانسنے کی کوشش کرتے ہیں"۔

یہ لڑکی جنت تھی۔ یہ میں آپ کو جنت اور اس کے قبیلے کے تینوں آدمیوں کے بیانات میں سنا چکا ہوں کہ جنت کے ساتھ اسحاق کا تعلق کس طرح پیدا ہوا تھا اور اس نے جنت کو کس طرح خریدا تھا۔

"تین ہزار پر سودا ہو گیا"۔۔۔ اس نے بیان دیتے ہوئے کہا۔۔۔ "لیکن اسحاق کے پاس پورا پانچ سو روپیہ بھی نہیں تھا اس نے ہم کو بتایا تو ہم دونوں نے اس کو کہا کہ اتنی رقم کوئی نواب یا مہاراجہ ہی دے سکتا ہے، تم اس لڑکی کو دماغ سے اتار دو۔ یہ کہنے لگا کہ میں اپنی زمین بیچ کر بھی اس لڑکی کو حاصل کروں گا۔ یہ زمین نہیں بیچ سکتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اس کی ماں اس کے سر پر تھی اور اس کا تایا بھی تھا لیکن اسحاق کی حالت یہ تھی جیسے یہ اس لڑکی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکے گا۔ ہمارا چونکہ یہ جگری یار تھا اس واسطے یہ ہم کو تنگ کرتا تھا کہ کچھ کرو۔ ہم کو شرم دلاتا تھا کہ میں نے تم کو اتنا مال کھلایا ہوا ہے اور تمہارے ساتھ اتنا پیار ہے لیکن وقت پر تم میری کوئی مدد نہیں کرتے.....

"ہمارے دماغوں پر ایسا الٹا اثر ہوا کہ ہم یہ سوچنے لگے کہ اس کو رقم کہاں سے لا کر دی جائے۔ میرے دوست نظام کے دماغ میں ایک ترکیب آ گئی۔ اس نے اس ہندو ساہوکار کا نام لیا اور کہنے لگا کہ اس کے گھر میں اس کے سوا کوئی دوسرا مرد نہیں اور اس کے گھر میں داخل ہونے کا راستہ بھی آسان ہے۔ رات کو اس کے گھر میں داخل ہو کر ڈاکہ مارتے ہیں.....

"ہم تینوں نے اس ترکیب پر غور کیا تو میں نے ان کو مشورہ دیا کہ ہم پورا ڈاکہ نہیں ماریں گے۔ ساہوکار کو جگا کر کہیں گے کہ تین ہزار روپیہ ہمارے حوالے کر دہ۔ اسحاق نے کہا کہ ساہوکار سے اگر رقم اس طرح لینی ہی ہے تو تین ہزار سے زیادہ لیں گے۔ زیادہ اس واسطے لیں گے کہ اس میں سے کچھ رقم تم دونوں لے لینا اور کچھ رقم سے میں اس لڑکی کے واسطے زیور بنواؤں گا۔ ہم نے کہا کہ یہ ٹھیک ہے۔ اس طرح ہم نے یہ معاملہ پکا کر لیا۔ ہم نے یہ بھی سوچ لیا کہ دیوار کے اوپر سے ہم کس طرح اندر جائیں گے.....

"آدھی رات کے بعد کا وقت تھا۔ ہم تینوں ساہوکار کے گھر دیوار کے قریب پہنچ

گئے۔ میں دیوار کے ساتھ پیٹھ لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اسحاق نے میرے ہاتھوں پر پاؤں رکھے اور میرے کندھے پر چڑھ کر دیوار کے اوپر سے اندر کی طرف کود گیا۔ اس کے پاؤں میں جوتی نہیں تھی۔ اس نے اندر سے باہر والا دروازہ کھول دیا۔ ہم دونوں اندر گئے۔ ہمارے پاس کلہاڑیاں تھیں اور ہم نے منہ اور سر پگڑیوں میں لپیٹے ہوئے تھے۔ اسحاق نے ساہوکار کو جگایا۔ ہم نے اس کے گھر کی عورتوں کو جگایا اور کہا کہ کسی نے اونچی سانس لی تو اس کو کاٹ رکھ دیں گے۔ اسحاق نے ساہوکار کو کہا کہ آٹھ ہزار روپیہ نقد دے دو اور چپ کر کے سو جاؤ۔ ہم اور کچھ نہیں لوٹیں گے۔ ساہوکار پہلے تو منتیں کرنے لگا لیکن اس کو ہم نے ڈرایا تو اس نے بڑے آرام سے آٹھ ہزار روپیہ اسحاق کے حوالے کر دیا۔ پھر ہم وہاں سے نکل آئے"۔

"ساہوکار اور اس کی عورتوں نے تمہارے پیچھے شور نہیں مچایا؟"۔۔۔ میں نے پوچھا۔

"بہت جی!"۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ "انہوں نے ایسا شور مچایا کہ سارا گاؤں جاگ پڑا۔ اس کی مدد کے واسطے سب سے پہلے ہم تینوں پہنچے۔ ہم نے پگڑیاں اتار لی تھیں اور کلہاڑیاں ہمارے ہاتھوں میں تھیں۔ اس کی عورتیں بھی اس کے ساتھ باہر نکل آئی تھیں۔ ہم نے پوچھا کیا ہوا، کیا ہوا۔ ساہوکار کی تو زبان بھی لڑکھڑا رہی تھی۔ کبھی کہتا اِدھر گئے ہیں کبھی کہتا اُدھر گئے ہیں۔ پھر دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ گاؤں کے بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ ہم نے لوگوں کو ویسے ہی کہا کہ چور ابھی دور نہیں گئے ہوں گے۔ چلو اِدھر اُدھر دوڑو اور دیکھو۔ ہم تینوں ایک طرف کو دوڑ پڑے اور گاؤں کے آدمی ٹولیوں میں تقسیم ہو کر جدھر کو منہ آیا اُدھر کو دوڑے پھر سب باری باری واپس آ گئے"۔

"تم دونوں نے اپنا حصہ وصول کر لیا تھا؟"۔۔۔ میں نے پوچھا۔

"کہاں جی!"۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ "اسی پر تو ہماری دشمنی شروع ہوئی ہے"۔

"پھر کیا ہوا؟"۔۔۔ میں نے پوچھا۔۔۔ "پھر اس رقم سے اسحاق نے جنت کو خرید لیا؟"

"وہ دن گزرا اور رات کو ہم تینوں جنت کو لینے گئے"۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ "خانہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بدوشوں نے یہی وقت بتایا تھا۔ ہم نے تین ہزار روپیہ ادا کیا اور جنت ہمارے ساتھ آ گئی۔ پھر اس کی اسحاق کے ساتھ شادی بھی ہو گئی۔ تب ہم نے اسحاق سے کہا کہ باقی پانچ ہزار روپیہ ہمارے حوالے کر دے۔ اس نے کہا کہ وہ ہے ہی تمہارا مال۔ وہ میں تم کو دے دوں گا۔ ہم تسلی میں رہے۔ دو تین دن اور گزر گئے تو ہم نے پھر اسحاق کو کہا کہ وہ رقم ہم کو دے دے۔ اس نے کہا کہ اس رقم سے میں نے جنت کے لیے زیور خرید لیا ہے۔ وہ ہم کو بتائے بغیر شہر چلا گیا تھا اور زیور لے آیا تھا۔ ہم کو بالکل پتہ نہیں کہ اس نے پورے پانچ ہزار کا زیور خریدا تھا یا تھوڑے پیسوں کا۔ وہ پانچ ہزار کا بتاتا تھا جو ہم نہیں مانتے تھے۔ پانچ ہزار کا زیور تو کوئی بادشاہ خریدا کرتا ہے۔ ہم سمجھ گئے کہ اسحاق ہمارے ساتھ دغا کر رہا ہے۔ یہاں سے ہماری دوستی ٹوٹی اور اس کے ساتھ لڑائی جھگڑا بھی ہوا پھر ہماری بول چال بند ہو گئی...... خدا نے انصاف کیا اور اسحاق کے گھر سے اس حرام کے زیور کے ساتھ وہ زیور بھی نکل گیا جو اس کی ماں نے تھوڑا تھوڑا کر کے معلوم نہیں کتنی مدت میں بنایا تھا۔ اس میں اس کی ماں کا زیور بھی تھا''۔

''مجھ کو ایک اور شک ہے'' ـــــ میں نے اس سے پوچھا ـــــ ''ایسا تو نہیں کہ اسحاق کے گھر جو ڈاکہ پڑا ہے۔ اس میں تمہارا ہاتھ بھی ہو؟''

''نہیں جی!'' ـــــ اس نے جواب ـــــ ''میں اپنے جرم کا اقبال کر رہا ہوں۔ اگر میں اس ڈاکے میں شامل ہوتا تو یہ بھی آپ کو بتا دیتا''۔

میں نے اس پر بہت جرح کی اور اس طرح اس کا بیان مکمل ہو گیا۔ میں نے کچھ سوچ کر اس شخص کو وعدہ معاف گواہ بنانے کا پکا ارادہ کر لیا۔ اس کو میں نے دونوں وارداتوں میں گواہ کے طور پر عدالت میں لے جانا تھا۔ ادھر اس نے یہ گواہی دینی تھی کہ جنت کو خرید کر لایا گیا تھا۔ اسحاق اور نظام واردات کے ملزم تھے اس واسطے ان پر میں اعتبار نہیں کر سکتا تھا کہ باوریوں کے خلاف گواہی دیتے۔

اسحاق اور نظام نے بھی جرم کا اقبال کر لیا۔ پھر بھی مجھ کو وعدہ معاف گواہ کی ضرورت تھی۔ میں نے ان سب کو حوالات میں بند کر دیا۔

شام سے پہلے پہلے اے ایس آئی آ گیا۔ اس نے بتایا کہ تینوں باوریوں اور جنت نے مجسٹریٹ کے سامنے بیان دے کر انگوٹھے لگا دیئے ہیں۔ ان کو جیل کی حوالات میں بھیج

دیا گیا تھا۔ مجھ کو یقین تھا کہ کورٹ میں جا کر یہ سب اپنے اقبالی بیانات سے منحرف ہو جائیں گے۔

میری یہ کہانی پڑھنے والے بعض صاحبان شاید حیران ہوں گے کہ ان تین نوجوانوں نے ڈکیتی کی واردات اتنی دلیری سے کی جب کہ ایسی وارداتیں پیشہ ور ڈکیت کیا کرتے ہیں۔ پولیس کی نظر میں انسان کی کوئی بھی حرکت حیران کرنے والی نہیں ہوتی۔ میرے واسطے یہ کیس حیرانی والا نہیں تھا۔ ایک بار بڑے اچھے اور عزت والے اور تعلیم والے خاندانوں کے تین لڑکے ڈکیتی میں پکڑے گئے تھے۔ ان میں ایک ہندو تھا اور دو مسلمان۔ یہ موقع پر پکڑے گئے تھے اور سب لوگ کہتے تھے کہ یہ کوئی دشمنی والا معاملہ ہے ورنہ یہ لڑکے تو بڑے شریف اور اونچے خاندانوں کے ہیں۔ ان شریف لڑکوں سے جب تھانیدار نے پوچھا کہ ان کو ڈکیتی کیا ضرورت پڑی تھی تو انہوں نے کہا کہ وہ انگریزوں کے خلاف اور ان جاگیرداروں کے خلاف جن کو انگریزوں نے غداری کے عوض جاگیریں دی تھیں۔ بڑی خطرناک پارٹی بنانا چاہتے تھے۔ ان کا پروگرام یہ تھا کہ جاگیرداروں کو لوٹ کر مال غریبوں میں تقسیم کیا کریں گے۔ وہ پہلے جاگیردار کے گھر ہی ڈاکہ ڈالنے گئے تو مال سمیت اس کی حویلی کے اندر ہی پکڑے گئے۔ جاگیردار نے پہلے تو ان کو خوب چھینٹی لگوائی پھر ان کو تھانے لے آیا۔

اسحاق اور اس کے دو دوستوں نے بھی ایسی ہی واردات کی تھی۔ چونکہ وہ عادی مجرم نہیں تھے اس واسطے تھانے اور تھانیدار کی دہشت کو ہی برداشت نہ کر سکے اور اقبالی ہو گئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جرم کوئی انسان ہضم نہیں کر سکتا۔ جرم حوصلہ توڑ دیتا ہے۔ میں نے آپ کو اس کی بڑی اچھی مثال سنا دی ہے۔

اسی شام پھلور سے اسحاق کی دو نالی بندوق آ گئی جس کی نالیوں پر انگلیوں کے نشان تھے۔ یہ نشان ایک خانہ بدوش باوریے کے پائے گئے۔ اس کا ریکارڈ فنگر پرنٹ بیورو میں پہلے ہی موجود تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ شخص سزا یافتہ ہے۔ یہ بڑی اچھی شہادت تھی۔

اس کے بعد اس کہانی کا جو حصہ ہے وہ عدالتی کارروائی ہے۔ اس میں دلچسپی والی بات یہ ہے کہ تینوں باوریوں اور جنت نے کورٹ میں جاتے ہی ہنگامہ بپا کر دیا۔ وہ کہتے تھے کہ ان پر تھانے میں بہت تشدد ہوا ہے۔ جنت چونکہ عورت تھی اس واسطے اس نے کہا کہ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تھانیدار نے مجھ کو تین چار روز ایک کمرے میں بند کر کے بہت خراب کیا ہے۔

میں اس صورت حال کے واسطے پوری طرح تیار تھا۔ میں نے ان لوگوں کے اقبالی بیانوں پر بھروسہ کیا ہی نہیں تھا۔ میں نے بڑی محنت سے کیس تیار کیا اور ایسی ''پیڈنگ'' کی تھی جس کو صفائی کے وکیل جھٹلا نہیں سکتے تھے۔ دوسرے کیس میں وعدہ معاف گواہ بھی ساتھ تھا۔ آخر باوریوں کو سات سات سال، جنت کو پانچ سال سزائے قید دی گئی۔ اسحاق اور نظام کو چار چار سال سزائے قید ملی اور ان کے تیسرے ساتھی کو وعدہ معاف گواہ ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا۔

❁ ❁ ❁

کھنڈر میں کھرے

قتل کی یہ واردات پاکستان کے ایک بڑے قصبے کی ہے لیکن پاکستان ابھی وجود میں نہیں آیا تھا۔ انگریزوں کی حکومت تھی اور انگریز افسر تھانیداروں کے سروں پر سوار رہتے تھے کہ پولیس اپنے فرائض تندہی سے پورے کرے اور کوئی تھانیدار اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال نہ کرے۔

میں اس قصبے کے تھانے کا ایس ایچ او تھا۔ ایک روز صبح بہت سویرے ایک کانسٹیبل نے مجھ کو میرے گھر آ کر جگایا اور یہ اطلاع کہ چوہدری اکرم قتل ہو گیا ہے اور اس کی اطلاع آئی ہے۔ یہ اطلاع چوہدری اکرم کے قتل کی نہ ہوتی، کسی بہت ہی چھوٹے اور غریب آدمی کے قتل کی ہوتی تو بھی میں فوراً تھانے پہنچتا لیکن چوہدری اکرم کا نام سن کر میں نے سوچا کہ مجھ کو پر لگ جائیں اور میں اُڑ کر تھانے پہنچوں۔ یہ میں نے اس واسطے سوچا کہ چوہدری اکرم قصبے کی چند ایک بڑی اور چیدہ شخصیتوں میں سے تھا۔ میری اس کے ساتھ بہت اچھی جان پہچان تھی۔

میں نے جان پہچان کہا ہے دوست نہیں کہا۔ قصبوں کی یہ شخصیات اللہ کی خوشنودی بعد میں اور پہلے تھانیداروں کی خوشنودی حاصل کرتی تھیں اور اس کا طریقہ یہ تھا کہ یہ لوگ دوسرے تیسرے دن تھانے آ کر تھانیدار کو سلام کرنا اور غلاموں کی طرح جھک کر دو چار باتیں کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ کوئی تھانیدار ذرا حرام خور ہوتا تو یہ لوگ اس کے منہ میں ہڈی دیتے رہتے تھے۔ ان چند ایک افراد میں سے جن کی زندگی بدمعاشیوں اور غلط حرکتوں میں گزرتی تھی وہ اپنے علاقے کے تھانیدار کو اور ہی زیادہ خوش رکھتے تھے۔ چوہدری اکرم ایسے ہی چند ایک افراد میں سے تھا۔

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تھانیداران سے خوش رہتے تھے اور بوقت ضرورت انہیں مخبر کے طور پر بھی استعمال کرتے تھے۔ دراصل یہ لوگ پولیس کے بڑے پکے مخبر ہوا کرتے تھے۔ میں نے ایسے لوگوں کے تمام ظاہری اور اندرونی حالات معلوم کر لئے تھے اور میں جہاں بھی ایس ایچ او لگتا تھا ایسے چیدہ چیدہ افراد کا تاریخ جغرافیہ زبانی یاد کر لیتا تھا۔ جرائم پیشہ اور ہسٹری شیٹر اور بستہ کے بدمعاشوں کا تحریری ریکارڈ تو تھانے میں موجود ہوتا ہی تھا۔

چوہدری اکرم کی بابت بھی میں نے اندر اور باہر کی ساری باتیں مخبروں سے حاصل کر کے اپنے ذہن کے ریکارڈ میں محفوظ رکھی ہوئی تھیں۔ مجھ کو معلوم تھا کہ چوہدری اکرم قصبے کا ایک امیر کبیر آدمی ہے۔ اس کے بڑے زرخیز مربعے بھی تھے۔ قصبے کے قریب بھی اس کی خاصی زیادہ زرعی اراضی تھی اور مکانوں دکانوں کی صورت میں بھی جائیداد تھی۔ یہ شخص شریف آدمی نہیں تھا۔ اس حیثیت کے لوگوں کو پولیس کی زبان میں معزز کہا جاتا تھا لیکن یہ لازمی نہیں ہوتا تھا کہ ایسا معزز آدمی بھلا مانس اور شریف بھی ہو۔ یوں کہہ لیں کہ معزز پولیس کی ایک اصطلاح تھی۔

چوہدری اکرم کی بابت مجھ کو یہ بھی معلوم تھا کہ تقریباً ایک سال پہلے اس نے پہلی بیوی کی موجودگی میں ایک نوجوان لڑکی کے ساتھ شادی کی تھی۔ چوہدری اکرم کی عمر پینتالیس سال سے کچھ زیادہ ہی ہوگی کم نہیں تھی۔ اس کی پہلی بیوی کی عمر چوہدری سے دو تین سال کم ہوگی۔ اب اس کے گھر میں دو بیویاں تھیں..... ایک پرانی اور ایک نئی!..... اس کے قتل کی اطلاع پر پہلا خیال جو میرے دماغ میں آیا وہ یہ تھا کہ اس شخص کے قتل کا باعث یہ دوسری شادی ہے اور اس قتل کی واردات میں دوسری یعنی نئی اور نوجوان بیوی کا ہاتھ ہے۔

میں تھانے پہنچا۔ وہاں ایک تو سترہ اٹھارہ سال عمر کا ایک لڑکا تھا جو ہچکیاں لے لے کر رو رہا تھا۔ یہ مقتول کا بیٹا تھا اور یہی مقتول کی کل اولاد تھی۔ اس کے ساتھ نمبردار تھا اور ایک معزز آدمی بھی آیا تھا۔ میں نے اپنے دفتر میں داخل ہوتے ہی پوچھا کہ چوہدری صاحب پر ہاتھ ڈالنے کی کس کو جرأت ہوئی ہے؟..... میں حیران ضرور تھا لیکن اس شخص کے قتل پر مجھ کو کوئی خاص افسوس نہیں تھا اس واسطے کہ ایسے لوگوں کا انجام عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے۔

مجھ کو یہ بھی معلوم تھا کہ چوہدری اکرم نے دو پیشہ ور غنڈے اپنے ساتھ رکھے ہوئے تھے جو اس کے باڈی گارڈ بھی تھے اور کسی کو ڈرانا دھمکانا ہوتا تو چوہدری ان کو استعمال کرتا تھا۔ ان میں ایک نعیم احمد تھا جو ناما کے نام سے مشہور تھا اور یہ میرا مخبر بھی تھا۔ دوسرے کا نام شیرا تھا۔ اس کا پورا نام مجھ کو یاد نہیں رہا۔ یہ بھی مشکوک چال چلن کا بدمعاش تھا۔ ان دونوں کی وجہ سے مجھ کو اطمینان ہوا کہ یہ مجھ کو چوہدری اکرم کی وہ باتیں بھی بتا دیں گے جو پردوں کے پیچھے کی ہوتی ہیں اور ان پر ہمیشہ پردہ ہی پڑا رہتا ہے۔

فلیٹ شوز کے کھرے اور چوڑیوں کے ٹکڑے

ان لوگوں نے مجھ کو بتایا کہ مقتول چوہدری کے محلے میں ذرا الگ ہٹ کر ایک گرا پڑا مکان ہے جس کے ایک دو کمروں کی چھتیں گری ہوئی ہیں، لاش اس کے ایک کمرے میں پڑی ہوتی ہے۔ پتہ یوں لگتا ہے جیسے مقتول کو چاقو یا چھری سے مارا گیا ہے، پیٹ سے انتڑیاں وغیرہ باہر آئی ہوئی ہیں۔ صبح سویرے ایک عورت ویسے ہی اس مکان کے اندر چلی گئی تو اس نے لاش دیکھ لی اور مقتول کے گھر جا اطلاع دی اور نمبردار کو بھی اطلاع مل گئی۔

میں نے مقتول کے بیٹے کے نام سے ایف آئی آر تحریر کروائی اور ضروری کاغذی کارروائیاں کر کے ان لوگوں کے ساتھ جائے وقوعہ کی طرف چل پڑا۔ یہ مکان تھانے سے کوئی زیادہ دور نہیں تھا۔ وہاں پہنچا تو نمبردار کی عقلمندی دیکھی اور اس کو شاباش دی۔ اس نے مکان کے باہر والے دروازے پر ایک آدمی کھڑا کر دیا تھا جس کی ڈیوٹی یہ تھی کہ کسی کو اندر نہ جانے دے۔ اس انتظام سے مجھ کو یہ فائدہ پہنچا کہ جائے وقوعہ پر کھرے صاف رہے۔ نمبردار جب اطلاع پر لاش دیکھنے گیا تھا تو اس نے بچ بچا کر لاش کو دیکھا تھا اور مقتول کے پسماندگان کو بھی آگے نہیں جانے دیا تھا۔

تھانے سے روانگی سے پہلے میں نے ایک کانسٹیبل کو دوڑا دیا تھا کہ وہ کھوجی کو ساتھ لے کر جائے وقوعہ پر بہت جلدی پہنچ جائے..... میں اکیلا اندر گیا۔ یہ ایک مکان کا کھنڈر تھا۔ دو کمروں کی چھتیں نیچے کو بیٹھی ہوئی تھیں اور جس کمرے میں لاش تھی اس کی چھت ایک طرف تھوڑی سی گری ہوئی تھی جس کا ملبہ نیچے گرا ہوا تھا۔ فرش کچا تھا اور اس پر اتنی مٹی اور دھول تھی کہ کھرے بڑے ہی صاف تھے۔ اتنے صاف تھے کہ اناڑی بھی ان کو شناخت کر

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سکتا تھا۔ میں نے کھرے دیکھ لئے۔

اپنے پاؤں بچ بچ کر رکھتا ہوا میں لاش کے قریب گیا۔ لاش دائیں پہلو پر پڑی ہوئی تھی۔ انتڑیاں باہر آئی ہوئی تھیں۔ لاش ملبے کے تقریباً ایک فٹ اونچے ڈھیر پر اس طرح پڑی ہوئی تھی کہ اس کا خون پیٹھ کی طرف بہہ کر نیچے گیا تھا اور جس طرف کھرے تھے، خون ادھر نہیں آیا تھا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ کھرے خون سے بچ گئے تھے۔

اس گرے پڑے مکان سے میرے دماغ میں ایک بات آتی ہے۔ آج کل آبادی اس قدر زیادہ بڑھ گئی ہے کہ جھگیاں اور کھنڈر بھی کرائے پر چڑھ جاتے ہیں۔ رہائش کے لیے کسی کو جگہ نہیں ملتی لیکن میں جس وقت کی بات سنا رہا ہوں اس وقت ایک ایک آبادی میں کئی کئی مکان خالی پڑے رہتے تھے اور کرایہ دار نہیں ملتا تھا۔ اکثر محلوں میں اس طرح ایک آدھ مکان کا کھنڈر ضرور ہوتا تھا۔ ایسے کھنڈر میں محلے کا کوئی بندہ جانے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔

میں نے لاش کو دیکھا اور اس کو دوسری کروٹ پر کیا۔ قتل کے واسطے چھری یا چاقو جیسا آلہ استعمال ہوا تھا۔ ایک زخم پیٹھ میں تھا اور ایک سامنے سینے میں اور پھر پیٹ چاک کیا ہوا تھا۔

وہاں ہلکے سبز رنگ کی ٹوٹی ہوئی چوڑیوں کے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے۔ یہ کانچ کی چوڑیاں تھی اور شاید تین چار تھیں۔ تفتیشی کہانیوں میں آپ نے کئی بار پڑھا ہوگا کہ جس جائے وقوعہ پر ٹوٹی ہوئی چوڑیوں کے ٹکڑے ملیں وہاں لازماً عورت کا ہونا ثابت ہوتا ہے یعنی اس واردات میں ایک عورت تھی اور اس کی چوڑیاں اس واسطے ٹوٹیں کہ اس کے ساتھ دھینگا مشتی کی گئی، عورت نے اپنے بچاؤ کے واسطے مقابلہ کیا اور اس کی چوڑیاں ٹوٹ گئیں۔

اس جائے وقوعہ پر ٹوٹی ہوئی چوڑیوں کے ٹکڑوں کی موجودگی بتاتی تھی کہ ایک عورت کے ساتھ دست درازی ہوئی ہے۔ میں کھرے دیکھنے اور سمجھنے کا کچھ تجربہ رکھتا تھا لیکن کھوجیوں جیسا نہیں۔ یہ تو ایک ایسا فن یا ایسی سائنس ہوا کرتی تھی جس کے ماہر کھوجی موجود تھے۔ وہ تو ایسے مدھم کھروں کو بھی پہچان لیتے تھے جن کو عام لوگ کھرے سمجھتے ہی نہیں تھے اور نظر انداز کر دیتے تھے۔

میں نے جو کھرے دیکھے ان میں ایک تو مقتول کے تھے۔ میں نے مقتول کے پاؤں

میں جو جوتی تھی، اس کو دیکھ لیا تھا اس جوتی کے کھرے صاف پہچانے جاتے تھے۔ دوسرے کھرے فلیٹ شوز کے تھے۔ اس زمانے میں مختلف کھیلوں کے کھلاڑی یہ شوز پہنا کرتے تھے۔ دوڑوں کے مقابلے میں شامل ہونے والے بھی یہی شوز پہنتے تھے۔ ان کے تلوے ربڑ کے ہوتے اور ہموار نہیں بلکہ کھردرے سے ہوتے تھے اور ان پر لمبے لہریے جیسی ابھری ہوئی لکیریں ہوتی تھیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ فلیٹ شوز کا کھرا عام جوتیوں سے بالکل الگ اور قابل شناخت ہوتا تھا۔

فلیٹ شوز کا سائز مردانہ یعنی بڑا تھا۔ بڑا نہ ہوتا تو بھی یہ بات بالکل صاف تھی کہ یہ کسی آدمی کا کھرا تھا۔ فلیٹ شوز صرف آدمی پہنا کرتے تھے، کسی عورت نے کبھی فلیٹ شوز نہیں پہنے تھے۔ قصبوں میں عام طور پر عورتیں دیسی جوتی، زنانہ گرگابی یا سلیپر پہنتی تھیں۔ میں وہاں زنانہ پاؤں کا کھرا ڈھونڈنے لگا لیکن ایسا کوئی کھرا نظر نہ آیا۔ یہ حیرت والی بات تھی اس واسطے کہ چوڑیوں کے ٹکڑے ایک عورت کی موجودگی ظاہر کرتے تھے۔ میں نے بہت کوشش کی، فرش پر جھک جھک کر بھی دیکھا لیکن زنانہ کھرا نہ ملا۔

وہاں فرش پر کھرے تھوڑی سی جگہ پر آپس میں گڈمڈ بھی ہو گئے تھے۔ ملبے کے چھوٹے ڈھیر کی دوسری طرف ایسے گڈمڈ کھرے زیادہ تھے۔ مجھ کو یہ سمجھنے میں ذرا جتنی بھی مشکل پیش نہ آئی کہ یہاں قاتل اور مقتول کی ہاتھا پائی ہوئی ہے اور پھر مقتول قتل ہو گیا.....

میں کھروں کا معمہ حل کرنے کی کوشش میں پریشان ہو رہا تھا کہ کھوجی آ گیا۔ وہ ادھیڑ عمر آدمی اپنے اس فن کا بہت ہی ماہر تھا۔ میں نے اس کو یہ کھرے دکھائے اور چوڑیوں کے ٹکڑے دکھا کر کہا کہ یہاں ایک عورت کا کھرا لازماً ہونا چاہئے۔

کھوجی اس کمرے سے نکل کر باہر صحن میں چلا گیا اور باہر والے دروازے تک گیا۔ اس دروازے سے نمبردار اندر آیا تھا، مقتول کا بیٹا اور بیویاں بھی صحن میں سے گزری تھیں اور پھر میں بھی صحن میں سے گزر کر اندر آیا تھا لیکن کھوجی نے مجھ کو باہر بلا کر دکھایا کہ مقتول اور فلیٹ شوز والا آدمی اندر آئے ہیں اور واپس صرف فلیٹ شوز والا گیا ہے۔ ان میں تیسرا کوئی کھرا نہیں۔ مقتول کی دونوں بیویوں کے کھرے صحن میں پائے گئے۔ کھوجی نے ان عورتوں کی جوتیاں دیکھیں۔

کھوجی پھر اندر گیا۔ اس نے گھٹنوں کے بل فرش پر ہو کر اور جھک کر بھی دیکھا، اس

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کو کوئی زنانہ کھرا نظر نہ آیا۔ آخر اس نے اپنا آخری فیصلہ دے دیا کہ اس مکان میں کوئی عورت نہیں آئی۔ مقتول کی دونوں بیویوں کے کھرے صحن میں دیکھ کر کھوجی نے فوراً کہہ دیا کہ یہ عورتوں کے کھرے ہیں حالانکہ اس کو کسی نے نہیں بتایا تھا کہ یہاں دو عورتیں آئی تھیں۔

اب ایک اور خاص چیز نوٹ کریں۔ لاش کے قریب پانچ روپے کا ایک نوٹ پڑا ہوا تھا۔ مقتول نے قمیض اور شلوار پہن رکھی تھی۔ قمیض کی ایک جیب اوپر سینے پر تھی اور دوسری دائیں طرف پہلو والی جیب تھی۔ میں نے دونوں جیبوں کی تلاشی لی۔ اوپر والی جیب سے کچھ نہ ملا۔ پہلو والی جیب میں ہاتھ ڈالنے لگا تو میں نے ہاتھ روک لیا۔ یہ اس واسطے روک لیا کہ جیب اندر سے تھوڑی سی باہر آئی ہوئی تھی۔ صاف پتہ لگتا تھا کہ اس جیب میں کسی نے ہاتھ ڈالا ہے اور اس میں جو کچھ تھا وہ نکالا ہے اور جیب تھوڑی باہر آ گئی ہے۔

پانچ روپے کا نوٹ لاش کے قریب پڑا تھا جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ مقتول کی جیب میں سے نوٹ نکالے گئے ہیں اور جلدی میں پانچ کا یہ نوٹ گر پڑا جو اندھیرے میں اس شخص کو نظر نہ آیا۔ اس سے یہ شک ہوتا تھا کہ مقتول کو لوٹنے کے واسطے قتل کیا گیا ہے اور رقم زیادہ ہوگی لیکن یہ خیال آ گیا کہ مقتول کی کلائی پر بڑی قیمتی گھڑی بندھی ہوئی تھی اور ایک سونے کی وزنی انگوٹھی بائیں ہاتھ کی ایک انگلی میں تھی اور ایک انگوٹھی دائیں ہاتھ کی ایک انگلی میں۔ قاتل کا مقصد اگر لوٹنا ہوتا تو وہ اتنی قیمتی گھڑی اور اتنی وزنی سونے کی دو انگوٹھیاں کبھی نہ چھوڑتا۔ اس صورت میں یہ بھی دیکھنے والی بات تھی کہ عورت کا یہاں کیا کام تھا پھر یہ کہ چوہدری کو قتل کیوں کیا گیا!

پھر میں نے یہ دیکھا کہ مقتول کے کپڑوں سے صاف پتہ لگتا تھا کہ اس نے بدکاری نہیں کی۔ ایسا ہوسکتا تھا کہ مقتول اس جگہ ایک عورت کے ساتھ نازیبا حرکتیں کر رہا تھا اور ایک اچانک اس عورت کا خاوند یا کوئی بھائی وغیرہ آ گیا اور انہیں پکڑ لیا۔ اس شخص کی جیب میں چاقو ہوگا جس سے اس نے چوہدری کو قتل کر دیا لیکن سوچنے والی بات یہ تھی کہ اس نے اس عورت کو زندہ کیوں چھوڑ دیا؟ ہوسکتا ہے عورت بھاگ گئی ہو۔

اپنی کسی بہو بیٹی یا بیوی کو رات کے وقت کسی جگہ کسی غیر آدمی کے ساتھ دیکھ کر جو اشتعال پیدا ہوتا ہے وہ انسان کو ایسا پاگل کر دیتا ہے کہ وہ سوائے قتل کے کچھ اور سوچ ہی

نہیں سکتا اسی واسطے قانون میں فوری اشتعال کے تحت قتل کی سزا بہت ہی تھوڑی رکھی گئی ہے۔ اس ذہنی حالت میں قاتل کو مقتول کا مال لوٹنے یعنی اس کی جیبیں خالی کرنے کی ہوش نہیں ہوتی۔

یہاں پھر وہی بات سامنے آئی کہ چوڑیاں کے ٹکڑوں کے سوا کسی عورت کی وہاں کوئی نشانی نہیں تھی۔ فلیٹ شوز والے کھرے یقینی طور پر کسی مرد کے تھے، کسی عورت کا پاؤں اتنا بڑا نہیں ہوسکتا۔

پکا پاپی اور نئی بیوی

نمبردار کو بلا کر کہا کہ وہ مقتول کے گھر سے چارپائی منگوائے اور لاش پوسٹمارٹم کے واسطے لے جائیں۔ ایک ہیڈ کانسٹیبل میرے ساتھ تھا، اس کو کہا کہ وہ لاش لے جائے اور پوسٹمارٹم کروائے۔ پوسٹمارٹم کا انتظام اسی قصبے کے سول ہسپتال میں موجود تھا...... لاش چلی گئی۔

میں نمبردار کی بیٹھک میں جا بیٹھا۔ سب سے پہلے مقتول کے بیٹے سے پوچھ گچھ کرنا چاہتا تھا لیکن وہ لاش کے ساتھ چلا گیا تھا۔ پوسٹمارٹم کے بعد لاش اس نے وصول کرنی تھی۔ مجھ کو مقتول کی بابت بیک گراؤنڈ کے حالات معلوم کرنے تھے اور اس کی دونوں بیویوں کی بابت بھی کچھ معلوم کرنا تھا۔ اس کے واسطے نمبردار سے بہتر کوئی اور نہیں ہوسکتا تھا۔

تفتیشی کہانیوں میں آپ کو اب تک پوری طرح پتہ لگ چکا ہوگا کہ نمبرداروں کا رول کیا ہوتا تھا اور وہ کیا کچھ کر سکتے تھے اور کیا کرتے تھے۔ یہ بات پھر بتانے کی ضرورت نہیں، یہاں میں بتانا چاہتا ہوں کہ یہ ایک بڑا قصبہ تھا اور اس کا نمبردار تھوڑا پڑھا لکھا بھی تھا اور ویسے بھی وہ عقل و ذہانت والا تھا۔ مجھ کو اس شخص پر پورا اعتماد تھا۔ اس کو اپنے پاس بٹھا کر میں نے پوچھا کہ اس کی کیا رائے ہے۔

"یہ بات تو صاف ہے جناب!" ــــ نمبردار نے کہا۔ "کہ چوہدری اکرم قتل ہوا ہے لیکن میں یہ نہیں مانوں گا کہ وہ کسی عورت کے پیچھے قتل ہوا ہے۔ ظاہری طور پر تو یہی لگتا ہے کہ مقتول ایک عورت کو لے کر اس کھنڈر میں گیا اور عورت کا کوئی رشتہ دار عین موقع پر جا پہنچا اور چوہدری کو کاٹ کر پھینک دیا لیکن جناب! یہ چوہدری ایسی گندی جگہ جانے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

والا آدمی نہیں تھا۔ میں جانتا ہوں کہ اس کی اتنی بڑی حویلی میں اس کا الگ کمرہ ہے، ایک کمرہ اوپر بھی ہے اور یہاں کھیتوں میں بھی اس نے ایک کچا سا کوٹھا بنوایا ہوا ہے۔ مجھ کو معلوم ہے کہ یہ شخص عورتوں کا شکاری تھا لیکن کسی بھی عورت سے ملاقات کرنی ہوتی تو رات کے وقت دوسرے دروازے سے عورت کو اپنے کمرے میں لے جاتا تھا یا بہت احتیاط کرتا تو کھیتوں والے کوٹھے میں بلا لیتا تھا۔ میں نہیں مانتا کہ اس نے ایک عورت کے ساتھ اس گرے پڑے مکان میں ملاقات کی ہوگی۔ یہ تو عام اور بہت چھوٹے چھوٹے لوگوں کے چھپنے کی جگہ ہے''۔

نمبردار کی یہ بات مجھ کو اس واسطے اچھی لگی کہ اس گرے ہوئے غیر آباد مکان میں سوائے چوڑیوں کے ٹکڑوں کے کسی عورت کی کوئی نشانی نہیں ملی تھی۔ میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ جہاں دو آدمیوں کے کھرے تھے وہاں اگر عورت ہوتی تو اس کا کھرا بھی ہونا لازمی تھا۔ میں مقتول کو ٹھیک طرح جانتا تھا وہ وضعدار آدمی تھا اور اس کی عمر بھی ایسی تھی جس عمر میں عام طور پر آدمی لڑکوں جیسی حرکتیں نہیں کیا کرتا۔ پھر یہ چکر کیا تھا؟

میں نے نمبردار سے پوچھا کہ مقتول کی کسی کے ساتھ دشمنی بھی ہوگی اور کچھ دن پہلے کسی کے ساتھ اس کی لڑائی یا جھگڑا ہوا ہوگا اور مقتول نے اپنی حیثیت کا غلط استعمال کرتے ہوئے کسی کی بے عزتی کی ہوگی۔ نمبردار کو اس کا علم ہونا ضروری تھا اس واسطے کہ ایسی باتیں ایک قصبے یا محلے میں چھپائی نہیں جا سکتی تھیں۔

نمبردار نے یقین کے ساتھ کہا کہ مقتول کی کسی کے ساتھ دشمنی نہیں تھی۔ نمبردار مقتول کی ذاتی زندگی سے بھی واقف تھا۔ وہ یہاں تک جانتا تھا کہ نہری علاقے میں مقتول کے مربعے تھے اور عام طور پر پانی لگانے کی باری پر دشمنی پیدا ہو جاتی ہے لیکن وہاں بھی مقتول کی کسی کے ساتھ دشمنی نہیں تھی۔

نمبردار نے یہ بھی بتایا کہ مقتول دشمنی رکھنے والے آدمی تھا ہی نہیں۔ ہر کسی کے ساتھ مسکرا کر اور بڑے خوشگوار لہجے میں بات کیا کرتا تھا۔ اس حیثیت کے لوگ بڑے اوچھے طریقوں سے اپنا رعب جمائے رکھتے ہیں لیکن مقتول میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ وہ دل کا سخی اور فیاض تھا۔ دوسروں کی مدد بڑی خوشی سے کیا کرتا تھا۔ ایسی ہی کچھ خوبیاں تھیں جن کی وجہ سے لوگ مقتول کو اچھا آدمی سمجھتے تھے لیکن مقتول شریف آدمی نہیں تھا۔ عورت اور شراب

سے دل بہلانے والا آدمی تھا۔ ایسے پاپی دوسروں کو خوش رکھا کرتے ہیں۔

پھر مقتول کی گھریلو باتیں شروع ہوئیں۔ یہ میں نے پہلے بتایا ہے کہ مقتول کی ایک پرانی بیوی تھی اور تقریباً ایک سال پہلے اس نے ایک نوجوان لڑکی کے ساتھ شادی کی تھی۔ نمبردار نے بتایا کہ اس کے گھر میں دو بیویاں تھیں۔ میں نے کہا کہ یہ بیویاں آپس میں لڑتی رہتی ہوں گی۔

نمبردار نے یہ بات کہہ کر مجھ کو بہت حیران کیا کہ یہ بیویاں آپس میں بالکل ہی نہیں لڑتیں بلکہ پیار سے رہتی ہیں اور کسی اجنبی کو پتہ ہی نہیں لگتا کہ یہ دونوں سوکنیں ہیں۔ نمبردار نے یہ بھی بتایا کہ نئی اور نوجوان بیوی کو ہر وقت افسردہ اور مایوس ہونا چاہئے تھا کہ اپنے باپ کی عمر کے آدمی کے ساتھ بیاہی گئی ہے لیکن عورتیں بتاتی ہیں کہ یہ لڑکی اس گھر میں خوش تھی۔ کبھی کسی عورت کے ساتھ اس نے اپنے گھر کی بابت شکوہ نہیں کیا تھا نہ کبھی اس نے ایسی بات کہی تھی کہ پہلی بیوی اس کو اچھا نہیں سمجھتی۔ نمبردار نے بتایا کہ ظاہری طور پر مقتول نے یہ دوسری شادی اس واسطے کی تھی کہ پہلی بیوی سے صرف ایک بیٹا ہوا تھا۔ اس کے بعد کوئی بچی بچہ نہ ہوا اس واسطے مقتول نے اولاد کی خاطر یہ دوسری شادی کی لیکن یہ لڑکی اپنے باپ سے ایک طرح خریدی گئی تھی اور باقاعدہ نکاح پڑھا گیا تھا۔ لڑکی کے باپ نے مقتول سے ٹھیک ٹھاک رقم وصول کی تھی۔

پہلی بیوی پر شک کیا جا سکتا تھا کہ خاوند کی دوسری بیوی کو دیکھ کر وہ اتنی بھڑک اٹھی ہو گی جس کو فوری اشتعال کہتے ہیں۔ اتنی لمبی ازدواجی زندگی کے بعد خاوند نے اس کو دھتکار دیا اور اس کے ساتھ بے وفائی کی تھی لیکن میرے دماغ میں یہ خیال بھی آیا کہ پہلی بیوی اتنے ہی زیادہ غصے میں آ گئی تھی تو اس نے ایک سال انتظار کیوں کیا؟..... پھر یہ بات بھی دماغ میں آ گئی کہ پہلی بیوی نے اگر قتل کروانا ہی تھا تو نئی بیوی کو کرواتی۔ نئی بیوی کی طرف سے پہلی بیوی کو اس نقصان کا خطرہ تھا کہ اس کی اولاد ہو گئی تو وہ جائیداد کی حصہ دار بنے گی جبکہ پہلی بیوی کا اپنا بیٹا جوان ہو گیا تھا۔ وہ تو قدرتی طور پر چاہتی ہوگی کہ ساری جائیداد کا وارث اس کا بیٹا بنے۔

پھر یہ شک میرے دماغ میں آیا کہ مقتول کو نئی بیوی نے قتل کروایا ہے اور اس کا باعث یہ ہے کہ مقتول نے اس کی جوانی حرام کر دی تھی اور اپنی عیش و عشرت کے واسطے بیاہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لایا تھا لیکن یہاں بھی وہی بات سامنے آئی کہ اس نے ایک سال کیوں انتظار کیا۔ ایک سال انسان اگر جہنم میں رہے تو اسی زندگی کا عادی ہو جاتا ہے اور ذہن اس جہنم نما ماحول کو قبول کر لیتا ہے۔ صرف ایک صورت تھی۔ اگر یہ پیدا ہو گئی تھی تو نئی بیوی پر شک کیا جا سکتا تھا۔ وہ یہ کہ ممکن تھا کہ نئی بیوی کی کسی کے ساتھ در پردہ محبت والی بات چیت چل گئی ہو گی اور اس لڑکی کو چوہدری اکرم سے آزاد کرنے کا اس آدمی نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ اسے قتل کر ڈالا۔ یہی ایک صورت تھی کہ وہ شخص اس لڑکی کے ساتھ شادی کر سکتا تھا۔

میں نے اس شک کو ذہن میں رکھا اور نمبردار کو کہا کہ وہ مخبری کرتا رہے اور دیکھے کہ مقتول کی یہ نئی بیوی کسی کو چوری چھپے ملتی ملاتی ہو گی۔ مجھ کو پورا یقین تھا کہ نمبردار یہ کام کر لے گا۔ نمبرداروں کے ہاتھ بڑے لمبے ہوتے تھے۔ ان کے زیر اثر دو چار عورتیں بھی ہوتی تھیں جو ہر گھر کے اندر کی خبریں لے آتی تھیں۔

نمبردار نے دو آدمیوں کے نام بتائے جو مقتول کے خاص آدمی تھے اور اس کے باڈی گارڈ بھی بنے رہے تھے۔ نمبردار کو معلوم نہیں تھا کہ ان کی بابت میں پہلے ہی جانتا ہوں۔ ایک تھانا ماجو میرا مخبر بھی تھا۔ اس وقت جب میں اندر بیٹھا نمبردار کے ساتھ باتیں کر اور سن رہا تھا نا ماباہر موجود تھا۔ دوسرا شیرا تھا۔ اس شیرے کو شاید معلوم نہیں تھا کہ میں اس کی بابت بہت کچھ جانتا ہوں۔ وہ اس وقت وہاں موجود نہیں تھا۔ نامے سے تو ابھی میں نے پوچھ گچھ کرنی تھی اور مجھ کو امید تھی کہ وہ کارآمد باتیں بتائے گا۔

لاش کے پوسٹمارٹم کے واسطے تو کئی گھنٹے درکار تھے، میں نے سوچا کہ اس دوران مقتول کی دونوں بیویوں کو دیکھ لیا جائے کہ یہ کتنے پانی میں ہیں۔ تھانیدار کو تفتیش اور سراغ رسانی کا تجربہ ہو تو وہ چہرے اور انداز سے ہی پتہ لگا لیتا ہے کہ اس مرد یا عورت کا واردات کے ساتھ کچھ نہ کچھ تعلق ضرور ہے۔ یہ سوچ کر میں نے نمبردار کو کہا کہ وہ مقتول کی دونوں بیویوں کو یہاں لے آئے۔

گھر قریب ہی تھا۔ نمبردار نے آ کر مجھ کو بتایا کہ دونوں آ گئی ہیں۔ میں نے اس کو کہا وہ بڑی یعنی پہلی بیوی کو میرے پاس بھیج دے اور دوسری کو اپنے گھر میں بٹھا دے.....

نمبردار کے جانے کے دو ہی منٹ بعد ایک معزز اور اچھی شکل وصورت کی عورت میرے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ اس کی عمر چالیس سال سے زیادہ تھی۔ میں نے اس کو بٹھا لیا اور

اس کے خاوند کے قتل کی بابت ہمدردی اور اظہار افسوس کی باتیں شروع کر دیں۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تو تھے لیکن ایسا بھی نہیں کہ وہ غم سے نڈھال ہوتی یا کچھ زیادہ غمگین ہوتی۔

پھر میں نے مقتول کے خلاف بولتے ہوئے کہا کہ اس نے اس پہلی بیوی پر کتی زیادتی کی ہے کہ اس عمر میں آ کر ایک نئی لڑکی بیاہ لایا ہے۔

''مجھ کو اس کا کچھ فرق نہیں پڑا''۔۔۔ مقتول کی بیوی نے کہا۔۔۔ ''اس کو بیاہ کر نہ لاتا تو اس کے ساتھ ناجائز دوستی بنا لیتا۔ چوہدری نے تو دو تین بے نکاحی بیویاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ میرے ساتھ تو اس نے رسمی تعلق رکھا ہوا تھا۔ میں گھر میں صرف بیوی تھی جو اپنے فرائض پورے کر رہی تھی''۔

میں نے نئی بیوی کی بابت باتیں شروع کر دیں اور اس قسم کی رائے دی کہ اس نئی لڑکی نے مقتول کو اپنے قبضے میں لے لیا ہو گا اور وہ پہلی بیوی کے دماغ پر بھی سوار ہو گئی اور صرف اپنی نوجوانی اور خوبصورتی کی بدولت گھر کی مالک بن گئی ہو گی۔

''نہیں جی!''۔۔۔ چوہدرانی نے کہا۔۔۔ ''یہاں معاملہ الٹ ہوا۔ مجھ کو یہی امید تھی جو آپ نے کہا ہے لیکن لڑکی آتے ہی میرے قدموں میں بیٹھ گئی۔ بڑی صاف بات ہے کہ اس لڑکی کی شادی اتنی زیادہ عمر کے مرد کے ساتھ زبردستی کی گئی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ لڑکی کے باپ نے لڑکی کی قیمت وصول کی ہے.....

''لڑکی میرے پاس بیٹھ کر بہت روئی۔ اس نے کہا کہ اسے کچھ نہیں چاہئے اور اس کو ذرا سی بھی خوشی نہیں کہ اتنے امیر کبیر آدمی کی بیوی بن گئی اور یہاں من مانی کرے گی اور اپنی فرمائشیں پوری کروا کے شہزادی بن جائے گی۔ آپ کو معلوم ہے کہ عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے۔ نئی اور نوجوان بیوی پرانی بیوی کو خاوند کے ساتھ مل کر کباڑ خانے میں پھینک دیتی ہے اور ملکہ بن جاتی ہے۔ بعض نوجوان بیویاں تو زیادہ عمر کے خاوند کو ایسی نتھ ڈالتی ہیں کہ اس کو لوٹ لوٹ کر اپنے پچھلوں کا گھر بھرتی اور خاوند کو کنگال کر دیتی ہیں اور پرانی بیوی کے ساتھ بہت ہی برا سلوک کرتی ہیں.....

''میں اب بھی حیران ہوا کرتی ہوں کہ یہ لڑکی کتنی اچھی عقل والی ہے کہ اس نے گھر میں سکون رکھنے کے واسطے یہ بات سوچی ہے۔ یہ اپنی عقل کو دوسری طرح بھی استعمال کر سکتی تھی لیکن اس نے اپنے آپ کو میرے حوالے کر دیا کہا کہ یہ میری خدمت کرے گی اور

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

خاوند کی صرف بیوی بنی رہے گی۔ ایک سال ہونے کو آیا ہے، اس لڑکی نے اپنا رویہ یہی رکھا جو میں نے بتایا ہے۔ خدا کی قسم، وہ میری خدمت اس طرح کرتی ہے جس طرح کوئی بیٹی اپنی ماں کی کیا کرتی ہے۔ میں نے اس لڑکی کو سمجھا دیا تھا کہ اس خاوند کو کہیں اپنا وفادار نہ سمجھ لے۔ یہ شخص عورتوں کا شکاری اور کھلاڑی ہے اور بڑی عیاشی میں زندگی گذار رہا ہے اور یہ کسی ایک کا وفادار بن ہی نہیں سکتا''۔

میں نے اس چوہدرانی کو کہا کہ چوہدری اکرم تو بڑا ہی خوش طبع اور ہنس مسکرا کر بات کرنے والا آدمی تھا اور سنا ہے کہ اس کو غصہ تو کبھی آیا ہی نہیں تھا۔ گھر میں بھی مرحوم اسی طرح رہتا ہوگا۔

''توبہ کرو جی!''۔۔۔ چوہدرانی نے کہا۔۔۔ ''اس کی مسکراہٹیں اور اس کی ہنسی اور اس کی خوشگوار طبیعت گھر کے دروازے سے باہر سے شروع ہوتی اور دروازے کے باہر ہی ختم ہو جاتی تھی۔ گھر میں آ کر تو یہ سکھا شاہی چلاتا تھا اور ذرا سا اشارہ خود ہی پیدا کر کے ایسا غصہ جھاڑتا تھا کہ ہم دونوں بیویاں دبک جاتی تھیں''۔

بدکار عورت اور دونوں بیویاں

چوہدرانی نے یہ بات کہہ کر کہا اس نے سنا ہے کہ چوہدری کی جس اجڑے ہوئے مکان میں لاش ملی ہے وہاں ٹوٹی ہوئی چوڑیوں کے ٹکڑے بھی پڑے تھے۔ اس نے کہا کہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں ایک عورت بھی تھی..... میں نے چوڑیوں کے ٹکڑے چوہدرانی کو دکھا کر کہا یہ بات بالکل صحیح ہے۔ پھر اس سے پوچھا کہ وہ اس معاملے میں کچھ کہنا چاہتی ہے؟

''میں نہیں مانتی''۔۔۔ چوہدرانی نے کہا۔۔۔ ''کسی عورت کو ساتھ لے کر چوہدری ایسے گرے اور اجڑے ہوئے مکان میں جانے والا آدمی نہیں تھا، اور پھر اس کو وہاں جانے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ میں جانتی ہوں کہ جب کبھی اس کا کسی عورت سے بدکاری کے واسطے من چاہتا تھا تو اس کو اپنے کمرے میں بلا لیتا تھا۔ اس کو کسی کا ڈر نہیں تھا''۔

اس طرح چوہدرانی نے بھی تصدیق کر دی کہ اس مکان میں عورت گئی ہی نہیں تھی۔ چوہدرانی نے یہ بھی کہا کہ اس کو معلوم ہے کہ چوہدری شہر جا کر رنڈی بازی بھی کرتا تھا۔

شراب پینا تو وہ جائز اور حلال سمجھتا تھا۔ میں نے چوہدرانی سے پوچھا کہ یہ باتیں کس نے بتائی ہیں۔ چوہدرانی نے نامے کا نام لیا۔

''چوہدری سمجھتا تھا کہ نامہ اس کا غلام ہے''۔۔۔ چوہدرانی نے کہا۔۔۔ ''یہ لوگ کسی کے وفادار نہیں ہوتے۔ جہاں سے ہڈی ملتی ہے اسی کے ہو جاتے ہیں۔ میں نے نامے اور شیرے کو کھلا پلا کر اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے اور وہ ہر خبر مجھ کو دیتے تھے۔ میں ان عورتوں کو بھی جانتی ہوں جن کے ساتھ چوہدری نے یارانہ لگا رکھا تھا''۔

میں نے چوہدرانی سے پوچھا کہ پھر اس نے آج نامے سے پوچھا نہیں کہ اس مکان میں اس کے ساتھ کون عورت تھی؟..... چوہدرانی نے جواب دیا کہ اس نے پوچھا تھا لیکن نامے نے کہا کہ اس کو کچھ پتہ نہیں۔

چوہدرانی نے ان عورتوں کا اشارہ دیا جن کے ساتھ مقتول کا یارانہ تھا۔ تو میں نے اس سے پوچھا کہ یہ عورتیں کون ہیں، ان کے نام پتے وغیرہ مجھ کو بتائے۔ چوہدرانی نے دو عورتوں کے نام اور محلے وغیرہ بتا دیئے۔ میں نے چوہدرانی کو اپنا یہ شک بتایا کہ ان عورتوں میں سے کوئی اس مکان میں چوہدری کے ساتھ ہوگی اور اس کا خاوند یا بھائی عین موقعہ پر پہنچ گیا اور چوہدری کو قتل کر دیا۔ یہ بات کہتے ہوئے میرے دماغ میں تھا کہ اس مکان میں کسی عورت کا کھرا نہیں ملا تھا اور مجھ کو تقریباً یقین ہو گیا تھا کہ وہاں کوئی عورت گئی ہی نہیں تھی۔ میں چوہدرانی کی رائے معلوم کرنا چاہتا تھا۔

''آپ زیادہ بہتر سمجھتے ہیں''۔۔۔ چوہدرانی نے کہا۔۔۔ ''میرا خیال یہ ہے کہ ان عورتوں کے خاوند وغیرہ بڑے بے غیرت لوگ ہیں اور چوہدری نے ان کے منہ کسی نہ کسی طریقے سے بند کئے ہوئے ہیں۔ پھر میں یہ بھی سوچتی ہوں کہ چوہدری نے اس عورت کو اپنے کمرے میں کیوں نہیں بلایا اور اس اجڑے ہوئے مکان میں کیوں چلا گیا''۔

اس کے ساتھ ہی چوہدرانی نے تقریباً ایک مہینہ پہلے کا ایک واقعہ سنا دیا جو اس طرح تھا کہ رات دس بجے کے بعد دونوں بیویوں کو شک ہوا کہ اوپر والے کمرے میں چوہدری کے پاس کوئی عورت آئی ہے۔ اوپر جانے کے لیے ایک اور راستہ بھی تھا۔ بیویوں کو خیال ہوا کہ یہ عورت اس راستے سے اوپر گئی ہے۔

دونوں بیویوں نے اکٹھا کر کے یہ ارادہ کر لیا کہ آج چوہدری کو موقع پر پکڑیں اور اس

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کو کہیں کہ ہم دونوں کو طلاق دے دے اور پھر جو جی میں آئے کرے۔ دونوں اوپر چلی گئیں اور کمرے کے دروازے پر ہاتھ رکھا تو دروازہ اندر سے بند تھا۔ پہلی بیوی نے دروازے پر دستک دی تو چوہدری باہر نکلا۔ پہلی بیوی نے یعنی اس چوہدرانی نے پوچھا کہ اندر کون ہے۔

چوہدری نے کوئی اور جواب دینے کی بجائے دروازہ بند کر دیا اور ان دونوں کو ڈانٹ ڈپٹ شروع کر دی۔ چھوٹی بیوی نے دروازے کو دھکا دیا اور دروازہ کھل گیا۔ سامنے ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ دونوں بیویوں نے چوہدری کو شرمسار کرنے کے لیے کچھ کہا تو چوہدری نے پہلا کام یہ کیا کہ نئی بیوی کے منہ پر بڑی زور سے تھپڑ مارا اور ننگی گالیاں دیں۔ بڑی چوہدرانی پیچھے ہٹ گئی اور کہا کہ اس نے اگر اس پر ہاتھ اٹھایا تو سارا شہر سنے گا اور وہ اس گھر میں نہیں رہے گی۔ چوہدرانی نے یہاں تک کہہ ڈالا کہ اس کو یعنی جو عورت اندر بیٹھی تھی اس کو گھر میں رکھو یا ہم دونوں کو۔ چوہدری نے ان دونوں کی بہت بے عزتی کی اور کہا کہ وہ ان دونوں بیویوں کو قتل کروا دے گا یا اپنے گھر میں نوکرانیوں کی طرح رکھے گا۔

مختصر بات یہ ہے کہ دونوں بیویوں اور چوہدری کی اچھی خاصی لڑائی ہوئی جو زبانی کلامی تھی اور معاملہ گالی گلوچ تک پہنچ گیا۔ وہ عورت اندر بیٹھی رہی چوہدری نے آخر یہ حرکت کی کہ ان دونوں کو گالیاں اور دھمکیاں دے کر کمرے میں چلا گیا اور اندر سے دروازہ بند کر لیا۔

دونوں بیویاں جانتی تھیں کہ چوہدری ان کے خلاف بہت کچھ کر سکتا ہے۔ دونوں نیچے اتر آئیں۔ چھوٹی بیوی تو بہت ہی گھبرائی ہوئی تھی۔ چوہدرانی نے اس کو تسلیاں دیں کہ وہ اتنا بھی نہ ڈرے چوہدرانی سارا الزام اپنے اوپر لے لے گی۔

چوہدرانی نے اگلے روز یہ کام کیا کہ اس عورت کے گھر چلی گئی اور اس کو بہت ہی برا بھلا کہا اور یہ بھی کہا کہ وہ عرصے سے جانتی ہے کہ وہ چوہدری کے پاس جاتی ہے۔ اب دیکھئے کہ یہ عورت کتنی ڈھیٹ اور دلیر تھی۔ اس نے چوہدرانی کی بے عزتی کر دی اور کہا کہ وہ چوہدری سے اس کو اور جوتے پڑوائے گی۔ اس طرح یہ معاملہ زیادہ سنگین ہو گیا۔

میں نے جب یہ واقعہ چوہدرانی کی زبانی سنا تو مجھ کو شک ہوا کہ چوہدری اکرم کے قتل کا باعث یہ واقعہ ہو سکتا ہے۔ یہ دماغ میں رکھ کر میں نے چوہدرانی سے پوچھا کہ جب

وہ اس عورت کے گھر جا کر لڑی تھی تو اس عورت کا خاوند یا کوئی اور مرد گھر میں ہو گا۔ چوہدرانی نے بتایا کہ گھر میں کوئی مرد نہیں تھا اور یہ باتیں اندر کمرے میں بیٹھ کر ہوئی تھیں۔ اس نے بتایا کہ اس عورت کا خاوند دکاندار ہے اور اس شخص میں اتنا دم خم نہیں کہ وہ چوہدری پر وار کرتا۔ پھر اس عورت کے دو بھائی تھے جو ابھی بہت چھوٹے تھے۔ چوہدرانی کی یہ باتیں سن کر میرا شک رفع ہو گیا لیکن اس عورت کو میں نے شاملِ تفتیش کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

چوہدرانی نے یہ بات بالکل صاف کر دی تھی کہ مقتول کی کسی کے ساتھ دشمنی نہیں تھی..... میرے دماغ میں ایک مشتبہ اور بھی تھا اور یہ مقتول کا بیٹا تھا بلکہ واحد اولاد تھا اور ایک امیر اور اونچی حیثیت والے چوہدری کا بیٹا تھا اس واسطے اس کا بگڑا ہوا شہزادہ ہونا قابلِ یقین تھا۔ اس قسم کے شہزادوں کا کوئی کردار نہیں ہوتا۔

میں نے چوہدرانی کے ساتھ بڑی بے تکلفی سے یہ بات کی اور کہا کہ اس کا بیٹا اپنی نوجوان سوتیلی ماں سے تنہائی میں ضرورت ملتا ہو گا اور شاید اسی وجہ سے نئی بیوی اس گھر میں خوش ہو گی..... چوہدرانی نے بڑے یقین کے ساتھ میرا یہ شبہ صاف کر دیا۔ اس نے کہا کہ باپ نے تو بیٹے کو بگاڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی لیکن چوہدرانی نے اس میں خاندانی شرافت پیدا کی اور اس کی تربیت بڑی ٹھیک ٹھاک کرتی رہی۔

چوہدرانی نے کہا کہ وہ کوئی ایسی بچی تو نہیں تھی کہ یہ بھی نہ دیکھتی کہ گھر میں ایک نوجوان لڑکی ہے اور اس کا اپنا بیٹا نوجوان ہے۔ اس کا بیٹا نئی بیوی کو خالہ کہتا تھا اور اس کی ماں نے بیٹے کے دماغ میں یہ بات نقش کر دی تھی کہ یہ لڑکی بھی اس کی ماں ہے۔ چوہدرانی نے اس معاملے میں میرے ساتھ ذرا لمبی بات کی تھی اور کچھ سوال میں نے پوچھے تھے۔ میں یہ سارے سوال و جواب اور چوہدرانی کا بیان نہیں سنا رہا، خواہ مخواہ بات لمبی ہو جائے گی۔ مختصر بات یہ ہے کہ چوہدرانی نے مجھ کو یقین دلا دیا کہ اس بیٹے کا دھیان اس کی نوجوان سوکن کی طرف بالکل نہیں تھا جو دھیان تھا وہ ایک ماں بیٹے جیسا تھا۔ بہرحال میں نے اس شک کو دل میں محفوظ رکھا۔

چوہدرانی نے دو اور عورتوں کے نام دیئے۔ اس طرح ان عورتوں کا ٹوٹل تین ہو گیا۔ ان میں ایک عورت اس کے کہنے کے مطابق جوان اور بڑی خوبصورت تھی اور اس کا

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

خاوند بڑا ہی موٹا بھدا اور جاہل سا آدمی تھا۔ اس عورت کا بھی کوئی ایسا بھائی نہ تھا جو کبھی غیرت میں آ کر اس کو روکتا یا چوہدری کو ہی صاف کر دیتا۔ یہ عورت مقتول کی ایک طرح کی داشتہ بنی ہوئی تھی۔

چوہدرانی نے تیسری جس عورت کی نشاندہی کی اس کا نام مجیداں تھا اور جیداں کے نام سے مشہور تھی۔ یہ بھی ایک خوبصورت عورت تھی اور اس کی عمر پینتیس سال کے لگ بھگ تھی۔ آپ نے تفتیشی کہانیوں میں اس نسل کی عورت کا ذکر عام طور پر پڑھا ہوگا۔ قصبہ ہو یا گاؤں، ایسی عورت ضرور پائی جاتی ہے۔ میں اس جیداں کو بیان کر دیتا ہوں اور آپ سمجھ جائیں گے کہ یہ کیسی عورت ہوگی۔

جیداں چھوٹی ذات کی عورت تھی جس کو دیہات اور قصبوں میں کامی یا کمی یا کمین کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ بڑی ذاتوں کے گھروں میں کام کاج کرتے ہیں اور وہی لوگ ان کے اَن داتا بنے رہتے ہیں۔ جیداں ایسے ہی ایک خاوند کی بیوی تھی جو قصبے میں بیاہ شادیوں پر یا کسی کی وفات پر اور چالیسویں پر دیگیں پکاتا تھا اور مقتول جیسے چوہدریوں کے گھروں میں بھی کام کاج کرتا تھا۔ جیداں خاص طور پر چالاک، عیار عورت تھی۔ زاہد اور پارسا کو بھی موم کر لیتی اور کسی نامی گرامی غنڈے اور بدمعاش کو بھی اپنے سامنے جھکا لیتی تھی۔ مظلومیت کی ایکٹنگ کرے تو آپ کے آنسو نکال دے۔

چوہدرانی نے جب جیداں کے یہ اوصاف بیان کئے تو میں نے سن تو لیے لیکن ایسے لگا جیسے اس عورت کو میں بہت ہی اچھی طرح جانتا اور پہچانتا ہوں۔ میں جہاں بھی رہا ایسی عورت کے ساتھ واسطہ ضرور پڑا۔ ایسی عورتیں تفتیش میں بہت مدد کیا کرتی تھیں۔ چوہدرانی نے بتایا کہ یہ عورت جیداں بھی مقتول سے ملتی ملاتی رہتی تھی اور یقیناً مقتول اس کو پیغام رسانی کے واسطے یا کسی اور کام کے واسطے استعمال کیا کرتا تھا..... میں نے اس عورت کو اپنے دماغ میں نوٹ کر لیا۔ اس کو تو ضرور ہی شاملِ تفتیش کرنا تھا اور مجھ کو پوری امید تھی کہ اس سے کوئی نہ کوئی اشارہ یا سراغ ضرور مل جائے گا۔

دن کا پچھلا پہر بھی گزرا جا رہا تھا اور ابھی تک پوسٹمارم کی رپورٹ اور لاش نہیں آئی تھی۔ میں نے بہتر سمجھا کہ مقتول کی چھوٹی بیوی کو بھی دیکھ کر تھوڑی سی پوچھ گچھ کر لوں۔ چوہدرانی کو کہا کہ وہ جائے اور اس لڑکی کو بھیج دے۔

''اس لڑکی کو میری سوکن نہ سمجھیں''۔۔۔ چوہدرانی نے اٹھتے ہوئے کہا۔۔۔ ''سوکن بہت برا لفظ ہے۔ اس لڑکی کو میں اپنی بیٹی اور وہ مجھ کو اپنی ماں سمجھتی ہے۔ ہم دونوں کے اس تعلق پر عورتیں اور دوسرے سننے والے بھی حیران ہوا کرتے ہیں لیکن یہ سب اللہ کا کرم ہے کہ ہم دونوں نے گھر میں امن اور سکون رکھا ہوا ہے۔ میں نے تو بڑی مدت سے اپنا دھیان اللہ کی طرف کیا ہوا ہے''۔

چوہدرانی کے جانے کے پندرہ بیس منٹ بعد ایک بڑی ہی خوبصورت اور نوجوان لڑکی میرے سامنے آئی۔ میں نے اس کو بٹھا لیا۔ اس کے چہرے پر خوف صاف نظر آ رہا تھا اور میں اس کے ہاتھوں کی ہلکی ہلکی حرکتوں سے دیکھ رہا تھا کہ وہ بے چینی محسوس کر رہی ہے۔ یہ گھبراہٹ کی شدت کی نشانی ہوتی ہے۔ اس کا یہ خوف اور یہ گھبراہٹ کم کرنے کے واسطے میں نے اس کے ساتھ ہمدردی اور دوستی کے لہجے میں باتیں شروع کر دیں۔ ایک افسوس تو اس پر کیا کہ اس کے ماں باپ نے اس کی زندگی تباہ کر دی ہے۔ یہ بھی کہا کہ اچھا ہوا ایک سال بعد ہی اس کو اس زیادہ عمر کے خاوند سے نجات مل گئی۔

وہ بالکل خاموش میرے منہ کی طرف دیکھتی اور چپ رہی۔ میں اس کے اعصاب کا تناؤ اور کھچاؤ ختم کرنے کے واسطے ایسی باتوں پر آ گیا جن کا اس واردات کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا۔ مجھ کو یہ خیال بھی آ گیا کہ اس لڑکی کے دل پر یہ ڈر بھی ہوگا کہ وہ ایک تھانیدار کے رحم و کرم پر ہے اور یہ تھانیدار اس کے ساتھ کوئی نازیبا حرکت بھی کر سکتا ہے۔ میں نے یہ ذہن میں رکھ کر اس کے ساتھ ایسی باتیں شروع کر دیں جن سے اس کا یہ خوف رفع ہو سکتا تھا۔

میں اس لڑکی کا الگ تھلگ بیان نہیں لکھوں گا اور اس سے جو سوالات پوچھے وہ بھی نہیں لکھوں گا اس واسطے کہ بڑی چوہدرانی نے مجھ کو تقریباً ہر بات بتا دی تھی اور پردہ ذرا سا بھی نہیں رہنے دیا تھا۔ میں چوہدرانی کی ساری باتیں دماغ میں رکھ کر اس لڑکی سے پوچھ گچھ کرنے لگا۔ وہ ہر بات کی تائید اور تصدیق کرتی چلی جا رہی تھی۔

اس نے اس بات کی بھی تصدیق کر دی کہ وہ جب بیاہی ہوئی اس گھر میں آئی تھی تو چوہدرانی کے پاس بیٹھ کر بہت روئی اور وہی باتیں کہی تھیں جو سب چوہدرانی کی زبان سے سنا چکا ہوں۔ اس نے کوئی شک نہ رہنے دیا کہ وہ دل و جان سے چوہدرانی کی خدمت کرتی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تھی اور اس کے دل میں ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا کہ اس گھر کی ملکہ بنے گی۔ چوہدرانی کو تو وہ دعائیں دیتی تھی جس نے اس کو اس گھر میں پیار اور سکون سے رکھا۔ اس نے وہ واقعہ بھی سنا دیا جو چوہدرانی نے مجھ کو سنایا تھا کہ رات کو ایک عورت کو اوپر والے کمرے میں جا پکڑا تھا اور مقتول نے ان دونوں بیویوں کو بہت گالیاں دیں اور نئی بیوی کے منہ پر تھپڑ مارا تھا۔

میں نے مقتول کے بیٹے کی بابت پوچھا کہ وہ اس پر بری نظر رکھتا ہوگا لیکن نئی بیوی نے بڑی سختی سے اس کی تردید کی اور کہا کہ اس لڑکے نے کبھی کوئی ایسی ویسی حرکت نہیں کی تھی اور اس کے ساتھ پورے احترام سے پیش آتا تھا۔ میں نے اپنے تجربے کے مطابق اپنی استادی چلائی اور اس لڑکی سے کوئی خاص بات اگلوانے کی بہت کوشش کی لیکن اس کی زبان سے کوئی ایسی بات نہ نکلی جو مجھ کو کوئی اشارہ دیتی۔ اس کا سارا بیان اور میرے سوالوں کے جواب میں اس نے جو کچھ بھی کہا اور وہ سب چوہدرانی کے بیان کی تصدیق کرتا تھا۔

اس کے باوجود میں نے اس لڑکی کو اپنے شک اور شبہے کے دائرے میں رکھا۔ تفتیش میں کسی کی زبان پر اور الفاظ پر اعتبار کر لینا تفتیش کے واسطے نقصان کا باعث بنتا ہے۔ یہ تو لڑکے کی ماں نے کہا تھا کہ اس کا لڑکا اس لڑکی کو ماں کا درجہ دیتا تھا اور پھر اس لڑکی نے کہا کہ لڑکا اس کا احترام کرتا تھا لیکن یہ تو کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ در پردہ یہ لڑکا یعنی مقتول کا بیٹا اور مقتول کی چھوٹی بیوی آپس میں کس طرح رہتے اور ان کا کیسا تعلق تھا۔ میں مان نہیں سکتا تھا کہ اتنے امیر چوہدری کا اکلوتا بیٹا اتنا شریف تھا کہ گھر میں اس نے ایک نوجوان لڑکی کے ساتھ کوئی غلط حرکت نہیں کی ہوگی۔ یہ میں نے اپنے ذرائع سے معلوم کرنا تھا۔

جنات نے چوہدری کو قتل کر دیا

اس لڑکی کو میں نے اب فارغ ہی کرنا تھا کہ اتنے میں باہر گلی میں کچھ شور سا سنائی دینے لگا۔ پتہ لگا کہ لاش آ رہی ہے۔ میں نے لڑکی کو جانے کے واسطے کہہ دیا۔ چند منٹ بعد ہیڈ کانسٹیبل میرے پاس آیا اور اس نے پوسٹمارٹم رپورٹ دی۔

رپورٹ میں وہی زخم لکھے گئے تھے جو میں نے دیکھے تھے۔ موت کا وقت رات ساڑھے دس بجے کے لگ بھگ لکھا گیا تھا۔ اہم بات جو رپورٹ میں سامنے آئی میں اسی

کا منتظر تھا۔ ڈاکٹر نے صاف الفاظ میں لکھا تھا کہ مقتول کسی عورت کے پاس نہیں گیا اور اس کے جسمانی اعضاء اس رپورٹ کی صحیح گواہی دیتے ہیں۔ مطلب یہ کہ مقتول کی کسی عورت کے ساتھ ملاقات ہوئی ہی نہیں تھی۔ اب تو پکی تصدیق ہوگئی کہ جہاں سے لاش برآمد ہوئی تھی وہاں کوئی عورت موجود نہیں تھی۔ اگر کوئی زنانہ کھرا مل جاتا تو میں کہہ سکتا تھا کہ مقتول اور یہ عورت اس مکان میں ابھی پہنچے ہی تھے کہ عورت کے لواحقین آ گئے اور انہوں نے مقتول کو قتل کر دیا لیکن یہاں پھر وہی بات آتی ہے کہ انہوں نے عورت کو کیوں چھوڑ دیا۔ عورت کا اس مکان میں آنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے آئی ہے۔

میں اب تھانے جانا چاہتا تھا لیکن نمبردار نے میرے واسطے اور میری پولیس پارٹی کے واسطے کھانے کا انتظام کیا ہوا تھا۔ ہم نے کھانا کھایا اور تھانے چلے گئے۔ نامابا ہر حاضر رہا۔ میں اس کو اپنے ساتھ لے گیا۔ تھانے جا کر میں نے آرام کی بالکل نہیں سوچی۔ کھانا کھا لیا تھا۔ میں کسی نہ کسی سراغ پر جلدی سے جلدی پہنچنے کی کوشش میں تھا اور نامامیری بہت مدد کر سکتا تھا۔ تھانے جا کر نامے کو اپنے پاس بٹھا لیا۔ ایک بات جو تفتیش کے ساتھ تعلق رکھتی ہے بتاتا ہوں۔ مخبروں کو میں نے کبھی کوئی راز کی بات نہیں بتائی تھی مثلاً یہ کہ جائے وقوعہ سے کیا ملا یا کس سے مجھ کو کیا پتہ چلا وغیرہ۔ ان مخبروں کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا تھا۔ کھوجی کو بھی میں نے سختی سے کہا ہوا تھا کہ وہ کھروں کی بابت کسی کو نہ بتائے کہ کیسے کھرے ملے ہیں اور یہ کس کے ہو سکتے ہیں۔ ایسے راز کھل جانے میں خطرہ یہ ہوتا ہے کہ ملزم تک بات پہنچ جاتی ہے۔

نامے کو میں نے یہی تاثر دیا کہ اس مکان میں ایک عورت بھی موجود تھی لیکن یہ پتہ نہیں لگا کہ وہ کہاں گئی اور کون تھی۔ نامے کو میں نے یہ بھی نہ بتایا کہ کھرے کیسے ملے ہیں اور ان میں کوئی زنانہ کھرا نہیں۔

''مجھ کو معلوم ہے نامے!''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''تم چوہدری کے راز دار تھے۔ تمہیں ضرور ہی معلوم ہوگا کہ یہ عورت کون تھی۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ چوہدری نے کون کون سی عورت کے ساتھ دوستی لگائی ہوئی ہے''۔

نامے نے انہی دو عورتوں کے نام بتائے جو مجھ کو چوہدرانی سے معلوم ہو چکے تھے۔ اس نے جیداں کا نام نہ لیا۔ میں نے دو چار اور باتیں کیں اور پھر میں نے خود جیداں کا نام

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لے کر پوچھا کہ اس کے ساتھ کیا چوہدری کا تعلق نہیں تھا؟

''بڑا زبردست تعلق تھا جی!''۔۔۔ نامے نے جواب دیا۔۔۔ ''میں نے اس کا نام اس واسطے نہیں لیا تھا کہ یہ دوستی والا تعلق نہیں تھا بلکہ جیداں کو چوہدری بتاتا تھا کہ آج رات فلاں عورت کو میرے پاس بھیج دینا۔ جیداں پیغام پہنچا دیتی تھی..... جیداں کی استادی تک کوئی نہیں پہنچ سکتا جناب!''

''اس عورت کو بھی جیداں نے ہی اس مکان میں آنے کا پیغام دیا ہوگا''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''مجھ کو امید ہے کہ جیداں سے پتہ لگ جائے گا''۔

''جیداں کے ساتھ میری بڑی اچھی سلام دعا ہے''۔۔۔ نامے نے کہا۔۔۔ ''میں خود پوچھ لوں گا..... میں یہ بات نہیں سمجھ سکا کہ چوہدری نے اس عورت کو اپنے گھر کیوں نہیں بلوایا؟ اس ویران گرے ہوئے مکان میں کیوں بلایا؟ مجھ کو معلوم ہے کہ چوہدری جس عورت کو چاہتا تھا اپنے کمرے میں بلا لیتا تھا''۔

''اس بات پر تو میں بھی حیران ہوں جناب!''۔۔۔ نامے نے کہا۔۔۔ ''میرا خیال ہے کہ یہ پہلا موقع ہے کہ چوہدری نے ایسا کیا ہے''۔

''شیرے کو کچھ معلوم ہوگا!''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''تم شام کو چوہدری کے گھر گئے ہو گے!''

''نہیں جناب!''۔۔۔ نامے نے جواب دیا۔۔۔ ''میں نے تو آج سارا دن چوہدری صاحب کی صورت بھی نہیں دیکھی''۔

یہ میں نے اس واسطے پوچھا تھا کہ مقتول کی حیثیت کے لوگوں کے چمچے اور باڈی گارڈ شام کو روزمرہ ان کے ہاں جاتے تھے اور جب وہ شخص اجازت دیتا تو اپنے گھروں کو جاتے تھے۔ ان لوگوں کی یہی حرکتیں ان کی آمدنی کا ذریعہ ہوتی تھیں۔

''ایک بات دل میں آتی ہے جناب!''۔۔۔ نامے نے ذرا جھجکتے ہوئے کہا۔۔۔ ''سمجھ نہیں آتی کہ یہ بات زبان پر لاؤں یا نہ لاؤں..... اگر آپ اجازت دیتے ہیں تو کہہ دیتا ہوں اور آپ مجھ کو ایک جاہل بندہ سمجھ کر سن لیں''۔

میں نے اس کو کہا کہ اس کے دل میں جو کچھ بھی آتا ہے وہ میرے آگے رکھ دے۔ اس نے بات یہ بتائی کہ تقریباً ڈیڑھ مہینہ پہلے مقتول نے اس کو بتایا تھا کہ وہ گھوڑی پر ایک

گاؤں کسی کے مدعو کرنے پر گیا تھا۔ چوہدری نے گاؤں نہیں بتایا تھا۔ مقتول چوہدری دوپہر کے وقت واپس آ رہا تھا کہ راستے میں ایک درخت کے نیچے ایک درویش سا آدمی بیٹھا دیکھا۔ اس درویش کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ کسی تکلیف میں ہے۔ درویش نے ہاتھ کے اشارے سے مقتول کو روکا۔

مقتول صرف رکا ہی نہیں بلکہ گھوڑی سے اتر کر اس درویش کے پاس چلا گیا اور پوچھا کہ اس نے اس کو کیوں روکا ہے، کیا وہ کسی تکلیف میں مبتلا ہے؟..... درویش نے بتایا کہ اسے بڑا تیز بخار ہے اور وہ بڑی شدت سے پیاسا بھی ہے اور وہ شہر پہنچنا چاہتا ہے۔

درویش سے ٹھیک طرح بولا نہیں جاتا تھا۔ مقتول نے اس کو اٹھایا اور اپنی گھوڑی پر سوار کر لیا۔ خود گھوڑی کی باگ پکڑ لی اور پیدل چل پڑا۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایسی حیثیت کے آدمی کی یہ مہربانی دیکھ کر درویش اس کا کتنا زیادہ مشکور ہوا ہوگا۔ مقتول اس کو قصبے میں اپنے گھر لے آیا اور سب سے پہلے اس کو پانی پلایا پھر کہا کہ وہ جو کچھ کھانا چاہتا ہے بتا دے، وہی حاضر کیا جائے گا۔

درویش نے کہا کہ وہ تھوڑا سا دودھ پینا چاہتا ہے، کھائے گا کچھ بھی نہیں اور پھر اس کو دوائی کی ضرورت ہے..... مقتول نے اسی وقت نوکر کو بلا کر کہا کہ دودھ لے آئے۔ دودھ آیا جو درویش نے پیا اور مقتول نے اس کو پھر گھوڑی پر بٹھایا اور ایک ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔ ڈاکٹر نے درویش کا بخار دیکھا پھر اس کا معائنہ کیا اور دوائی دے دی۔

مقتول چوہدری نے درویش کو کہا کہ وہ اس کے گھر چلے اور صحت یاب ہونے تک وہیں رہے لیکن درویش نہ مانا۔ اس نے کہا کہ وہ آگے ایک اور گاؤں جانا چاہتا ہے جہاں شام سے پہلے پہنچنا ضروری ہے۔

مقتول نے اس کو کہا کہ وہ گھوڑی دے کر اپنے نوکر کو ساتھ بھیجے گا اور وہ درویش کو اس گاؤں چھوڑ آئے گا لیکن درویش نے یہ پیشکش قبول نہ کی اور کہا کہ اس گاؤں تک تانگے جاتے ہیں اور وہ تانگے میں بیٹھ جائے گا۔ مقتول نے ایک تانگے والے کو بلوایا اور درویش کو اس پر سوار کرا دیا۔ تانگے والے نے کہا کہ وہ چار اور سواریاں اس طرف کی بٹھا کر روانہ ہو جائے گا۔ چوہدری نے تانگے والے کو پیسے دینے لگا تو درویش نے اس کو روک دیا اور کہا کہ وہ ایسا احسان قبول نہیں کرے گا اس واسطے کہ وہ بھکاری نہیں، اللہ نے اس کو بھی کچھ دیا

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ یہ بات کہہ کر درویش اس طرح چونک پڑا جیسے اس کو کوئی بات یاد آ گئی ہو۔ وہ تانگے سے اتر آیا اور چوہدری کو ذرا ایک طرف لے گیا۔

''بخار نے تو میرا دماغ ماؤف کر دیا ہے''۔۔۔ درویش نے کہا۔۔۔ ''آپ کہیں گے کہ کس احسان فراموش آدمی سے پالا پڑا تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھ کو تھوڑی سی روحانی طاقت عطا فرمائی ہے۔ اچانک اشارہ ملا ہے۔ مجھ کو اس دنیا کا کوئی لالچ نہیں، اگر آپ کو کچھ فائدہ پہنچ سکتا ہے تو میری روح بھی خوش ہو جائے گی۔ آپ نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ آپ نہیں جانتے کہ اس وقت میری حالت نزع جیسی ہو رہی تھی جب آپ نے مجھ کو گھوڑی پر بٹھایا اور پھر گھر لا کر پانی پلایا۔ اگر دو تین منٹ اور مجھ کو پانی نہ ملتا تو میں اگر مر نہ جاتا تو بے ہوش ضرور ہو جاتا''۔

مقتول نے کہا کہ اس نے اپنا انسانی فرض ادا کیا ہے اور اس پر کوئی احسان نہیں کیا لیکن درویش نے کہا کہ وہ اس کو اس نیکی کا کچھ صلہ دینا چاہتا ہے، ایسا نہ ہو کہ اللہ اس کا نام خود غرض لوگوں میں لکھ لے اور پھر وہ گناہگار کہلائے گا۔ درویش نے ایک مکان کی نشاندہی کی اور مقتول کو بڑی صاف نشانیاں بتائیں جن میں یہ نشانی بھی تھی کہ مکان اجڑا ہوا اور گرا ہوا ہے اور اس کے تین کمروں کی دو چھتیں بیٹھی ہوئی ہیں اور ایک چھت صرف ایک طرف سے تھوڑی سی گری ہوئی ہے۔

درویش نے یہ نشانیاں آنکھیں بند کر کے ایسے انداز سے بتائیں جس سے پتہ لگتا تھا کہ وہ مراقبے میں چلا گیا ہے یا کوئی ایسی طاقت ہے جو اس کے وجود میں اتر آئی ہے اور وہ طاقت بول رہی ہے۔

نامے نے مجھ کو سنایا کہ مقتول چوہدری نے اس کو یہ ساری بات سنائی تھی اور یہ بھی کہا تھا کہ درویش نے یہ بھی کہا وہ مکان مقتول کے مکان سے زیادہ دور نہیں۔ مقتول نے درویش سے پوچھا کہ اس مکان میں کیا ہے اور وہ اس کو کیوں اس کی نشانیاں بتا رہا ہے!

درویش نے کہا کہ اس مکان کے اس کمرے میں جس کی چھت ایک کونے سے تھوڑی سی گری ہوئی ہے۔ خزانہ مدفون ہے۔ درویش نے یہ بھی کہا کہ اس خزانے کا ان کو بھی علم نہیں تھا جو کبھی اس مکان میں رہتے تھے اور یہاں سے چلے گئے تھے۔ درویش نے کہا کہ یہ سارا علاقہ کبھی خالی ہوا کرتا تھا اور ایک بادشاہ کا یہاں سے گزر ہوا تو اس نے اپنا کچھ

خزانہ یہاں دفن کروایا تھا اور پھر آگے چلا گیا تھا اور ایک لڑائی میں خود بھی مارا گیا اور جن سے اس نے خزانہ دفن کروایا تھا وہ بھی مارے گئے۔

درویش نے چوہدری کو بتایا کہ ایسے خزانے چھپے نہیں رہتے، کسی نہ کسی اپنے پیارے بندے کو اللہ ان کی نشاندہی کر دیتا ہے لیکن اللہ کے یہ بندے ایسے خزانوں کے ساتھ کوئی غرض نہیں رکھتے۔ درویش نے چوہدری کو ساری نشاندہی کر کے خبردار کیا کہ جہاں خزانہ ہو گا وہاں زہریلا سانپ بھی ہو گا اور جنات بھی۔ یہ سن کر مقتول چوہدری نے درویش سے پوچھا کہ ان خطروں کی موجودگی میں وہ خزانہ کس طرح نکالے گا؟

درویش نے کہا کہ قلم اور کاغذ لے آؤ میں ایک تعویذ لکھ دوں گا اور جب اس مکان میں جاؤ تو یہ تعویذ تمہاری جیب میں ہونا چاہئے..... مقتول نے اسی وقت ایک آدمی سے پین لیا اور کاغذ کا ٹکڑا بھی کہیں سے لے آیا۔ درویش نے آنکھیں بند کر کے کچھ دیر خاموشی اختیار کئے رکھی اور پھر منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ کر ایک تعویذ سا لکھا اور اسے بند کر کے مقتول کو دیا اور کہا کہ وہ وہ ڈیڑھ مہینے بعد رات کے وقت اس مکان میں جائے اور صرف دیکھ کر واپس آ جائے۔ ہو سکتا ہے اس کو کوئی اشارہ ملے۔ اشارہ ملے یا نہ ملے، چوہدری تیسری رات پھر وہاں جائے اور اس کو کسی نہ کسی اشارے سے پتہ چل جائے گا کہ کہاں سے فرش کھودنا ہے۔

نانا مجھ کو یہ عجیب وغریب کہانی سنا رہا تھا اور میں سنتے ہوئے کبھی مسکرا دیتا اور کبھی سنجیدگی سے سوچتا کہ یہ بات سچ بھی ہو سکتی ہے یا نہیں۔ میں نے نانے سے پوچھا کہ چوہدری نے اس کو اور شیرے کو بتایا ہو گا اور یہ بھی کہا ہو گا کہ مقررہ دن یہ دونوں اس کے ساتھ جائیں۔

''نہیں جناب!''۔۔۔ نانے نے کہا۔۔۔ ''مجھ کو چوہدری نے یہ بات بتا دی تھی اور ساتھ یہ بھی کہا کہ درویش نے خبردار کیا تھا کہ دوسرا بندہ ساتھ نہ ہو ورنہ نقصان ہو گا۔ اس کے بعد چوہدری نے کبھی اس خزانے کا ذکر نہیں کیا تھا۔ مجھ کو شک ہوتا ہے کہ چوہدری یہی خزانہ دیکھنے گیا تھا اور اس کو امید ہو گئی تھی کہ کوئی اشارہ ملے گا لیکن جنات نے اس کا پیٹ چاک کر کے وہیں مار ڈالا..... جناب عالی! میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بات سچ ہے، میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ چوہدری صاحب نے مجھ کو یہ بات سنائی تھی، اس واسطے شک ہے کہ وہ اس

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

خزانے کے لالچ میں اس مکان میں گئے تھے۔ اگر وہ کسی عورت سے ملنے گئے تھے تو ملاقات کی وہ جگہ نہیں تھی۔ چوہدری صاحب کے پاس اپنا الگ اور محفوظ کمرہ تھا''۔

میری سروس میں یہ پہلا موقع تھا کہ تفتیش میں کسی مخبر نے یا کسی اور شخص نے مجھ کو اس قسم کی بات بتائی ہو اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہو کہ قتل کا باعث یہ ہو سکتا ہے اور قاتل کوئی انسان نہیں بلکہ جنات یا اس مخلوق جیسی کسی مخلوق نے یہ واردات کی ہے۔ میں نے نامے کی اس بات کو بالکل نظر انداز نہ کیا اور اس کو کچھ نہ کچھ اہمیت ضرور دی۔

یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ نامے نے اتنی سی ہی بات نہیں کی جو میں نے لکھی ہے۔ اس کی بات بہت لمبی تھی اور اس نے اپنی رائے یہ دی تھی کہ مقتول دولت کا لالچ رکھنے والا آدمی تھا اور اس نے ضرور یہ کام کیا ہوگا کہ اس مکان میں جا کر دیکھے کہ، شاید خزانہ مل ہی جائے۔

میں نے نامے کی اس رائے کو اور جواز کو تسلیم کر لیا تھا۔ خزانہ ایک ایسی چیز ہے جو بڑے عقلمند لوگوں کے دماغ بھی خراب کر دیتا ہے لیکن میں اَن پڑھ اور پسماندہ آدمی نہیں تھا کہ یہ بھی تسلیم کر لیتا کہ مقتول کو جنات نے قتل کیا ہے۔ میں انگریزوں کا ملازم تھا اور انگریز توہمات کو نہیں مانتے تھے۔ وہ مانتے تو پھر تھانیدار کسی بھی قتل کو یہ کہہ کر داخل دفتر کر دیتا کہ یہ تو جنات نے کیا ہے۔

میں نے نامے کی اس بات کو مشکوک قرار دے کر رَد کر دیا۔ اپنے خیال میں اس امکان کو قائم رکھا۔ نامے نے کہا کہ اگر وہاں کوئی عورت ہی گئی تھی تو وہ بھی موجود ہے۔ اس نے ایک جوان عورت کا نام لیا جس کا خاوند دکاندار تھا۔ اس نے جب نشانیاں وغیرہ بتائیں تو مجھ کو یقین ہو گیا کہ وہی عورت ہے جس کو مقتول کی دونوں بیویوں نے اپنے گھر اوپر والے کمرے میں پکڑا تھا۔ نامے کو یہ بھی معلوم تھا کہ مقتول کی بیویوں نے کس طرح پکڑا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اس کو کس طرح پتہ پکڑا تھا۔ اس نے بتایا کہ مقتول چوہدری نے اس کو بتایا تھا اور مقتول اس کو ایسی ہر بات بتایا کرتا تھا۔

''مجھ کو ایک خیال آتا ہے''۔۔۔ نامے نے کہا۔۔۔ ''چونکہ اس عورت کو چوہدری صاحب کی بیویوں نے گھر میں پکڑ لیا تھا اس وجہ سے چوہدری نے اس عورت کو اس مکان میں بلا لیا ہوگا''۔

میں اس کی بابت بڑی چوہدرانی سے سن چکا تھا اور اس کے خاوند کی بابت معلوم ہوا تھا کہ بزدل اور بے غیرت سا آدمی ہے۔ میں نے یہ بات نامے کو بتائی تو اس نے ایک اور ہی بات بتا دی۔

ایک عورت تو مان گئی لیکن.....

نامے نے کہا کہ اس عورت کا خاوند تو مٹی کا مادھو ہے لیکن اس شخص کا ایک بھائی اپنے آپ کو بڑا بدمعاش سمجھتا ہے۔ نامے کو اس بھائی پر شک تھا کہ اس کو پتہ لگ گیا ہوگا کہ اس کی بھابی چوہدری کے ساتھ تعلق جوڑے ہوئے ہے اور اس کے پاس جاتی ہے۔ اس نے ایسا ضرور کیا ہے کہ اس کو پتہ لگ گیا کہ وہ چوہدری کے پاس جا رہی ہے اور جا کر چوہدری کو قتل کر دیا۔

''اس شخص کی بابت پہلے تو میں شک میں تھا''۔۔۔ نامے نے کہا۔۔۔ ''اب اس عورت کا اشارہ ملا ہے تو میں ایک بات پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں۔ گزری رات میں ایک طرف سے آ رہا تھا، اپنے گھر کو جانا تھا۔ میں نے اس بھائی کو بڑی تیز تیز آتے دیکھا۔ وہ اس مکان کی طرف سے آ رہا تھا اور بار بار پیچھے دیکھتا تھا۔ اس کی یہ رفتار اور چال اور پھر بار بار پیچھے دیکھنا اور تیز چلتے جانا مجھ کو ایسا مشکوک لگا کہ میں فوراً ساتھ والی گلی میں ہو کر چھپ گیا اور یہ شخص دوسری طرف چلا گیا۔ اگر مجھ کو اس وقت پتہ لگتا کہ یہ قتل کی واردات کر کے آیا تو میں اس کو فوراً پکڑ لیتا''۔

میں نے نامے سے پوچھا کہ وقت کیا ہوگا۔ نامے نے جواب دیا کہ اس کے پاس گھڑی نہیں ہے، دس بجے کے لگ بھگ کا وقت ہوگا..... پوسٹمارٹم رپورٹ میں موت کا وقت یہی لکھا تھا۔ پھر میں نے نامے سے پوچھا کہ اس بھائی کے ساتھ عورت تو کوئی بھی نہیں تھی۔ نامے نے کا کہ وہ اکیلا تھا اور اس کے ساتھ ہی نامے نے یہ بات کہی کہ ہو سکتا ہے کہ عورت اس کو دیکھ کر بھاگ نکلی یا جب یہ چوہدری کو چاقو مار رہا تھا، عورت کو بھاگ نکلنے کا موقع مل گیا اور وہ دوسری طرف سے اپنے گھر پہنچ گئی۔

نامے کی اس بات کو میں نے صحیح تسلیم کرتے ہوئے سوچا کہ یہ شخص یعنی اس عورت کے خاوند کا بھائی اتنا غیرت مند تھا تو گھر جا کر اس نے اپنی بھابی کو قتل کیوں نہ کر دیا۔ اگر وہ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

قتل نہ کرنا چاہتا تو اس نے اپنے بھائی کو ضرور بتایا ہوگا اور اس عورت کی مار پٹائی ہوئی ہو گی۔ مجھ کو یہ معلوم کرنا تھا کہ اس عورت کے گھر میں کوئی ہنگامہ ہوا تھا یا نہیں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ میں اسی وقت اس عورت کو، اس کے خاوند کو اور خاوند کے بھائی کو تھانے بلا کر شاملِ تفتیش کر لیتا لیکن رات خاصی گزر گئی تھی اور تھکن سے میرا حال بُرا ہو رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ صبح دماغی طور پر تازہ دم ہو کر ان کو تفتیش کی چکی میں ڈالوں گا۔

ایک ہیڈ کانسٹیبل کی یہ ڈیوٹی لگائی کہ ان تینوں کو وہ صبح سویرے تھانے حاضر کر دے اور پھر میں اپنے گھر چلا گیا۔

میں دوسرے دن معمول سے زیادہ سویرے تھانے جا پہنچا۔ یہ تینوں ابھی ابھی وہاں آئے تھے۔ میں نے عورت کو اپنے دفتر میں بٹھا لیا۔ اس کی عمر 30 سال سے شاید ایک آدھ سال کم تھی اور وہ خوبصورت عورت تھی۔ اس کا رنگ گورا تو نہیں تھا لیکن ذرا گندمی تھا اور جوانی کی چمک ایسی تھی کہ یہ رنگ بہت ہی بھلا لگتا تھا۔ باقی حسن اس کے جسم کی بناوٹ میں تھا۔ میں نے پہلے اس کا چہرہ غور سے دیکھا۔ یہ ایک چالاک اور ہوشیار عورت کا چہرہ تھا۔ اس چہرے پر گھبراہٹ اور نہ جانے کیسا کیسا تاثر غالب تھا لیکن اس تاثر سے اس کی فطری چالاکی چھپ نہیں سکتی تھی۔

میں نے دفتر میں داخل ہوتے ہوئے اس کے خاوند کو بھی دیکھا تھا اور اس کے بھائی کو بھی۔ اس عورت سے پوچھا کہ یہ جو باہر دو آدمی بیٹھے ہوئے ہیں ان میں اس کا خاوند کون سا اور بھائی کون سا ہے۔ اس نے بتایا کہ فلاں رنگ کے کپڑوں والا گول مٹول اور چھوٹے قد والا شخص اس کا خاوند ہے۔ میں جان گیا کہ یہ عورت اس قسم کے خاوند کو پسند کر ہی نہیں سکتی۔ اس شخص کے مقابلے میں اس کا چھوٹا بھائی دراز قد اور کچھ خوبرو تھا۔ میں نے ایک ہی نگاہ میں دونوں کو دیکھ لیا تھا۔ اس عورت کو اس دیور کی بیوی ہونا چاہئے تھا۔

''مجھ کو آپ نے کیوں بلایا ہے؟''۔۔۔ اس عورت نے کہا۔۔۔ ''میں تو کہیں کی نہیں رہی۔ آپ مجھ کو چوری چھپے الگ بلا لیتے اور جو پوچھتے ہیں بتا دیتی''۔

میں نے اس کو بڑے اچھے لہجے میں بتایا کہ ایک آدمی قتل ہو گیا ہے اور انگریزوں کا قانون اتنا سخت ہے کہ میں قاتل کو نہ پکڑ سکوں تو انگریز میری وردی اتار کر مجھ کو تھانے سے باہر پھینک دیں گے۔ میں نے اس کو یہ بھی کہا کہ وہ ہر بات بالکل سچ بتا دے تو میں اس کی

عزت پر پردہ ڈال لوں گا اور مشہور کر دوں گا کہ یہ تو بڑی نیک عورت ہے، اور اگر اس نے جھوٹ بولا اور مجھے چکر دینے کی کوشش کی تو پھر وہ اس تھانے سے واپس گھر نہیں جا سکے گی اور بتا نہیں سکتا کہ اس کے ساتھ اس کے خاوند اور دیور کا کیا حشر ہوگا۔

''پہلی بات یہ بتاؤ''۔۔۔ میں نے پوچھا۔۔۔ ''چوہدری اکرم کے ساتھ تمہارا در پردہ تعلق تھا؟''

اس نے آہستہ سے سر اوپر نیچے ہلا کر اقرار کیا کہ مقتول کے ساتھ اس کا تعلق تھا۔ پھر یہ پوچھا کہ تھوڑا ہی عرصہ پہلے مقتول کی بیویوں نے اس کو ان کے گھر کے اوپر والے کمرے میں پکڑا تھا؟..... اس کا بھی اس نے اقرار کر لیا۔

میں نے اس کی کلائیاں دیکھیں۔ اس نے چوڑیاں تو چڑھا رکھی تھیں لیکن اس رنگ کی ایک بھی چوڑی نہیں تھی جس رنگ کی چوڑیوں کے ٹکڑے جائے وقوعہ سے ملے تھے۔ یہ تو مجھ کو یقین تھا کہ وہاں کوئی عورت نہیں گئی تھی۔ اس یقین کی وجہ یہ تھی کہ وہاں کوئی زنانہ کھرا نہیں تھا۔ اب میں نے سوچا کہ وہاں کھروں کا ہجوم تھا اور کھرے گڈمڈ بھی تھے، یہ بھی تو ممکن ہے کہ زنانہ کھرے ان کھروں میں دب گئے ہوں۔ یہ سوچ کر میں نے اس عورت سے ایک سوال پوچھنا ضروری سمجھا۔ اس عورت کا نام میری ڈائری میں نہیں لکھا ہوا اس واسطے میں اس کو زرینہ لکھوں گا۔

''شاباش!''۔۔۔ میں نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا۔۔۔ ''اب بھی جھوٹ نہ بولنا پھر دیکھو گی کہ میں تم پر کس طرح پردے ڈالتا ہوں..... گذشتہ رات تم اس گرے ہوئے مکان میں گئی تھی جہاں چوہدری اکرم کی لاش پڑی ملی تھی!''

''نہیں..... نہیں!''۔۔۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ آگے کر کے اور زور زور سے ہلاتے ہوئے بڑے ہی جوشیلے لہجے میں کہا۔۔۔ ''قرآن کی قسم، اللہ پاک کی قسم، یہ بالکل جھوٹ ہے۔ میں وہاں نہیں گئی۔ میں نے اتنی شرم والی بات آپ کو ٹھیک بتا دی ہے کہ چوہدری کے ساتھ میری ناجائز دوستی ہے۔ اس سے آگے اور کیا ہوگا۔ اگر یہ سچ ہوتا تو میں بتا دیتی کہ میں چوہدری کے بلانے پر اس مکان میں گئی تھی''۔

اس کے انکار کو میں اتنی جلدی تو تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔ وہ تو تڑپ اور اچھل رہی تھی۔ اس نے پھر یہ بھی کہا کہ چوہدری کے پاس اس مکان میں جانے کی اس کو کیا پڑی تھی جبکہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

چوہدری اپنے کمرے میں بلا لیتا تھا اور وہاں بڑا ہی قیمتی پلنگ اور بہت ہی اچھا بستر تھا۔ چوہدری اس کھنڈر میں جانے والا آدمی نہیں تھا۔ اس کے نیچے والے اور اوپر والے کمرے کے فرشوں پر دریاں اور قالین بچھے ہوئے ہیں۔ وہ بھلا اس اجڑے ہوئے ویران مکان میں کیوں جاتا!

زرینہ کے انکار کا انداز اور اس کا اس طرح تڑپنا صاف بتا رہا تھا کہ یہ سچ کہہ رہی لیکن میں ابھی اس پر اعتبار نہیں کر رہا تھا۔ میں نے اور زیادہ دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔

''اور پھر گئی رات تو میں گھر سے نکل ہی نہیں سکتی تھی'' ___ اس نے کہا ___ ''میرا دیور باہر بیٹھا ہے۔ اس سے پوچھ لیں۔ کل شام کھانے کے بعد اس کو الٹیاں شروع ہو گئیں۔ اس کو میں نے دارچینی اور پودینے کا قہوہ بنا کر پلایا لیکن الٹیاں کم نہ ہوئیں۔ اس کا بھائی جو میرا خاوند ہے، دوڑا گیا اور حکیم کو بلا لایا۔ حکیم نے اس کو دوائی دی اور تب دیکھا کہ اس کو تو بڑا تیز بخار بھی ہے.....

''اس کی اپنی بیوی مر گئی ہے۔ اس کی ہم دوسری شادی کریں گے۔ میں اس کا سر دباتی رہی اور جو کچھ بھی کہتا تھا کرتی رہی اور اس کی الٹیاں کم ہو گئیں۔ اسی طرح آدھی رات ہو گئی۔ یہ سویا تو پھر میں سوئی۔ ہمیں تو اس کی پریشانی پڑ گئی تھی۔ بھلا اس حالت میں یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ میں اپنی عیش موج کے واسطے اپنے یار کے پاس چلی جاتی''۔

زرینہ نے یہ تو بڑی قیمتی بات کہہ دی تھی۔ نامے نے مجھ کو بتایا تھا کہ اس نے اس شخص کو واردات والے مکان کی طرف سے آتا دیکھا تھا اور یہ پیچھے کو دیکھتا ہوا بہت تیز چل رہا تھا۔ اب یہ میں نے دیکھنا تھا کہ سچا کون ہے..... زرینہ یا نامہ۔

میں نے زرینہ سے اس حکیم کا نام پوچھ لیا جس کو اس کا خاوند گھر لایا تھا۔ پھر میں نے اس کو کہا کہ تمہیں باہر بٹھاتا ہوں۔ پوری تحقیقات کروں گا اگر تمہاری یہ بات جھوٹ نکلی تو پھر مجھ سے کوئی امید نہ رکھنا اور اس انجام کا تم تصور نہیں کر سکتی جس تک تم پہنچو گی۔

''میرے سر پر قرآن مجید رکھ دیں'' ___ زرینہ نے کہا ___ ''پھر ہر طرف سے اور ہر جگہ سے معلوم کر لیں کہ میں کل رات شام کے بعد سے صبح تک کہاں تھی''۔

میں نے ایک ہیڈ کانسٹیبل کو بلایا اور زرینہ کو اس کے حوالے کر کے کہا کہ اس کو الگ بٹھا لو اور اس کے دیور کو اندر بھیج دو..... دیور اندر آیا اور میں نے اس کو اپنے سامنے بٹھا لیا۔

''میری ایک بات کان کھول کر سن لو'' ___ میں نے اس کو کہا ___ ''میں تم پر خواہ مخواہ اور بلاوجہ کوئی الزام نہیں تھوپوں گا۔ میں جو پوچھوں وہ سولہ آنے سچ بتانا، رتی برابر بھی جھوٹ نہ بولنا ورنہ بہت تکلیف اٹھاؤ گے۔ اگر تم نے کوئی غلط حرکت کی ہے اور وہ مجھ کو بالکل سچ بتا دو گے تو میں اس پر مٹی ڈال دوں گا اور تمہیں تھانے سے جانے کی اجازت دے دوں گا''۔

''ایک بات میری بھی سن لیں سرکار!'' ___ اس نے خود اعتمادی اور جرأت سے کہا ___ ''مجھ کو تو یہی بات سمجھ نہیں آئی کہ مجھ کو تھانے کیوں بلایا گیا ہے۔ میں بندہ تو گناہگار ہوں لیکن مجھ کو یہ بتا دیں کہ کس گناہ کے معاملے میں مجھ کو یاد کیا ہے؟''

یہ دیکھ کر مجھ کو اطمینان ہوا کہ یہ شخص گھبرائے اور ڈرے بغیر بول سکتا ہے اور بڑے اثر والے انداز سے بولتا ہے۔ ملزموں اور مشتبہوں کا لہجہ اتنا پختہ نہیں ہوا کرتا۔ یہ لہجہ بڑے پکے اور استاد جرائم پیشہ آدمیوں کا ہوتا ہے یا کوئی سو فیصد سچ بولنے والا شخص اس لہجے میں بولا کرتا ہے۔

''گذشتہ رات دس بجے کے لگ بھگ تم کہاں تھے؟'' ___ میں نے پوچھا۔

''گھر پڑا بخار میں جل رہا تھا'' ___ اس نے جواب دیا ___ ''الٹیاں ذرا کم ہو گئی تھیں اور الٹیاں کر کر کے میرا پیٹ اور سینہ اوپر تلے ہو گئے تھے اور سر درد سے پھٹ رہا تھا''۔

''تم شاید سچ نہیں بول رہے'' ___ میں نے مسکراتے ہوئے کہا ___ ''رات دس بجے کے لگ بھگ تم ایک گلی میں بڑے تیز تیز چلے جا رہے تھے اور بار بار پیچھے دیکھتے تھے..... کیا تم کسی حکیم یا ڈاکٹر کے پاس گئے تھے یا جا رہے تھے کہ اتنی جلدی میں تھے؟''

''آپ چلنے کی بات کر رہے ہیں'' ___ اس نے کہا ___ ''اور وہ بھی تیز تیز..... گذشتہ رات میری حالت یہ تھی کہ میں آہستہ بھی نہیں چل سکتا تھا اور رہی بات کسی ڈاکٹر یا حکیم کے پاس جانے کی تو جناب عالی حکیم مجھ کو دیکھنے گھر آیا تھا..... کیا کسی نے مجھ کو اس گلی میں جاتے دیکھا تھا؟''

''ہاں دیکھا تھا'' ___ میں نے جواب دیا۔

''میں کوئی قسم نہیں کھاؤں گا'' ___ اس نے کہا ___ ''اس آدمی کو جس نے مجھ کو دیکھا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تھا، میرے سامنے لے آئیں، وہ مجھ کو دیکھے، ہوسکتا ہے میری غلط فہمی میں اس نے کسی اور کو دیکھا ہو یا میرے سامنے کہہ دے کہ اس نے مجھ کو ہی دیکھا تھا''۔

مجھ کو حکیم یاد آ گیا۔ میں اٹھا، باہر گیا اور ایک کانسٹیبل کو یہ کہہ کر دوڑایا کہ اس نام کے حکیم کو فوراً ساتھ لے آئے اور ذرا دیر نہ کرے پھر میں اپنے دفتر میں جا کر زرینہ کے دیور کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس نے میرے اگلے سوال کا انتظار کئے بغیر مجھ سے پوچھا کہ یہ معاملہ کیا ہے اور ان تینوں کو کیوں بلایا گیا ہے۔ میں نے اس کو بتایا کہ یہ تفتیش چوہدری اکرم کے قتل کے سلسلے میں ہو رہی ہے۔ اس نے پوچھا کہ اس واردات کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہوسکتا ہے۔

میں نے اس کو صاف الفاظ میں بتایا کہ زرینہ کا تعلق چوہدری اکرم کے ساتھ تھا اور یہ کیسا تعلق تھا اور وہ ضرور جانتا ہوگا اس واسطے کہ یہ ایک مشہور بات تھی۔ اس کا سر جھک گیا اور ذرا دیر بعد اس نے سر اٹھایا۔ اس کے چہرے پر ندامت کا تاثر تھا۔

''مجھ کو معلوم نہیں''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''آپ کہتے ہیں تو مان لیتا ہوں لیکن چوہدری اکرم گئی رات قتل ہوا ہے۔ کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میں نے اس کو قتل کیا ہے اور قتل کی وجہ یہ ہے کہ اس نے میری بھابی کے ساتھ ناجائز تعلق رکھا ہوا تھا؟''

''تم خود عقل مت والے ہو''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''میرا شبہ یہی ہے۔ کیا تم مجھ سے منوا سکتے ہو کہ میرا یہ شبہ غلط ہے؟''

''ہاں جناب عالی!''۔۔۔ اس نے بڑے پختہ لہجے میں کہا۔۔۔ ''اگر چوہدری ایک دن پہلے یا دو چار راتیں پہلے قتل ہوا ہوتا تو مجھ پر شبہہ کیا جا سکتا تھا لیکن گئی رات تو مجھ کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ میں اپنے گھر میں رہا اور زرینہ بھی میری دیکھ بھال اور خدمت خاطر کے واسطے گھر میں رہی۔ میرا بھائی بھی گھر میں رہا۔ آپ اس حکیم کو بلوائیں جو مجھ کو دیکھنے آیا تھا، وہ آپ کو میری حالت بتائے گا اور اس وقت بھی مجھ کو بخار لگتا ہے''۔

میں نے اس کا بازو نبض والی جگہ سے پکڑا تو بازو گرم تھا، بخار لگتا تھا۔ میں سوچ یہ رہا تھا کہ نامی میرے آگے جھوٹ بولنے والا آدمی نہیں تھا۔ مجھ کو شہادت کے ساتھ کہتا تھا کہ گذشتہ رات دس بجے سے کچھ پہلے زرینہ اور اس کا یہ دیور اپنے گھر میں نہیں تھے اور ان کو واردات والے مکان میں سے نکلتے دیکھا گیا تھا۔

بیویوں کے ساتھ راز و نیاز

حکیم آ گیا۔ ادھیڑ عمر اور معزز صورت آدمی تھا۔ اسے دیکھتے ہی میں نے زرینہ کے دیور کو باہر بھیج دیا اور حکیم کو بڑے احترام سے بٹھایا۔ اس سے پوچھا کہ وہ اس شخص کو پہچانتا ہے جو ابھی یہاں سے اٹھ کر گیا ہے؟..... حکیم نے فوراً جواب دیا کہ گذشتہ رات اس کی حالت تو بہت ہی بُری تھی۔ میں نے پوچھا کہ اسے کیا تکلیف ہوگئی تھی؟

''طب کی زبان میں تو ذرا مشکل لفظ ہے''۔۔۔ مجھ کو حکیم کا یہ جواب آج تک یاد ہے، اس نے کہا۔۔۔ ''ڈاکٹر لوگ اس تکلیف کو فوڈ پوراژننگ کہتے ہیں۔ کھائی ہوئی غذا معدے میں جا کر زہر بن جاتی ہے یا قدرتی طور پر اس میں کوئی زہریلا اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ الٹیاں آتی ہیں، رکنی محال ہو جاتی ہیں۔ اس کو جب میں نے دیکھا تو مجھ کو پوری امید نہیں تھی کہ یہ میری دوائی سے سنبھل جائے گا، مجھ کو توقع تھی کہ اس کو ہسپتال بھیجنا پڑے گا۔ میں دوائی دے کر اس کو ایک بار پھر دیکھنے گیا اور کچھ دیر اس کے گھر بیٹھا رہا تھا کہ اپنی دوائی کا اثر دیکھ لوں۔ اللہ نے کرم کیا اور یہ سنبھل گیا۔ اس کو بڑا تیز بخار تھا''۔

میں نے زرینہ کو بلوایا اور حکیم کے سامنے دو منٹ کھڑا کیا اور پھر اس کو واپس بھیج دیا۔ اس کے جانے کے بعد حکیم سے پوچھا کہ اس عورت کو وہ پہچانتا ہے؟..... اس نے فوراً کہا کہ یہ عورت اس گھر میں موجود تھی اور پریشان بھی تھی۔

''مجھ کو آپ نے بلوایا ہے''۔۔۔ حکیم نے کہا۔۔۔ ''سیدھا آپ کے پاس آ گیا، میں اس مریض سے پوچھنا چاہتا تھا کہ اب کیسا ہے۔ اس وجہ سے بھی نہ پوچھا کہ یہ جو تھانے میں بیٹھے ہیں ان کو آپ نے ہی بلوایا ہوگا اور میرا پوچھنا دخل در معقولات نہ بن جائے''۔

میں نے اس کو کہا کہ وہ مریض کو دیکھ لے، میں اس کو اندر بلا لیتا ہوں..... میں نے زرینہ کے دیور کو اندر بلایا اور حکیم نے اس کی نبض دیکھی اور حال پوچھا اور کہا کہ وہ دوائی جاری رکھے، بخار رات جیسا تو نہیں لیکن ابھی کچھ ہے۔

مریض کو میں نے باہر بھیج دیا اور حکیم کے ساتھ دو چار مزید باتیں ہوئیں۔ مجھ کو ایک شک رہ گیا تھا۔ کبھی یوں ہوتا ہے کہ اصل ملزم جائے واردات سے غیر حاضری ثابت کرنے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کے واسطے کوئی پکا بندوبست کر لیتا ہے جو عموماً یہ ہوتا ہے کہ وہ تو اس وقت فلاں آدمی کے گھر بیٹھا یا فلاں جگہ تھا۔ اس صورت میں ملزم متعلقہ آدمی کو کچھ رقم دیتا ہے اور وہ آدمی بڑی پکی گواہی دے دیتا ہے۔ میں نے اس حکیم کو اس شک کی نظر سے دیکھا تو اس میں مجھ کو کوئی ایسی بات نظر نہ آئی۔ وہ صحیح معنوں میں معزز اور دیانتدار آدمی تھا۔

مختصر بات یہ ہے کہ یہ ثابت ہو گیا کہ نہ زرینہ اس مکان میں گئی تھی نہ اس کا دیور۔ اس کے بعد میں نے زرینہ کے خاوند کے ساتھ کوئی بھی بات کرنا مناسب نہ سمجھا۔ ضرورت ہی نہیں تھی۔ اگر اس کی بیوی نے کسی کے ساتھ ناجائز تعلق رکھا ہوا تھا تو یہ گناہ تو تھا لیکن اس کے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں تھا۔ میں نے ان تینوں کو جانے کی اجازت دے دی۔

اب پھر میرے دماغ میں وہی بات اتر گئی کہ جائے وقوعہ پر کوئی عورت گئی ہی نہیں تھی۔ میرا مسئلہ جوں کا توں اور وہیں کا وہیں تھا۔ میں نے ان چند ایک افراد کا ذکر نہیں کیا جو بظاہر معزز کہلاتے ہیں لیکن درپردہ پولیس کے مخبر ہوتے ہیں۔ وہ بھی میرے پاس آنا شروع ہو گئے تھے۔ ان میں سے ایک آ گیا اور اس نے اپنی رپورٹیں دیں لیکن کوئی نئی بات نہ ملی۔ وہ اٹھا تو ایک اور آ گیا جو مقتول کی ہی حیثیت کا آدمی تھا۔ وہ بھی کم و بیش ایک گھنٹہ ضائع کر گیا اور کوئی کارآمد بات برائے تفتیش نہ ملی۔

میری دماغی حالت یہ ہو گئی کہ مجھ کو خیال آنے لگا کہ نامے کی ہی یہ بات ٹھیک نہ ہو کہ مقتول کو جنات نے قتل کیا ہے اور مقتول وہاں خزانے کی تلاش میں گیا تھا...... اتنے میں شیرا از خود ہی آ گیا۔ یہ شخص مقتول کا خاص آدمی تھا۔ جرائم پیشہ کلاس سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا پہلے تعارف کرا چکا ہوں۔ یہ شخص میرا باقاعدہ مخبر تو نہیں تھا جیسا ناما تھا لیکن کبھی کبھار آ جاتا تھا اور ایک آدھ بار اس کو کسی اور واردات کے سلسلے میں میں نے بلایا تھا۔ اب وہ آیا تو اس کو دیکھ کر معلوم نہیں کیوں مجھ کو اطمینان سا ہوا۔

اس نے اپنے آنے کی وجہ یہ بتائی کہ اس کو پتہ لگا تھا کہ زرینہ اور اس کے خاوند اور دیور کو میں نے بلوایا ہے تو وہ چلا آیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ ان کی بابت کوئی خاص بات جانتا ہے؟

اس نے جواب دیا کہ وہ کوئی ایسی بات تو نہیں جانتا جس کا تعلق اس واردات کے ساتھ ہو لیکن زرینہ کے دیور کو جانتا ہے۔ شیرا یہ بتانے آیا تھا کہ زرینہ کا خاوند تو محض رسمی

خاوند ہے۔ زرینہ کا اصل خاوند تو اس کا یہ دیور ہے۔ اس دیور کی شادی ہوئی تھی لیکن ایک ہی سال بعد اس کی بیوی مر گئی۔ اس کا کاروبار اچھا چلتا تھا، زرینہ نے اس کو اپنے جال میں پھانس لیا۔ عورت خوبصورت تھی اور مردوں کو انگلیوں پر نچانا جانتی تھی۔

میں نے کہا کہ اس بات کی تصدیق کیسے ہو سکتی ہے؟...... شیرے نے بتایا کہ ان کے محلے میں یہ ایک مشہور بات ہے اور یہ بھی لوگ جانتے ہیں کہ مقتول چوہدری کے ساتھ بھی اس عورت نے ایسا ہی تعلق رکھا ہوا تھا۔ اس تعلق کو زرینہ کا یہ دیور بھی یقیناً جانتا ہو گا۔

"مجھ کو یہ بتا شیرے!" ___ میں نے پوچھا ___ "کیا اس دیور نے یہ جرأت کی ہو گی کہ چوہدری اکرم کو قتل کر دیتا؟ کیا کوئی ایسا ثبوت ہے کہ یہ شخص اس مکان میں گیا تھا؟"

"یہ دماغ سے نکال دیں" ___ شیرے نے کہا ___ "اس شخص میں اتنی جرأت اور غیرت ہوتی تو کچھ عرصہ پہلے چوہدری کو قتل کر چکا ہوتا۔ خود ہی سوچیں، یہ تو بے غیرت آدمی ہے جس نے بڑے بھائی کی بیوی کو اپنی بیوی بنایا ہوا ہے"۔

میں نے شیرے سے پوچھا کہ ناما کہاں ہے۔ اس نے بتایا کہ وہ مقتول چوہدری اکرم کے گھر ہے۔ وہ اب ماتم والا گھر تھا۔ اس واسطے وہاں کام کاج زیادہ تھے۔ اس وجہ سے میں نے شیرے کو کہا کہ وہ وہاں کیوں نہیں گیا!

"میرا تعلق چوہدری کے ساتھ تھا" ___ شیرے نے جواب دیا ___ "نامے نے چوہدری کے علاوہ اس کی بیویوں کے ساتھ زیادہ گہرا تعلق بنایا ہوا تھا۔ وہ تو اندر جا کر ان کے پاس بیٹھا بھی رہتا تھا"۔

میں نے شیرے کے ساتھ تبادلۂ خیالات شروع کر دیا۔ شیرا نامے سے زیادہ سیانا تھا۔ اس کو کسی طرح پتہ لگ گیا تھا کہ یہ بات مشکوک ہے کہ مکان کے اندر کوئی عورت بھی تھی۔ اس نے بھی وہی بات کہی جو پہلے دوسرے آدمی کہہ چکے تھے۔ وہ یہ کہ چوہدری ایک عورت کو ساتھ لے کر اس مکان میں جانے والا نہیں تھا۔ وہ تو بڑے ہی اونچے بلکہ شاہانہ دماغ کا چوہدری تھا۔ باتیں کرتے کرتے شیرے نے مجھ کو مشورہ دیا کہ جیداں کو بلواؤں۔

جیداں کو تو میں نے بلوانا ہی تھا اس واسطے کہ پتہ لگ چکا تھا کہ وہ بھی مقتول کی پرائیویٹ زندگی میں کوئی رول ادا کر رہی تھی لیکن شیرے نے کسی اور ہی رنگ میں بات

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کی۔ اس نے کہا کہ یہ کسی کو بھی معلوم نہیں کہ جیداں پر چوہدری فریفتہ تھا۔ رازداری جو چوہدری کی جیداں کے ساتھ تھی وہ شیرے اور نامے کے ساتھ بھی نہیں تھی۔ اس طرح شیرے نے مجھ کو قائل کرلیا کہ میں سب سے پہلے جیداں کو بلاؤں اور اس کو ایسا نچوڑوں کہ آخری قطرہ بھی اس کے مغز سے نکال لوں۔ میں نے کہا کہ یہ تو پہلے ہی میرے پروگرام میں شامل تھا۔ مجھ کو ایک بات اور یاد آ گئی۔ یہ میں نے شیرے سے پوچھی۔ بات یہ تھی کہ کون بتا سکتا ہے کہ مقتول رات کس وقت گھر سے نکلا تھا اور کیا اس کے ساتھ کوئی باہر کا آدمی تھا یا اس کو بلانے کے واسطے آیا تھا؟

شیرے نے بتایا کہ یہ تو مقتول کی بیویاں یا بیٹا ہی بتا سکتا ہے یا ڈیوڑھی میں ساری رات ایک نوکر موجود رہتا ہے، وہیں سوتا ہے، وہی اس سوال کا جواب دے سکتا ہے۔

میں نے بڑی چوہدرانی اور مقتول کی دوسری بیوی سے پوچھا تھا۔ دونوں نے ایک ہی جیسا جواب دیا تھا کہ چوہدری کی پرائیویٹ زندگی میں کسی کو حق نہیں تھا کہ دخل دے۔ اس کے کمرے میں شام کے بعد کون آتا ہے، کون جاتا ہے اور وہاں کیا ہوتا ہے، بیویوں میں سے کوئی بھی نہیں دیکھ سکتی نہ کوئی دیکھنے کی ضرورت محسوس کرتا تھا۔ بیویوں نے صاف بتایا تھا کہ ان کو بالکل معلوم نہیں کہ وہ کس وقت اپنے کمرے سے نکل کر باہر گیا اور کس کے ساتھ گیا اور کہاں گیا۔

شیرے نے نوکر کا اشارہ دیا تو میں نے اسی وقت ایک کانسٹیبل کو بلا کر کہا کہ وہ مقتول کے گھر جائے اور رات کو ڈیوڑھی میں جو نوکر سوتا ہے اسے ساتھ لے آئے۔

میں نے شیرے سے مقتول کی دونوں بیویوں کی بابت پوچھا کہ یہ کیسی عورتیں ہیں اور کیا ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟..... شیرے نے کچھ وقت لگا کر ان دونوں عورتوں کی عادات کی بابت مجھ کو بتایا اور اس بات پر حیرت کا اظہار کیا کہ یہ دونوں لڑنے کی بجائے آپس میں بہت خوش رہتی ہیں اور ایسا کبھی بھی نہیں ہوا کہ ان میں سے کسی ایک نے دوسری کے خلاف چوہدری کے آگے کوئی شکایت کی ہو۔ اس کی بجائے اکرم چوہدری نے شیرے اور نامے سے کہا تھا کہ یار، میری بیویوں کا آپس میں جو اتفاق اور پیار ہے یہ میرے واسطے ٹھیک نہیں۔ چوہدری نے یہ بھی کہا تھا کہ کئی بار ایسا بھی ہوا ہے کہ اس نے کوئی خاص بات گھر میں دیکھی اور غصے میں آ گیا تو دونوں بیویوں نے یکا کر کے چوہدری کی شکایت فوراً رفع کر

دی اور بعض اوقات باتوں باتوں میں چوہدری کا منہ پھیر دیا۔

اس طرح شیرے کے ساتھ باتیں کرتے اور اس سے باتیں پوچھتے ہوئے شیرے نے ایک خاص بات مجھ کو نوٹ کروائی۔ اس نے کہا کہ نامے کو اس نے اس ایک سال میں تین بار نئی بیوی کے ساتھ کانا پھوسی کرتے دیکھا ہے جیسے دو دوست رازداری میں باتیں کیا کرتے ہیں۔ بڑی چوہدرانی نامے اور شیرے کو اپنے نوکر سمجھا کرتی تھی۔ شیرا گھر کے اندر بہت کم جاتا تھا لیکن نامہ چلا جاتا تھا اور جب دوسری بیوی آئی تو تین چار مہینوں بعد نامے نے زیادہ گھر کے اندر جانا شروع کر دیا اور پھر شیرے نے نئی بیوی اور نامے کو راز و نیاز کی باتیں کرتے دیکھا۔

اس سے مجھ کو کچھ شبہ ہوا کہ نامے کے دل میں کچھ اور باتیں بھی ہیں جو اس نے مجھ سے چھپائی ہوئی ہیں۔ میں اس بابت فکرمند نہ ہوا۔ اس واسطے کہ مجھ کو اعتماد تھا کہ نامے سے پوچھوں گا تو وہ ساری بات میرے آگے رکھ دے گا۔

ہم باتیں کر ہی رہے تھے اور میں نے اس دوران تھانے کا ایک اور دفتری کام بھگتا لیا تھا کہ کانسٹیبل چوہدری کے نوکر کو ساتھ لے آیا۔ میں نے شیرے کو باہر بھیج دیا۔

میرے کانسٹیبل نے مجھ کو اشارہ کیا کہ میں الگ ہو کر اس کی ایک بات سنوں۔ نوکر کو میں نے اپنے سامنے بٹھا لیا تھا۔ میں اٹھ کر دروازے تک گیا کہ کانسٹیبل کی بات سن لوں۔

کانسٹیبل نے کہا کہ اس کو دیکھتے ہی نامہ دوڑا آیا اور پوچھا کہ کیوں آیا ہے۔ کانسٹیبل نے اس کو بتایا کہ وہ نوکر کو ساتھ لینے آیا ہے۔ قریب کھڑے کسی آدمی نے اشارہ کر کے کہا کہ نوکر وہ کھڑا ہے۔ کانسٹیبل نوکر کی طرف چلا تو نامے نے کانسٹیبل کو کہا کہ وہ یہیں ٹھہرے وہ نوکر کو لے آتا ہے۔

کانسٹیبل رک گیا اور نامہ نوکر کے پاس گیا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ وہ فوراً نوکر کو کہتا کہ اس کانسٹیبل کے ساتھ تھانے چلے جاؤ بلکہ اس کو تین چار قدم پرے لے جا کر سرگوشیوں میں اس کو کچھ کہا اور نوکر سر ہلا رہا تھا۔ اس کے بعد نوکر کانسٹیبل کے پاس آیا اور کانسٹیبل اس کو تھانے لے آیا۔

میں نوکر کے سامنے بیٹھ گیا۔ وہ بے چارہ نوکر تھا اس واسطے اس کا ڈرنا ایک قدرتی بات تھی۔ وہ تو اس طرح آنکھیں پھاڑے مجھ کو دیکھ رہا تھا جیسے اس کی زندگی میرے ہاتھ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں ہے اور شاید میں اس کو پھانسی کی سزا سنا دوں گا۔ میں نے اس کے ساتھ بڑی نرمی سے بات کی۔ اس کو سمجھانے کے واسطے ایک دو باتیں کہیں کہ وہ ملزم نہیں اور وہ بالکل نہ ڈرے۔

اس کو یہ بھی کہا کہ یہ بڑے چوہدری اور ان لوگوں کا کوئی دین ایمان نہیں ہوتا اس واسطے ان پر یہ بھروسہ کرنا کہ کوئی نوکر کسی مشکل میں پھنس جائے گا تو اس کی مدد کریں گے، بالکل غلط بات ہے۔ یہ تو اپنی مشکل نوکروں کے گلے میں ڈال دیا کرتے ہیں۔ اس واسطے وہ ہر بات سچ بتائے اور اپنی گردن کسی کے پھندے میں نہ دے۔

اس نے ہاتھ جوڑ کر وعدہ کیا کہ وہ جھوٹ نہیں بولے گا۔ میں نے اس سے پہلی بات یہ پوچھی کہ جب نانا اس کے پاس یہ بتانے گیا تھا کہ اس کو کانسٹیبل تھانے لے جانے کے واسطے آیا ہے تو نامے نے اس کے ساتھ سرگوشی میں کیا بات کی تھی؟

نوکر کچھ گھبرا گیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اب میں نے ذرا رعب سے اس کو کہا کہ وہ کسی سے نہ ڈرے، وہ چوہدری مارا گیا ہے جس کا وہ نوکر تھا اور یہ نانا وغیرہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ اس طرح اس کی حوصلہ افزائی کی۔

اس نے بتایا کہ نامے نے اس کو کہا تھا کہ تھانیدار پوچھے کہ رات کو چوہدری کس کے ساتھ باہر گیا تھا تو نامے کا نام نہ لے۔

''میں تم سے یہی پوچھنا چاہتا ہوں''۔۔۔ ''میں نے نوکر کو کہا۔۔۔ ''رات کو چوہدری کس کے ساتھ گھر میں بیٹھا رہا تھا اور پھر کس کے ساتھ باہر گیا تھا؟ کیا اس کو کوئی بلانے آیا تھا؟ یا کیا وہ تمہیں بتا کر گیا تھا کہ کہاں جا رہا ہے اور کب واپس آئے گا؟''

''چوہدری صاحب کے پاس باہر کے دو آدمی بیٹھے رہے تھے''۔۔۔ نوکر نے جواب دیا۔۔۔ ''ان دونوں کو میں نے پہلی بار دیکھا تھا اور وہ یہاں کے رہنے والے لگتے ہی نہیں تھے۔ نانا میرے ساتھ میری چارپائی پر ڈیوڑھی میں بیٹھا رہا اور ہم حقہ پیتے رہے۔ پھر نانا مجھ کو کچھ بتائے بغیر باہر نکل گیا۔ اس کے تقریباً آدھا گھنٹہ بعد چوہدری صاحب کمرے سے نکل کر ڈیوڑھی میں آئے اور مجھ کو کہا کہ میں تھوڑی دیر کے واسطے باہر جا رہا ہوں، جلدی واپس آ جاؤں گا۔ چوہدری صاحب باہر نکلے تو میں بھی دروازے سے باہر گیا۔ بیس پچیس گز دور نانا کھڑا تھا۔ چوہدری صاحب اس کی طرف جا رہے تھے۔ میں نے اندر آ کر

دروازہ بند کر لیا اور یہ نہیں دیکھا کہ وہ اکٹھے کہیں گئے تھے یا الگ الگ کسی طرف گئے تھے''۔

مجھ کو یاد آیا کہ میں نے نامے سے پوچھا تھا کہ وہ اور شیرا شام کو چوہدری اکرم کے گھر نہیں گئے تھے؟ یہ میں نے اس واسطے پوچھا تھا کہ اگر یہ شام کو وہاں گئے تھے تو شاید ان کو معلوم ہو گا کہ رات کو چوہدری کس کے ساتھ چلا گیا تھا۔ میرے اس سوال کے جواب میں نامے نے کہا تھا کہ اس نے سارا دن چوہدری کی صورت بھی نہیں دیکھی تھی اور شام کو یا اس کے بعد وہ وہاں گیا ہی نہیں تھا، صبح اس کو یہ خبر ملی کہ چوہدری اکرم قتل ہو گیا ہے۔

میرے واسطے سوچنے والی بات یہ بھی تھی کہ نامے نے نوکر کو یہ کیوں کہا تھا کہ تھانیدار یہ پوچھے کہ چوہدری کس کے ساتھ گیا تھا تو نوکر نامے کا نام نہ لے۔

اس سے پہلے نامے نے بڑے یقین کے ساتھ کہا تھا کہ اس نے زرینہ کے دیور کو واردات والے مکان کی طرف سے بڑی تیز تیز جاتے اور پیچھے مڑ مڑ کر دیکھتے دیکھا تھا لیکن زرینہ کا دیور گھر میں ایسی بیماری میں پڑا تھا کہ وہ گھر سے نکل ہی نہیں سکتا تھا۔ یہ بھی نامے نے جھوٹ بولا تھا۔

اب مجھ کو شیرے کی اس بات میں خاصا وزن نظر آنے لگا کہ نانا چوہدری کی بیویوں کے ساتھ زیادہ میل جول رکھتا تھا اور چھوٹی بیوی کے ساتھ اس کو راز و نیاز کی باتیں کرتے دیکھا گیا تھا..... میں نے ایک کانسٹیبل کو بھیجا کہ وہ نامے کو ساتھ لے آئے پھر میں نے نوکر سے کچھ اور باتیں پوچھیں تو پتہ لگا کہ اس کو اندر کے حالات کا کچھ زیادہ علم نہیں۔ اس کو میں نے باہر بٹھا دیا۔

جِتات کے کھرے مل گئے

نانا آ گیا۔ وہ مقتول کے گھر تھا اور مقتول سپردِ خاک ہو چکا تھا۔ نانا جب میرے دفتر کے دروازے میں آیا تو میری نظریں اس کے پاؤں کی طرف چلی گئیں۔ میرے دماغ میں فلیٹ شوز کا کھرا آ گیا تھا۔ خیال آیا تھا کہ اجڑے ہوئے مکان میں یہی شخص نہ گیا ہو!..... اس نے کوئی اور ہی جوتی پہن رکھی تھی۔ میں نے اس جوتی کا کھرا چیک کرنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ اس واسطے کہ جائے وقوعہ والا کھرا اس جوتی کا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نامے نے بڑی بے تکلفی سے مجھ کو سلام کیا اور میرے کہے بغیر میرے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔ میں نے ان لوگوں کے ساتھ ایسی ہی بے تکلفی رکھی ہوئی تھی اور اس سے مجھ کو کچھ فائدہ ہی پہنچتا تھا۔

''ایک شک رفع کرنا ہے نامے یار!''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''لیکن تم نے تو کل سارا دن چوہدری کی صورت بھی نہیں دیکھی تھی اور شام کو بھی اس سے نہیں ملے تھے پھر تم شاید مجھ کو کچھ بھی نہ بتا سکو''۔

''ہاں جی!''۔۔۔ نامے نے کہا۔۔۔ ''کل دن اور گزری رات کی بابت تو میں کچھ بھی نہیں بتا سکتا کہ چوہدری کہاں گیا اور کس کے ساتھ گیا اور کتنی دیر باہر رہا''۔

''پھر تم گذشتہ رات چوہدری کے گھر سے بیس پچیس گز دور کھڑے کیا کر رہے تھے؟''۔۔۔ میں نے نامے سے کہا۔۔۔ ''اس سے پہلے تم نوکر کے پاس ڈیوڑھی میں بیٹھے حقہ پیتے رہے تھے..... پہلے یہ بتاؤ کہ وہ دو آدمی کون تھے جو چوہدری کے پاس آئے بیٹھے تھے؟''

نامے کے چہرے پر تبدیلی سی آ گئی۔ اس نے حیرت سے میرے منہ کو دیکھا اور بولا کچھ بھی نہیں۔ میں نے اس کو زیادہ سوچنے کی مہلت نہ دی اور اپنا سوال ایک بار پھر کیا اور کہا کہ فوراً جواب دو۔

وہ چالاک آدمی تھا، اتنی جلدی ہاتھ آنے والا نہیں تھا۔ اس نے کہا کہ قتل کا معاملہ تھا اس واسطے اس نے بہتر یہی سمجھا کہ یہ ظاہر کرے کہ وہ چوہدری کے ہاں گیا ہی نہیں تھا۔ اس نے کہا کہ وہ اپنے خلاف شبہے سے ڈرتا تھا۔ میں نے اس کو کہا کہ وہ چالاک بننے کی کوشش نہ کرے اور سیدھی بات پر آ جائے اور مجھ کو بتائے کہ چوہدری اس کے ساتھ کہاں گیا تھا۔

''اور تم نے ایک جھوٹ اور بھی بولا ہے''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''تم نے کہا تھا کہ زرینہ کے دیور کو واردات والے مکان کی طرف سے جاتے دیکھا ہے اور تم نے یہ بھی بتایا کہ وہ کس طرح جا رہا تھا لیکن اس رات نہ زرینہ گھر سے نکلی نہ اس کا دیور اور مجھ کو اس کی پکی شہادت مل چکی ہے، زرینہ کا دیور بہت بیمار تھا اور جب میرے پاس آیا تو بھی اس کو بخار تھا..... کہو، یہ جھوٹ کیوں بولا ہے؟''

میرے دماغ میں یہ شبہ نہیں آیا تھا کہ چوہدری اکرم کو نامے نے قتل کیا ہے یا یہ اس

واردات میں شامل تھا، میرا شبہ یہ تھا کہ یہ کسی وجہ سے مجھ کو گمراہ کر رہا ہے۔ میں یہ وجہ جاننا چاہتا تھا۔ میں نے بہت بک بک کی لیکن وہ اتنا ڈھیٹ ثابت ہوا کہ اپنے پروں پر پانی نہیں پڑنے دے رہا تھا۔ پھر میں نے اس کو یہ کہا کہ وہ مقتول کی نئی بیوی کے ساتھ کیا کانا پھوسی کرتا رہتا تھا؟..... اس کا جواب بھی جو اس نے دیا وہ میرے واسطے قابل قبول نہیں تھا۔

اس نے آخر یہ کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ شیرے اور نوکر نے اس کے خلاف غلط باتیں کہہ کر مجھ کو بھڑکا دیا ہے۔ میں نے اس کو کہا کہ وہ مجھ کو کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے سکا اور جب تک وہ ٹھیک جواب نہیں دے گا میں اس کو تھانے سے باہر نہیں جانے دوں گا۔ میں نے اس کو یہ بھی بتا دیا کہ مجھ کو اس پر ایسا شک نہیں کہ اس نے چوہدری کو قتل کیا ہے۔

شام ہو رہی تھی۔ اس روز کے واسطے میں نے تفتیش کو یہیں رکھا۔ مجھ کو کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ کوئی اشارہ بھی نہیں ملا تھا۔ میں نے اے ایس آئی کو کہا کہ وہ نامے کو تھانے میں پابند رکھے اور کل صبح اس کے ساتھ بات ہوگی۔ میں اپنے گھر چلا گیا۔ نانا تو میرا بڑا اپکا اور قابلِ اعتماد مخبر تھا۔ مجھ کو تو ایسی توقع تھی کہ یہ رات کو کسی وقت میرے گھر آ جائے گا اور میرے سوالوں کا صحیح جواب دے دے گا اور ہو سکتا ہے قاتل کا بھی کچھ اشارہ دے دے۔

رات گزر گئی اور میں اگلے روز تھانے گیا۔ شیرے اور نوکر کو میں نے کل ہی فارغ کر دیا تھا۔ شیرا میرے پاس آنے جانے میں آزاد تھا۔ نوکر میرے لئے بالکل بے کار تھا۔

تھانے پہنچتے ہی ڈی ایس پی کا فون آ گیا۔ وہ انگریز تھا۔ اس نے پوچھا کہ چوہدری اکرم کے قتل کی تفتیش کہاں تک پہنچی ہے اور قاتل کا کچھ سراغ ملا ہے یا نہیں۔ انگریز افسر ایسے ہی کیا کرتے تھے۔ قتل، ڈکیتی اور اغوا کی واردات کو تو جیسے برداشت ہی نہیں کرتے تھے اور تھانیداروں کے دماغوں پر سوار رہتے تھے کہ فوراً مجرموں کو پکڑو۔ میں نے ڈی ایس پی کی تسلی کی خاطر جھوٹ سچ رپورٹ دے دی اور یقین دلایا کہ ایک دو دنوں میں قاتل کو پکڑ لوں گا۔

میں نے زبانی یقین تو دلا دیا لیکن میں بہت ہی پریشان تھا کہ میری تفتیش ابھی ابتدائی مرحلے میں ہی پھنسی ہوئی ہے۔ ڈی ایس پی اگر جنوں بھوتوں کو ماننے والا آدمی ہوتا تو میں کہہ دیتا میں جنات کو گرفتار نہیں کر سکتا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جنات میرے دماغ میں آئے تو خیال آیا کہ ناصے نے ایک یہ بھی کہانی گھڑی تھی اور مجھ کو گمراہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے سوچا کہ جیداں کو بلا لیا جائے..... ایک کانسٹیبل کو بھیج کر جیداں کو بلا لیا۔

اگر آپ میری نیت پر شک نہ کریں تو جیداں کی بابت میں صحیح رائے دیتا ہوں کہ اس عورت کا قد بت اور شکل وصورت دیکھ کر میری طبیعت خوش ہوگئی۔ وہ صحیح معنوں میں خوبصورت عورت تھی۔ اس میں کچھ اور ہی طرح کی کشش تھی۔ ہونٹوں پر تبسم تھا جو بالکل قدرتی لگتا تھا۔ عمر تیس سال سے ذرا ہی اوپر ہوگی۔ اگر مقتول چوہدری اس عورت کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا یا چوہدری نے اس عورت کو اپنا کھلونا بنایا ہوا تھا تو یہ کوئی حیران ہونے والی بات نہیں تھی۔ اس عورت میں وہ خوبیاں اور وہ طلسم موجود تھا جو فرعونوں کو بھی زیر کرلیا کرتا ہے۔ مجھ کو بتایا گیا تھا کہ یہ عورت مقتول کی ایک خاص چیز تھی۔

میں نے جیداں کو سامنے بٹھا کر دوستانہ سے انداز میں کچھ باتیں کیں۔ دوستانہ سے میری مراد یہ ہے کہ میں نے تھانیداری رعب نہ جھاڑا اور اس عورت کو یہ تاثر نہ دیا کہ میں تھانیدار ہوں اور اس پر حکم اور رعب چلا سکتا ہوں۔

جیداں کو بھی میں نے وہی باتیں سمجھائیں جو مقتول کے نوکر کو سمجھائی تھیں۔ میں نے اس کو کہا کہ ان بڑے لوگوں کے گناہ اپنے کھاتے میں نہ لکھے اور ان کی سزا اپنے سر نہ لے۔ یہ بھی کہا کہ چوہدری مر گیا ہے، وہ قبر سے نکل کر اس کو چھڑا نہیں سکے گا۔ پھر اس کو یہ بھی بتایا کہ اس کی کوئی بات اور کوئی حرکت مجھ سے پوشیدہ نہیں۔ اس طرح اس کا دماغ صاف کر دیا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ میری استادی تھی، اصل بات یہ تھی کہ اس نسل کی عورتیں اور آدمی کھانے پینے کے یار ہوتے ہیں۔ ایک دروازہ بند ہو جائے تو کسی اور دروازے پر جا دستک دیتے ہیں۔

جیداں کے ساتھ بڑی لمبی باتیں ہوئیں۔ میں نے اپنا انداز تفتیش اور پوچھ گچھ والا رکھا ہی نہیں بلکہ دوستانہ بے تکلفی کے رنگ میں باتیں ہوتی رہیں۔ اس کو میں نے یقین دلا دیا تھا کہ اس پر کوئی الزام نہیں اور اگر ہوا بھی تو میں اس پر پردہ ڈال دوں گا..... میں یہ ساری گفتگو اور تفتیش بیان نہیں کروں گا۔ یہ اس واسطے کہ اس عورت نے کوئی نئی بات نہیں بتائی۔ مقتول کی بابت مختلف افراد سے جو باتیں معلوم ہوئی تھیں اس نے بھی وہی سنا دیں

لیکن ذرا تفصیل سے۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ میرے دماغ میں جو تصویر کہیں کہیں سے مدھم تھی وہ صاف ہوگئی۔

اس نے ایک نئی بات بتائی جو یہ تھی کہ ناصے اور مقتول کی چھوٹی بیوی میں کوئی نہ کوئی راز کی بات تھی جو جیداں کو معلوم نہیں تھی۔ یہ اس کو یقین تھا کہ ناصے نے اس نوجوان لڑکی کے ساتھ کوئی نہ کوئی تعلق بنایا ہوا تھا اور یہ ایک عام تعلق نہیں تھا جو مرد عورت میں ہوتا ہے بلکہ بات کچھ اور ہی تھی اور یہ بات اتنی چھپی ہوئی تھی کہ جیداں تک کو پتہ نہ لگ سکا۔

جیداں کو میرے پاس بیٹھے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ گزر گیا تھا کہ کھوجی میرے دفتر میں داخل ہوا اور سر کے اشارے سے مجھ کو باہر بلایا۔ کھوجی ہر روز تھانے حاضری دینے آیا کرتا اور کچھ وقت گذار جاتا تھا۔ اس وقت اتفاق سے وہ تھانے میں موجود تھا۔ میں اٹھا اور باہر چلا گیا۔ وہ مجھ کو برآمدے سے نکال کر ذرا آگے لے گیا اور زمین کی طرف اشارہ کیا۔

میں نے نیچے دیکھا تو مجھ کو فلیٹ شوز کا ایک کھرا نظر آیا تو مجھ کو یاد آ گیا کہ یہ اس کھنڈر کے اندر دیکھا تھا۔ میں تو اس معاملے میں اتنا تجربہ کار نہیں تھا لیکن پھر بھی پہچان لیا کہ یہ وہی کھرا ہے۔ کھوجی نے تو فیصلہ دینے کے لہجے میں کہا کہ یہ وہی کھرا ہے۔

فلیٹ شوز تو کئی لوگ پہنا کرتے تھے اور ہر فلیٹ شوز کا کھرا ایک ہی جیسا ہوتا تھا پھر اس کھرے کو ہم نے الگ تھلگ کیسے پہچانا؟..... اس کھرے کے دائیں پاؤں کے دائیں طرف اور بائیں پاؤں کے بائیں طرف یعنی تلووں کے کنارے ذرا گھسے ہوئے تھے۔ بعض لوگ چلتے ہوئے پاؤں کو ذرا سا ٹیڑھا رکھتے ہیں اس واسطے جوتوں کے تلوے باہر کی طرف سے جلدی گھس جاتے ہیں۔ میں شاید اپنی بات پوری طرح نہیں سمجھا سکا، آپ یہ سمجھ لیں کہ یہ کھرا فلیٹ شوز کے دوسرے کھروں سے ذرا مختلف تھا یعنی اس میں ایک نمایاں خصوصیت تھی۔ وہاں دونوں پاؤں کے کھرے موجود تھے۔

میں نے وہیں کھڑے کھڑے برآمدے کی طرف دیکھا۔ برآمدے میں تین چار کانسٹیبل بھی تھے تین یا چار باہر کے آدمی بھی بنچوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے ان کے جوتے دیکھے اور ایک کے پاؤں میں فلیٹ شوز نظر آ گئے۔ میں نے اس شخص کو اپنے پاس بلایا۔

وہ آیا تو میں نے اس کو تین چار قدم چلایا۔ کھرے دیکھے تو وہی تھے۔ اس سے پوچھا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کہ وہ کون ہے اور تھانے کیوں آیا ہے۔

اس نے بتایا کہ وہ جیداں کا خاوند ہے۔ جیداں کو تھانے بلوایا گیا تھا اور زیادہ دیر ہو گئی تو وہ اس کو دیکھنے آیا ہے کہ کوئی زیادہ گڑبڑ والا معاملہ تو نہیں..... میں اس کو اپنے دفتر میں لے گیا اور اپنے سامنے کھڑا کر لیا۔ اس کے چہرے پر ذرا سا بھی ڈر اور خوف یا گھبراہٹ نہیں تھی بلکہ ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

''جیداں!''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''اپنے اس خاوند سے کہو کہ فوراً مان جائے کہ یہ چوہدری کے قتل میں شامل تھا''۔

میاں بیوی کے چہروں کے رنگ اُڑ گئے، آنکھیں ٹھہر گئیں اور دونوں حیرت زدگی کے عالم میں مجھ کو دیکھنے لگے۔ میں نے ایک بار پھر کہا کہ یہ میری بات مان جائے تب جیداں کا خاوند بولا اور حیرت سے کہنے لگا کہ جناب، آپ کیا کہہ رہے ہیں؟..... میں نے اس کو ذرا صاف کر کے بتایا کہ وہ جائے وقوعہ پر موجود تھا۔

دونوں نے ہاتھ جوڑ جوڑ کر الزام سے انکار کیا اور وہ رونے پر آ گئے۔ جیداں نے کہا کہ یہ قتل والی رات گھر سے نکلا ہی نہیں..... میں ان کے انکار کو تسلیم نہیں کر رہا تھا اور آخر میں نے کہا کہ اس کے ان جوتوں کے کھرے بڑے صاف وہاں ملے ہیں۔

''اوہو، میری سرکار!''۔۔۔ جیداں کے خاوند نے سکون کی آہ بھر کر کہا۔ ''یہ جوتے تو میرے ہیں ہی نہیں، یہ نامے کے جوتے ہیں جو میں نے کل پہنے ہیں''۔

جیداں کے چہرے پر بھی سکون لوٹ آیا اس کے خاوند نے بتایا کہ کل مقتول چوہدری کے گھر دو دیگیں پکانی تھیں، مہمان زیادہ ہو گئے تھے اور غریبوں میں بھی چاول تقسیم کرنے تھے۔ نامو وہیں تھا اور کام کاج میں لگا ہوا تھا۔ یہ شوز نامے نے پہنے ہوئے تھے۔ اس نے جیداں کے خاوند کے پاس جا کر یہ شوز اتارے اور اس کو کہا کہ یہ وہ پہن لے اور اپنے جوتے اس کو دے دے وجہ یہ بتائی کہ یہ جوتا اس کو تھوڑا سا تنگ کرتا ہے اور یہاں بھاگ دوڑ زیادہ ہے۔ جیداں کے خاوند کے ساتھ نامے کی گہری دوستی تھی۔ خاوند نے اپنا جوتا اتار دیا اور نامے کے یہ فلیٹ شوز پہن لیے۔ دونوں کو ایک دوسرے کے شوز فٹ آ گئے۔ یہ بے تکلفی اور گہری دوستی کا اظہار تھا ورنہ جیداں کا خاوند کچھ پس و پیش کرتا اور ویسے ہی کوئی وجہ بتا کر کہہ دیتا کہ وہ اپنے شوز نہیں دے گا۔

میں نے ایک ہیڈ کانسٹیبل کو بلا کر ان میاں بیوی کو اس کے حوالے کیا اور کہا کہ ان کو باہر بٹھائے رکھو اور نامے کو میرے پاس بھیج دو۔

ایک خاوند کھرے تھانے لے آیا

اب نامو میرے دفتر کے دروازے پر آیا تو صاف پتہ لگتا تھا کہ اس کے کندھوں پر بہت زیادہ بوجھ لاد دیا گیا ہے اور یہ اچھی طرح چل نہیں سکتا۔ وہ جرائم اور پولیس کی دنیا کا کارندہ تھا۔ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کا بھانڈہ پھوٹ گیا ہے اور تھانیدار کیسے کیسے کمالات کر کے دکھا سکتا ہے۔ اس نے جیداں اور اس کے خاوند اور پھر اس خاوند کے پاؤں میں اپنے شوز کو بھی دیکھ لیا ہو گا۔

''آگے آ جا نامے!''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''کہانی ختم ہو گئی ہے، اب مجھ کو چکر نہ دینا ورنہ میں جو چکر دیا کرتا ہوں وہ تم جانتے ہو''۔

میں ایک بات سوچ کر اٹھا اور نامے کو بازو سے پکڑ کر برآمدے میں لے گیا۔ اس کے جوتے اتروا لیے اور جیداں کے خاوند کے پاؤں سے فلیٹ شوز اتروا کر نامے کو پہنائے اور اس کو باہر کچی زمین پر لے گیا اور دو چار قدم چلایا۔ کھوجی ساتھ تھا۔ اس نے کھرے دیکھے تو بے ساختہ بول اٹھا۔۔۔ ''یہ ہیں صحیح کھرے!''

یہاں میں آپ کو ایک خاص بات بتاتا ہوں۔ کھرے میں کھوجی یہ بھی دیکھ لیتے ہیں کہ اس پر وزن کتنا پڑا ہوا ہے۔ نامے کا جسم دبلا پتلا تھا اور جیداں کے خاوند کا جسم موٹاپے کی طرف جاتا تھا یعنی اس کا وزن نامے کے وزن سے تقریباً دگنا تھا۔ میں تو اس فرق کو نہ پہچان سکا، کھوجی نے فوراً پہچان لیا۔

میں نامے کو اپنے دفتر میں لے گیا اور کہا کہ وہ فوراً بول پڑے۔

''میں ایک منٹ بھی انتظار نہیں کروں گا نامے!''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''تمہارے سارے جھوٹ کھول کر تمہارے آگے رکھ دیئے تھے اور آج فیصلہ ہو گیا ہے۔ تمہارے خلاف پوری شہادت آ گئی ہے۔ نہیں مانو گے تو اچھی طرح جانتے ہو تمہارا یہاں کیا حشر ہو گا اور اس کے بعد پھانسی کی سزا دلواؤں گا''۔

اس کو معلوم تھا کہ اب اس کے بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں رہا۔ اس کے آنسو نکل آئے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اور وہ اٹھ کر میز کی اس طرف سے میری طرف آیا اور میرے پاس بیٹھ کر میرے پاؤں پکڑ لئے۔ میں نے اس کو بڑے رعب سے اٹھایا کہ پہلے وہ اقبالی بیان دے پھر میں اس کی مدد کرسکوں گا۔ وہ اس سارے عمل سے بڑی اچھی طرح واقف تھا۔

''اپنی بہن کی خاطر!''۔۔۔ نامے نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔۔۔ ''سرکار جی! اپنی کنواری بہن کو ٹھکانے لگانے کے واسطے یہ جرم کیا تھا۔ سوچا تھا نہیں پکڑا جا سکوں گا لیکن.....''

اس کے بعد وہ بہت رویا اور میں نے اس کو رونے ہی دیا اور جب اس نے میری طرف توجہ دی تو میں نے ذرا شفقت سے ایک دو باتیں کیں اور کہا کہ وہ بیان دے دے اور میں اس کی مدد کروں گا۔

اس نے بڑی لمبی کہانی سنائی کہ وہ کس طرح مقتول چوہدری کا دوست بنا تھا اور اس کو کس طرح کھاتا رہا اور اس کی خاطر اس نے کیسے کیسے کام کئے۔ مقتول کی بابت اس نے جو باتیں سنائیں وہ میں کسی نہ کسی کی زبانی لکھ چکا ہوں۔ میں یہ سنانا چاہتا ہوں کہ اس شخص نے اتنا خطرناک جرم کیوں کیا۔

اس نے بتایا کہ اس کی ایک چھوٹی بہن ہے جو شادی کی عمر کو پہنچ چکی ہے۔ رشتے تو آتے ہیں لیکن زیورات، کپڑے اور جہیز کے واسطے ضروری چیزیں بنانے کے واسطے اتنے پیسے ہی نہیں۔ اس نے چوری ڈاکے کی بھی سوچی تھی لیکن اتنی ہمت نہ پڑی۔ وہ خود جرائم کی دنیا میں آ گیا تھا اس واسطے سوچتا کہ اس کی بہن بھی غلط راستے پر نہ چل نکلے۔

اس نے آخر یہ راستہ سوچا کہ مقتول کی منت کرے کہ اس کو پندرہ بیس ہزار روپیہ قرض دے دے جس سے وہ اپنی بہن کی شادی کر دے اور پھر وہ قرض ادا کرتا رہے گا۔ مقتول بڑے گندے چلن کا آدمی تھا۔ اس نے کہا کہ قرض دے دے گا اور اسی بہانے مقتول نے نامے کی بہن کو دیکھ لیا۔

نامے نے مجھ کو بیان دیتے ہوئے کہا کہ اس کی بہن نوجوان تو ہے ہی، کچھ خوبصورت بھی ہے، اس کا رنگ بڑا صاف ہے۔ مقتول چوہدری نے ایک روز نامے سے کہا کہ کبھی اپنی بہن کو یہاں لے آنا، میں سارے مسئلے حل کر دوں گا۔ ظاہر ہے چوہدری نے بڑے مہذب طریقے سے یہ بات کی ہوگی لیکن نامے چوہدرنی کے اشارے اور اس کی زبان

سمجھتا تھا۔ نامے اندر سے جل اٹھا اور سوچا کہ اس چوہدری کی اتنی خدمت کی ہے اس کو اس کی عزت کا بھی خیال نہیں۔

یہ اُس وقت کی بات ہے جب مقتول نے دوسری شادی کی تھی یعنی تقریباً ایک سال پہلے۔ نامے نے چوہدری کو ٹالنا شروع کر دیا اور چوہدری بھی نئی دلہن میں مگن ہو گیا اور چند مہینے گزر گئے۔

نامے نے یہ کمال کر دکھایا کہ مقتول کی چھوٹی بیوی کے ساتھ راز داری پیدا کر لی۔ اس میں شک و شبہے کی گنجائش ہی نہیں تھی کہ چھوٹی بیوی بڑی چوہدرانی کے ساتھ تو بالکل ٹھیک اور جھک کر رہتی تھی لیکن چوہدری کے خلاف اس کے دل میں نفرت بھری ہوئی تھی۔ اس کا اظہار وہ نامے کے ساتھ کرتی رہتی تھی۔

نامے کے دماغ پر اس کی اپنی چھوٹی بہن ایسی سوار ہوئی کہ وہ غلط راستے سوچنے لگا۔ اس کے دل میں یہ ڈر بھی تھا کہ کسی روز چوہدری حکم ہی نہ دے دے کہ اپنی بہن کو یہاں لے آؤ۔

چھوٹی بیوی نے ایک روز نامے کو کچھ اس قسم کی بات کہی کہ اس چوہدی کو زہر دے کر مار دیا جائے تو وہ اپنی پسند کے ایک نوجوان کے ساتھ یہاں سے بھاگ جائے گی۔ اس طرح یہ انکشاف ہوا کہ چھوٹی بیوی ایک نوجوان کے ساتھ محبت کرتی تھی اور وہ نوجوان بھی اس کو دل کی گہرائیوں سے چاہتا تھا اور انہوں نے پروگرام بنا رکھا تھا کہ بھاگ جائیں گے۔ لیکن بغیر طلاق یا خاوند کی زندگی میں ان کی شادی نہیں ہو سکتی تھی۔

اس لڑکی نے اپنا یہ راز نامے کو دے دیا۔ نامے نے لڑکی کو کہا کہ وہ اس کو پندرہ ہزار سے زیادہ یا پندرہ ہزار ہی نقد دے دے تو وہ چوہدری کو ختم کر دے گا۔ چھوٹی بیوی نے کہا کہ وہ کچھ نقد اس کو دے دے گی اور کچھ زیورات دے گی جو نامہ بیچ کر اپنا معاوضہ پورا کر لے۔ نامے نے سات ہزار روپیہ اس لڑکی سے نقد وصول کر لیا اور سودا یہ طے ہوا کہ باقی رقم قتل کے بعد ادا کی جائے گی۔

یہاں میں یہ بتا دوں کہ میں آج کے دور کی بات نہیں کر رہا جب پندرہ بیس ہزار کی کوئی وقعت اور حیثیت ہی نہیں، میں اس دور کی بات کر رہا ہوں جب پندرہ ہزار میں جہیز بھی بن جاتا اور شادی کے دوسرے اخراجات بھی نکل آتے تھے۔ آپ کو شاید یقین نہ آئے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اس وقت سونا پچیس روپے تولہ تھا۔ دوسری چیزوں کی قیمتیں بھی ایسی ہی تھیں۔

نامے نے چھوٹی بیوی سے پیشگی رقم تو لے لی لیکن اس نے چوہدری کے قتل کا ابھی کوئی طریقہ نہیں سوچا تھا یا سوچا تھا تو کوئی طریقہ سامنے نہیں آتا تھا۔ یہاں مجھ کو نامے کی دیانتداری کا خیال آیا وہ چاہتا تو سات ہزار رقم تھوڑی نہیں تھی، اسی سے بہن کی شادی کر سکتا تھا لیکن اس نے ایسا نہ کیا۔

موت آتی ہے تو اللہ کوئی سبب بنا ہی دیتا ہے۔ مقتول چوہدری نے ایک روز عرصے بعد نامے سے کہا کہ اس نے ابھی تک اس کو اپنی بہن سے نہیں ملوایا۔ اب جو نامے کے اندر آگ بھڑکی اس کی روشنی میں اس کو ایک طریقہ نظر آ گیا۔ اس نے غلاموں جیسے لہجے میں کہا، چوہدری صاحب میں اپنی بہن آپ پر قربان کر دوں گا، آپ اس کی شادی کی ذمہ داری لے لیں۔ چوہدری نے باچھیں کھلا کر کہا کہ یہ میں کر دوں گا۔

تین چار دنوں بعد نامے نے مقتول کو کہا کہ اس کی بہن اس کے پاس آنے کو رضامند ہو گئی ہے لیکن اس کے گھر نہیں آئے گی اور کسی ڈھکی چھپی جگہ آ جائے گی۔ چوہدری نے کہا کہ ایسی جگہ تم خود بتا دو اور میں وہاں آ جاؤں گا۔ نامے نے یہ مکان بتایا جس میں چوہدری قتل ہوا تھا۔

نامے نے یہ بھی کہا کہ وہ دری یا کمبل ساتھ لیتا آئے گا۔ موت نے چوہدری کو یہ بھی بھلا دیا کہ بڑی اونچی حیثیت کا آدمی ہے اور بڑی ہی فضول سی جگہ جا رہا ہے، وہ تو موت اس کو لے جا رہی تھی۔

اس رات نامے چوہدری کے ساتھ رہا، چوہدری کے دو ملنے والے آ گئے، نامہ ڈیوڑھی میں بیٹھا رہا اور آخر باہر نکل گیا اور پھر چوہدری نوکر کو یہ بتا کر نکلا کہ وہ ابھی واپس آ جائے گا۔

چوہدری نامے سے جا ملا جو اس کے انتظار میں کھڑا تھا۔ نامے نے اس کو بتایا کہ اس کی بہن اس مکان میں آ گئی ہے اور جب چوہدری اندر جائے گا تو نامہ باہر کھڑا رہے گا۔

نامہ چوہدری کو مکان کے اندر لے گیا اور چاقو نکال کر پہلا وار اس کی پیٹھ پر کیا۔ چوہدری پیچھے مڑا تو نامے نے دوسرا اور اس کے سینے پر کیا اور اس کے ساتھ ہی چاقو اس کے ایک پہلو میں اتار کر دوسری طرف زور سے کھینچا اور اس کا پیٹ چاک کر دیا۔ چوہدری

گر پڑا اور اس کے منہ سے آواز تک نہ نکلی۔

نامہ جرائم کی دنیا کا آدمی تھا۔ اس نے تفتیشی افسر کو گمراہ کرنے کے واسطے یہ انتظام کیا ہوا تھا کہ ٹوٹی ہوئی چوڑیوں کے ٹکڑے جیب میں ڈال کر لے گیا تھا۔ اس نے یہ ٹکڑے وہاں پھینک دیئے اور چوہدری کی پہلی والی جیب میں ہاتھ ڈالا تو اس میں کچھ رقم تھی جو نامے نے نکالی اور اس کو پتہ نہ چلا کہ پانچ روپے کا ایک نوٹ وہاں گر گیا ہے۔ نامہ وہاں سے غائب ہو گیا۔

میں سمجھتا تھا کہ نامے کا اقبالی بیان یہاں ختم ہو گیا ہے لیکن اس نے کہا کہ قتل کی اس واردات میں بڑی چوہدرانی بھی شامل ہے۔ وہ اس طرح کہ ایک روز چوہدرانی نے نامے اور چھوٹی بیوی کو راز و نیاز کی باتیں کرتے پکڑ لیا تھا۔ چوہدرانی کو کچھ اور ہی شک ہوا اور اس نے نامے کو ایسی ایسی دھمکیاں دیں اور پھر چھوٹی بیوی کو بھی خوب لتاڑا کہ دونوں ڈر گئے اور نامے نے یہ بات کھول دی کہ چھوٹی بیوی ایک لڑکے کو چاہتی ہے اس کا ارادہ اس کے ساتھ بھاگنے کا ہے لیکن شادی نہیں کر سکے گی۔

نامے نے اپنے بیان میں کہا کہ وہ حیران رہ گیا کہ چوہدرانی نے فوراً اپنا رویہ نرم کر لیا اور اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلے کہ اس خبیث چوہدری کو اس دنیا کے تختے سے ہی کیوں نہ اٹھا دیا جائے۔ ایسے خاوند سے تو عورت بیوہ اچھی ہے۔ یہاں سے بات چلی تو بڑی چوہدرانی اس بات پر سنجیدہ ہی ہو گئی۔

میں چھوٹی چھوٹی باتیں نہیں سنا رہا ورنہ یہ کہانی بہت ہی لمبی ہو جائے گی، آپ کو دلچسپی اس میں تھی کہ آخر قاتل کون تھا۔ وہ میں نے بتا دیا ہے۔ اب اس سازش کی مختصر وضاحت کر رہا ہوں۔

معلوم ہوا کہ چوہدرانی نے چوہدری سے تمام کی تمام جائیداد اپنے بیٹے کے نام رجسٹری کروالی تھی۔ چوہدری کو اپنے بیٹے کے ساتھ بہت ہی پیار تھا۔ اس میں چوہدرانی کی استادی بھی شامل تھی کہ اس نے یہ کام کروالیا۔ اب چوہدری کے قتل کی سازش تیار ہوئی تو چوہدرانی نے کہا کہ سات ہزار روپیہ تو چھوٹی نے دے دیا ہے باقی آٹھ ہزار روپیہ چوہدرانی دے دے گی اور نامے کے پندرہ ہزار پورے ہو جائیں گے جس سے وہ اپنی بہن کو بڑی دھوم دھام سے بیاہ سکے گا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مقتول جب سپرد خاک ہوگیا تو اس شام نامے نے چوہدرانی سے آٹھ ہزار روپیہ نقد وصول کرلیا تھا۔ میں نے دونوں بیویوں کی دی ہوئی رقم نامے کے گھر سے قانون قاعدے کے مطابق برآمد کرلی۔

میں نے دونوں چوہدرانیوں کو گرفتار کرلیا، شاید میں ان کو نظر انداز کر دیتا لیکن رقم برآمد ہوئی تھی اس واسطے ان دونوں کی گرفتاری اور واردات میں ان کی شمولیت ضروری تھی۔ نامے نے اپنا اقبالی بیان مجسٹریٹ کو زیر دفعہ 164 قلمبند کروادیا۔

نامے نے اپنے فلیٹ شوز احتیاط کے طور پر جیداں کے خاوند کو پہنا کر اس کی جوتی پہن لی تھی۔ اس کو خیال آ گیا تھا کہ ان شوز کے کھرے جائے وقوعہ پر ہوں گے اور وہ تھانے جا تار ہتا ہے، کھرے پہچانے جاسکتے ہیں۔

میں نے کیس بڑی محنت سے تیار کیا جس میں میری انگریز ڈی ایس پی کی ہدایت کاری بھی شامل تھی۔ کیس جب مجسٹریٹ سے ہوتا ہوا سیشن کورٹ میں چلا تو نامے کو سزائے موت سنادی گئی اور دونوں چوہدرانیوں کو تین تین سال قید بامشقت دی گئی۔ ہائی کورٹ میں اپیلیں دائر ہوئیں۔ نامے کی سزائے موت برقرار رہی اور مقتول کی دونوں بیویاں بری ہوگئیں۔ وکیل نے اس نکتے پر بری کروالیا کہ ایسا کوئی ثبوت اور شہادت موجود نہیں کہ ان دونوں عورتوں نے نامے کو رقم دی تھی اور قتل پر تیار کیا تھا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk